Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اردو ادب کی تاریخ

مرتبہ

نسیم قریشی

فرینڈس بک ہاؤس شمشاد بلڈنگ علی گڑھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اردو ادب کی تاریخ

مؤلفہ
نسیم قریشی

فرینڈس بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

(جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ)

(بہ ترمیم و اضافہ)

اشاعتِ ششم : اگست سنہ ۱۹۶۴ء

قیمت : تین روپے پچاس پیسے

تعداد ایک ہزار

ناشر:

فرینڈس بک ہاؤس

یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

علی پرنٹنگ پریس دہلی

Courtesy Adv. Showkat Hussain, Najishbandh, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

فہرست

صفحہ

۱۔ عرض مؤلف (اس تالیف کے بارے میں) ۱۱

۲۔ اُردو زبان کی پیدائش اور ترقی ۱۳ - ۲۸

اُردو دکن میں

۳۔ اُردو کا سفر دکن ۲۹ - ۳۱

۴۔ ادب کا آغاز — دور بہمنی ۳۱ - ۳۳

۵۔ اُردو ادب عادل شاہی عہد میں ۳۳ - ۳۶

(رسمی۔ ملک خوشنود۔ نصرتی۔ امین۔ سیوا۔ ہاشمی۔ مومن۔ مرزا)

۶۔ اُردو ادب قطب شاہی دور میں ۳۶ - ۴۰

(محمد قلی قطب شاہ۔ محمد قطب شاہ۔ عبداللہ قطب شاہ۔ ملا وجہی)
غواصی۔ ابن نشاطی۔ جنیدی۔ ملا قطبی۔ تحسین الدین)

۷۔ دکنی اُردو مغلوں کے عہد میں ۴۰ - ۴۴

(عاجز۔ بحری۔ امین۔ ولی ویلوری۔ وجہی۔ ولی۔ سراج)

۸۔ دکنی ادب۔ ایک تبصرہ ۴۴

اُردو ادب کا ارتقاء شمالی ہند میں

۹۔ ادب کا آغاز ۵۰

۱۰۔ پہلا صاحب دیوان شاعر

۱۱۔ شمالی ہند کی اُردو شاعری۔ مزاج، انداز ارتقاء اور خصوصیات

۱۲۔ معاصرین ولی کا دور

(خان آرزو۔ شاہ مبارک آبرو۔ شیخ شرف الدین مضمون)

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

محمد شاکر ناجی ۔ مصطفےٰ خاں یکرنگ ۔ محمد حسین کلیم ۔ اشرف علی خفاں
شاہ ظہور الدین حاتم ۔ جان جاناں مظہر ۔ دور پر ایک نظر)

دورِ سودا و میر

	صفحہ
۱۳ ۔ سودا	۷۵ ۔ ۷۹
۱۴ ۔ میر تقی میر	۸۰ ۔ ۸۴
۱۵ ۔ خواجہ میر درد	۸۴ ۔ ۸۵
۱۶ ۔ میر سوز	۸۵ ۔ ۸۶
۱۷ ۔ میر حسن	۸۷ ۔ ۸۸
۱۸ ۔ قائم چاندپوری	۸۸ ۔ ۸۹
۱۹ ۔ انعام اللہ خاں یقین	۸۹

دورِ انشا، و مصحفی

۲۰ ۔ میر انشا، اللہ خاں انشا،	۹۰ ۔ ۹۲
۲۱ ۔ مصحفی	۹۳ ۔ ۹۵
۲۲ ۔ شیخ قلندر بخش جرأت	۹۵ ۔ ۹۶
۲۳ ۔ خواجہ اثر دہلوی	۹۶ ۔ ۹۷
۲۴ ۔ نظیر اکبرآبادی	۹۸ ۔ ۱۰۰

دورِ ناسخ و آتش (دبستانِ لکھنؤ)

ناسخ	۱۰۰ ۔ ۱۰۲
خواجہ حیدر علی آتش	۱۰۲ ۔ ۱۰۴
دبستان لکھنؤ کے دو زندۂ جاوید ادبی شاہکار	۱۰۵ ۔ ۱۰۶
(گلزارِ نسیم اور زہرِ عشق)	

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

صفحہ

۲۸۔ مرثیہ و مرثیہ گو ۱۰۶ - ۱۰۸
۲۹۔ میر انیس ۱۰۸ - ۱۱۰
۳۰۔ مرزا سلامت علی دبیر ۱۱۰ - ۱۱۱

دورِ ذوق و غالب (دلبستانِ دہلی)

۳۱۔ شاہ نصیر ۱۱۲
۳۲۔ حکیم مومن خاں مومن ۱۱۲ - ۱۱۵
۳۳۔ ذوق دہلوی۔ ۱۱۵ - ۱۱۷
۳۴۔ غالب ۱۱۸ - ۱۲۱

۳۵۔ داغ ۱۲۱ - ۱۲۳
۳۶۔ امیر مینائی ۱۲۳ - ۱۲۵
۳۷۔ جلال لکھنوی ۱۲۵ - ۱۲۶

اُردو نثر ۱۸۵۷ء تک

۳۸۔ اُردو نثر دکن میں ۱۲۷ - ۱۲۸
۳۹۔ دکن کا یادگار نثری شاہکار۔ سب رس۔ ۱۲۸ - ۱۲۹
۴۰۔ شمالی ہند ۱۲۹ - ۱۳۰

فورٹ ولیم کالج

۴۱۔ میر امن دہلوی ۱۳۰ - ۱۳۱
۴۲۔ حیدر بخش حیدری ۱۳۱ - ۱۳۲
۴۳۔ شیر علی افسوس ۱۳۲ - ۱۳۳
۴۴۔ بہادر علی حسینی ۱۳۳ - ۱۳۴

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

	صفحہ
۴۵۔ کاظم علی جوان	۱۳۴
۴۶۔ مظہر علی خاں ولا	۱۳۴
۴۷۔ تہال چند لاہوری	۱۳۴-۱۳۵
۴۸۔ حفیظ الدین	۱۳۵
۴۹۔ مولوی اکرام علی	۱۳۵
۵۰۔ للو لال جی	۱۳۵
۵۱۔ مرزا علی لطف	۱۳۵-۱۳۶

کالج سے باہر

۵۲۔ شاہ ولی اللہ کا خاندان اور اُردو کی خدمت	۱۳۶-۱۳۷
۵۳۔ یورپین علماء اور اُردو	۱۳۷-۱۳۸
۵۴۔ تدوینِ زبان اور ہندوستانی کوششیں	۱۳۸
۵۵۔ فقیر محمد خاں گویا	۱۳۸-۱۳۹
۵۶۔ رجب علی بیگ سرور	۱۳۹-۱۴۱
۵۷۔ دلّی کالج	۱۴۱
۵۸۔ پروفیسر رام چندر	۱۴۱-۱۴۲
۵۹۔ امام بخش صہبائی	۱۴۲
غالب	۱۴۲-۱۴۳
شہید اور بیخبر	۱۴۳-۱۴۵

اُردو ادب ۱۸۵۷ء کے بعد

۶۰۔ جدید اُردو شاعری۔ نظم و غزل	۱۴۶-۱۴۹
	۱۴۹-۱۵۴

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

۶۵۔ جدید اردو شاعری ۱۵۴ - ۱۹۱

جدید اُردو ادب کے معمار

۶۶۔ سیر سید احمد خاں ۱۶۲ - ۱۶۶
۶۷۔ سر سید کے احسانات ۱۶۶
۶۸۔ سر سید کی تصانیف اور اسلوب تحریر ۱۶۶ - ۱۶۷
۶۹۔ محمد حسین آزاد ۱۶۷ - ۱۷۰
۷۰۔ الطاف حسین حالی ۱۷۰ - ۱۷۴
۷۱۔ ذکاء اللہ ۱۷۵ - ۱۷۶
۷۲۔ سر سید کے دو ممتاز رفیق۔ محسن الملک اور چراغ دہلوی ۱۷۶ - ۱۷۷
۷۳۔ نذیر احمد ۱۷۷ - ۱۷۹
۷۴۔ شبلی نعمانی ۱۷۹ - ۱۸۲

جدید اُردو شاعری (نظم)

۷۵۔ اکبر الہ آبادی ۱۸۲ - ۱۸۵
۷۶۔ اسمٰعیل میرٹھی ۱۸۵ - ۱۸۶
۷۷۔ نظم طباطبائی ۱۸۶ - ۱۸۷
۷۸۔ سرور جہان آبادی ۱۸۷ - ۱۸۹
۷۹۔ چکبست ۱۸۹ - ۱۹۱
۸۰۔ اقبال ۱۹۱ - ۱۹۵
۸۱۔ جوش ملیح آبادی ۱۹۵ - ۱۹۷
۸۲۔ سیماب اکبر آبادی ۱۹۷
۸۳۔ حفیظ جالندھری ۱۹۸

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

	صفحہ
۸۴۔ افسر میرٹھی	۱۹۹
۸۵۔ اختر شیرانی	۱۹۹۔۲۰۰
۸۶۔ ساغر نظامی	۲۰۰
۸۷۔ چند ممتاز ترقی پسند شاعر	۲۰۱۔۲۰۴
(اسرار الحق مجاز۔ معین احسن جذبی۔ علی سردار جعفری	
واثق جونپوری۔ فیض احمد فیض)	

اُردو غزل

۸۸۔ شاد عظیم آبادی	۲۰۴۔۲۰۵
۸۹۔ حسرت موہانی	۲۰۶۔۲۰۷
۹۰۔ صفی لکھنوی	۲۰۸
۹۱۔ عزیز لکھنوی	۲۰۸۔۲۰۹
۹۲۔ ثاقب لکھنوی	۲۰۹
۹۳۔ فانی بدایونی	۲۱۰۔۲۱۱
۹۴۔ ریاض خیرآبادی	۲۱۱۔۲۱۲
۹۵۔ جلیل مانکپوری	۲۱۲
۹۶۔ اصغر گونڈوی	۲۱۳۔۲۱۴
۹۷۔ جگر مرادآبادی	۲۱۴۔۲۱۵
۹۸۔ آرزو لکھنوی	۲۱۶
۹۹۔ اثر لکھنوی	۲۱۷
۱۰۰۔ یگانہ چنگیزی	۲۱۸
۱۰۱۔ فراق گورکھپوری	۲۱۸۔۲۱۹

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

جدید نثر
تحقیق و تنقید

۱۰۲۔ وحید الدین سلیم ۲۱۹ - ۲۲۰
۱۰۳۔ مولوی عبدالحق ۲۲۰ - ۲۲۱
۱۰۴۔ مسعود حسن رضوی ۲۲۱ - ۲۲۲
۱۰۵۔ کلیم الدین احمد ۲۲۲ - ۲۲۳
۱۰۶۔ آلِ احمد سرور ۲۲۳ - ۲۲۴
۱۰۷۔ سید احتشام حسین رضوی ۲۲۴ - ۲۲۵

انشائیہ مقالات، صحافت

۱۰۸۔ سید علی بلگرامی ۲۲۵ - ۲۲۶
۱۰۹۔ مہدی افادی ۲۲۶ - ۲۲۷
۱۱۰۔ ظفر علی خاں ۲۲۷ - ۲۲۸
۱۱۱۔ سید سلیمان ندوی ۲۲۹ - ۲۳۰
۱۱۲۔ خواجہ حسن نظامی ۲۳۰
۱۱۳۔ ابوالکلام آزاد ۲۳۰ - ۲۳۲
۱۱۴۔ عبدالماجد دریابادی ۲۳۳ - ۲۳۳
۱۱۵۔ نیاز فتحپوری ۲۳۳
۱۱۶۔ قاضی عبدالغفار ۲۳۴ - ۲۳۵

ناول و افسانہ

۱۱۷۔ رتن ناتھ سرشار ۲۳۵
۱۱۸۔ عبدالحلیم شرر ۲۳۹ - ۲۴۲

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

	صفحہ
۱۱۹۔ منشی سجاد حسین	۲۴۳-۲۴۴
۱۲۰۔ محمد ہادی رسوا	۲۴۵-۲۴۳
۱۲۱۔ راشد الخیری	۲۴۷-۲۴۶
۱۲۲۔ پریم چند	۲۴۸-۲۴۷
۱۲۳۔ علی عباس حسینی	۲۴۹-۲۴۸
۱۲۴۔ سجاد حیدر یلدرم	۲۵۰-۲۴۹
۱۲۵۔ کرشن چندر	۲۵۱-۲۵۰
۱۲۶۔ فرحت اللہ بیگ	۲۵۲-۲۵۱
۱۲۷۔ پطرس	۲۵۳
۱۲۸۔ رشید احمد صدیقی	۲۵۵-۲۵۴
۱۲۹۔ شوکت تھانوی	۲۵۵
۱۳۰۔ کنھیا لال کپور	۲۵۶-۲۵۵
۱۳۱۔ اُردو زبان و ادب کا مستقبل	۲۷۰-۲۵۷

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس تالیف کے بارے میں

"اُردو ادب کی تاریخ" ایک مختصر تالیف ہے اور خاص طور پر طالبعلموں کی ضرورت کو نگاہ میں رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ اب تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ نہ صرف طلبا بلکہ عام ناظرین نے بھی اسے پسند کیا۔

اُردو ادب کے اس مختصر جائزہ میں نہ ادبی رجحانات پر سیر حاصل تبصرے کی گنجائش تھی، نہ تمام قابلِ لحاظ اربابِ فن کے تذکرے کا امکان۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اُردو زبان و ادب کے تدریجی ارتقار کا واضح تصور مجمل طور سے نگاہوں کے سامنے آجائے۔

مختصر سی کتاب میں بس اتنا ہی ممکن تھا۔ امید ہے اس تالیف کے مطالعہ کے وقت قارئین میری اس مجبوری کو نگاہ میں رکھیں گے۔

نسیم قریشی

یکم جولائی سنہ ۶۴ء
صاحب باغ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

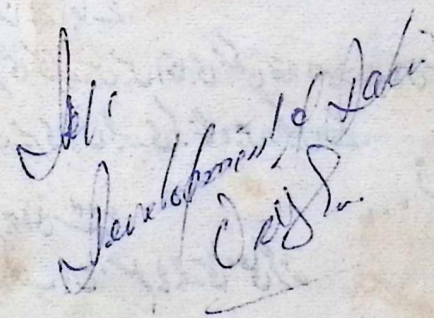

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو زبان کی پیدائش اور ترقی

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے تاریخ کا ایک بالکل نیا دور قائم ہوا۔ حکومت کے طور طریق میں فرق آیا۔ تہذیب کے خاکے میں نئے رنگ اُبھرے، رہن سہن، رسم رواج اور بول چال میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں۔ بتدریج ایک نیا تمدن ظاہر ہوا جو زمانے کے ساتھ ساتھ نکھرتا، سنورتا اور مضبوط ہوتا گیا۔ اس زبردست اور ہمہ گیر تہذیبی انقلاب کی کہانی بہت طویل اور بہت دلچسپ ہے۔ تاریخ نے اس انقلاب کے اندازِ رفتار اور اُس کے ایک ایک قدم کے اثرات کو محفوظ کر لیا ہے۔ بالکل اختصار کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں زندگی نے ایک نیا طرز اور تاریخ نے ایک نئی راہ اختیار کر لی۔

انسانی سماج میں زبان کا بڑا درجہ ادب کی بڑی حیثیت ہے۔ سماج میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں وہ زبان و ادب میں خاص شان، چمک اور اثر کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے ساتھ ہندو مسلمانوں میں میل جول اور دوستی و محبت کا جو سلسلہ قائم ہوا اس نے زبان کی بھی نئی تاریخ پیدا کر دی۔ سماجی ضرورتوں نے مسلمانوں کی زبان فارسی اور ہندوستان کی بولیوں میں ملاپ کا ایک رشتہ قائم کیا۔ دھیرے دھیرے تاریخ کے ایک زبردست مگر خاموش عمل نے ایک نئی زبان بننے کے سامان پیدا کر دیئے۔ نئی بولی کو باقاعدہ زبان بننے میں سیکڑوں برس کی راہ طے کرنا پڑی۔ یہ زبان مختلف زمانوں اور مختلف خطوں میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہندی، دکھنی، ریختہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردوئے معلیٰ، ہندوستانی اور اُردو اس کے مختلف نام ہیں۔ اُردو کی پیدائش، ابتدائی روپ اور تدریجی ترقیوں پر یورپ اور ہندوستان کے بڑے بڑے محققوں اور عالموں نے اپنے اپنے طرز پر بڑی محنت اور قابلیت سے کام کیا ہے۔ تحقیق نے اس سلسلہ میں معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا ہے۔ اُردو زبان کی پیدائش اور ترقیوں کے متعلق مختلف نظریے قائم ہو گئے ہیں اور آج تک برابر تحقیق و تنقید کا سلسلہ جاری ہے۔ ان نظریوں اور اس وسیع معلومات کے تفصیلی بیان کا یہاں موقع نہیں ہے لیکن اس کی بنیاد پر اُردو کی پیدائش، ترقی اور بولی سے زبان بننے تک کے دَور کا عام فہم تاریخی تصور بآسانی اُبھر آتا ہے۔

قریب چار ہزار برس ہوئے شمال مغرب کی جانب سے آریہ قوم ہندوستان میں داخل ہوئی۔ آریہ فاتحانہ شان کے ساتھ قدیم ہندوستانی سلطنتوں اور طاقتوں کو پامال کرتے اور اپنی سیاسی طاقت، تہذیب اور دین کی فتح کے پرچم لہراتے ہوئے آگے بڑھے اور مضبوطی کے ساتھ اس زمین پر اپنے قدم جما لئے۔ اُنھوں نے یہاں کے رہنے والوں کی زندگی، تمدّن اور مذہب پر بڑا گہرا فاتحانہ اثر ڈالا وہ خود بھی یہاں کے رہنے والوں سے متأثر ہوئے۔ اُن کی زبان نے دیسی بولیوں کے الفاظ، محاورات اور اثرات قبول کئے۔ جس کا اندازہ آریوں کی قدیم ترین مذہبی کتابوں یعنی ویدوں سے بآسانی ہو جاتا ہے۔

پراکرتوں کا ظہور لیکن آریوں کی زبان اور دیسی بولیوں کے آزادانہ میل جول یہ سلسلہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکا۔ آگے چل کر برہمنوں نے اپنی زبان کے وقار اور تقدّس کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک اونچے ادبی معیار پر اس کی تنظیم کی اُس کے لئے بڑے ٹھوس اور بے لچک قاعدے بنائے اور اُس کے حاصل کرنے بڑی کڑی پابندیاں عائد کیں۔ اس طرح وہ اونچا بھرم اور آن رکھنے والی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زبان پیدا ہوئی جسے سنسکرت کہتے ہیں اور جس کے معنی شُدھ اور پاک کے ہیں۔ عوام کی زبان کو پراکرت کا نام ملا جس کے معنی ہیں فطری یعنی ابتدائی حالت کی چیز جو ذہن کی آرائش اور جلا سے محروم ہو۔ پُرانی آریائی زبان، ادبی سنسکرت اور پراکرت کے باہمی رشتہ پر داد تحقیق دیتے ہوئے ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب لکھتے ہیں: "استعارہ میں یہی بات یوں کہی جائے کہ زبان کا جو دھارا آریوں کے وقت سے بہنا شروع ہوتا ہے، اُس کی ایک شاخ جھیل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ حسین لیکن محدود، جسے ہم سنسکرت کہتے ہیں۔ جس کے اردگرد اُس کی گرامر کے سنگین ساحل پھیلے ہوئے ہیں۔ اس دھارے کی دوسری شاخ مختلف رُوپ بدلتی ہوئی اب تک بہہ رہی ہے۔ کبھی گدلی، کبھی تابناک لیکن ہر لحظہ پھیلتی ہوئی ہندوستان کی موجودہ زبانوں کا تعلق براہِ راست دھارے کی اسی شاخ سے ہے۔ مختصر یہ کہ آریوں کی ابتدائی زبان (جو کہ دیسی بولیوں کے میل جول سے بنی تھی) ہی سے ویدی زبان اور سنسکرت پیدا ہوئیں اور دوسری صوبجاتی بولیاں یعنی پراکرتیں بھی پھوٹیں۔ سنسکرت نے صرف چُنے ہوئے شائستہ اور بلیغ الفاظ سے اپنا خزانہ بھرا۔ لیکن صوبجاتی بولیوں نے ویدی زبان کے فطری رجحان کو اپنایا۔ یہی اُن کے پراکرت (فطری) کہلانے کا سبب ہے۔ اس طرح ویدک زبان اور پراکرتوں میں سنسکرت کی بہ نسبت زیادہ قریب کا رشتہ دکھائی دیتا ہے۔" اس عمل سے سنسکرت کا ادبی وقار بہت بڑھ گیا۔ لیکن بتدریج وہ پُرانی آریائی زبان اور دیسی بولیوں سے الگ اور بلند ہوتی گئی۔ اور آگے چل کر صرف اونچی سوسائیٹیوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ عوام کا کام پراکرتوں سے چلتا رہا۔ آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے اس صورتِ حال میں ایک زبردست انقلاب آیا جس نے [illegible]

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور اثر کے ساتھ مہاتما گوتم بدھ نے دین کی ایک نئی تعلیم اور نجات کا ایک نیا راستہ پیش کیا۔ مہاتما بودھ نہ ذات پات کے قائل تھے اور نہ انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کے۔ اُنھوں نے بلا لحاظ فرق، عام انسانوں سے خطاب کیا۔ اور اس لئے مقصداً اپنی تعلیم عام انسانوں کی زبان میں دی تاکہ ہر شخص اُن کی بات سمجھ سکے اور اُن کی آواز ہر ایک کے دل میں گھر کر سکے۔ بودھ کی تعلیم اور تبلیغ سے پراکرت کا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ اشوک جس کا نام تاریخ میں امر ہو گیا ہے، بدھ مذہب کا بڑا جوشیلا پیرو تھا۔ اُس نے اپنی ساری زندگی مہاتما بدھ کی تعلیم عام کرنے کے لئے وقف کر دی۔ اس تبلیغ کا سارا کام پراکرت کی ادبی شاخ پالی میں ہوا اور اس طرح پالی کو شاندار فروغ حاصل ہوا۔ مہاتما بدھ کی تعلیم نے عام بیداری کی جو لہر پیدا کی تھی، صدیوں ہندوستان پر اُس کا اثر رہا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے بودھ مذہب کا اس زمین سے خاتمہ ہو چکا تھا لیکن اس کے اثرات کسی نہ کسی روپ میں موجود تھے۔ اس درمیانی زمانے میں پراکرت بھی گرتی پڑتی، زمانے کی مار کھاتی، پھر بھی سنبھلتی، زمانے کے نئے اثرات کے ساتھ نئے رُوپ بدلتی، قدم آگے بڑھاتی، وقت کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ چھ سو سن عیسوی تک پہنچتے پہنچتے، پراکرت کی ادبی شاخوں اور عوام کی بولیوں میں دُوری صاف ظاہر ہو چلی تھی۔ اس دور کے قواعد نویسوں نے عوام کی بولیوں کو اَپ بھرنش (بگڑی ہوئی زبان) کہہ کر پکارا ہے۔ پہلے یہ گری پڑی رہی لیکن آخر کار اُس کے چہرے پر زندگی کی روشن اور چنچل لہروں نے پڑھے لکھوں کا دل موہ لیا۔ اَپ بھرنش کی ترقی کے دروازے کھلے اور راجپوتوں کے دور میں جن کی سیاسی طاقت کے پھریرے دہلی اور دوآب کے علاقوں میں لہراتے تھے۔ اس کی ادبی شاخ شورسینی اَپ بھرنش کو بڑا عروج حاصل ہوا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

راجپوتوں کے زوال کے ساتھ آپ بھرنش کی قسمت کا ستارہ بھی بادلوں میں آگیا۔ ایک ہزار سن عیسوی کے قریب آپ بھرنش کا زوال شروع ہوگیا تھا اور اُس کے بطن سے جدید ہندوستانی زبانیں، پنجابی، گجراتی، مرہٹی، راجستھانی بنگالی، اُڑیا، مشرقی ہندی، بہاری اور مغربی ہندی (جس کی ایک شاخ کھڑی بولی کہلائی، جو دہلی اور نواح دہلی میں بولی جاتی تھی، اور جس پر اُردو کی بنیاد قائم ہے) اُبھرنے لگی تھیں۔ یہی زمانہ ہے جب مسلمانوں کے فوجی لشکر اور مسلمان صوفیوں کے قافلے شمالی مغربی راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ہندوستان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔ جدید ہندوستانی زبانیں نئے انداز اور نئے اثرات کے ساتھ بننے لگیں اور اُردو کی پیدائش اور ترقی کی تاریخ کا آغاز ہوگیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان کے مالابار اور کارومنڈل کے ساحلی علاقوں سے عربوں کے تجارتی تعلقات بہت پرانے چلے آرہے تھے۔ عرب کے اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی یہ تعلقات قائم رہے۔ دکن میں عرب نسل کے مسلمان آج بھی آباد ہیں اور ساحلی علاقوں کی زبانوں میں عربی الفاظ اس شان کے ساتھ موجود ہیں کہ اب وہ بالکل یہیں کے ہوگئے ہیں۔ فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ بنو اُمیہ کے مشہور جنرل محمد بن قاسم کی سرداری میں ۷۱۲ء میں آیا۔ یہ مسلمان عرب تھے۔ ان کا تمدن عربی تھا۔ انھوں نے سندھ میں اپنی حکومت قائم کر لی جو کئی سو برس قائم رہی۔ عربوں کے اثر سے موجودہ سندھی زبان پیدا ہوئی جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں سیکڑوں عربی اور فارسی کے الفاظ شامل ہیں۔ عرب سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ ایک خطے میں محدود ہو کر رہ گئے اور ہندوستان کی [illegible]

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُن کا کوئی اثر قائم نہیں ہوا۔ لیکن گیارھویں صدی عیسوی شروع ہونے سے تین برس پہلے محمود غزنوی نے ہندوستان پر فاتحانہ حملوں کا جو سلسلہ شروع کیا اُس نے پورے ملک کی تاریخ بدل کر رکھدی بتدریج راجپوت خاندانوں کی طاقت پامال ہوگئی، ہندو اقتدار کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۲۰۶ء میں مسلمانوں کی ہندوستان میں باقاعدہ سلطنت قائم ہوگئی اور بڑے استحکام و وقار کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک قائم رہی یہاں تک کہ زمانے نے ایک نئی کروٹ لی؛ ایک نیا رنگ بولا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے دہلی کے لال قلعہ سے اُس کا پرچم گرادیا اور انگریزی راج کی بساط بچھادی۔ آٹھ سو برس کا یہ زمانہ بڑی تاریخی تبدیلیوں اور ترقی کا زمانہ ہے۔ اسی دور نے ہمیں قطب مینار، لال قلعہ اور تاج محل دیا، اسی دور نے چشتی، کبیر اور نانک کا رُوحانی پیغام دیا اسی دور نے بھارت کے نئے سنگیت کو جنم دیا اور اسی دور کے تہذیبی میل جول اور تمدنی ترقی نے اُردو کا خاکہ بنایا، اس میں ادب کے رنگ بھرے اور ایک مستقل اور شاندار زبان کی حیثیت سے آنے والے دور میں اس کی زندگی اور ترقی کی راہ مقرر کردی۔

غزنی کے ہمراہی اور اس کے بعد کے آنے والے مسلمان فارسی زبان بولتے ہوئے آئے تھے۔ عربوں کی فتح ایمان، اور عربی کے ہمہ گیر اثر نے فارسی کو نیا رنگ رُوپ، نیا نکھار اور ادبی آرائش کے نئے زیور دیئے۔ عربی کے بعد یہی فارسی اسلامی دنیا کی سب سے زیادہ طاقت ور اور با اثر زبان تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ یہی فارسی ہندوستان میں آئی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے قافلے کا پہلا قیام پنجاب میں ہوا اس لئے کہ پنجاب کو غزنیوں نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ محمد غوری کے حملے تک قریب دو سو برس کا زمانہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زبان کے نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اسی دور میں یہاں کی زبان حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ مسعود سعد سلمان جو اس دور کا ایک اچھا شاعر گزرا ہے اُس کے متعلق تاریخوں میں مذکور ہے کہ اس نے فارسی اور ترکی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی دیوان مرتب کیا۔ اسی زمانے میں اسلام دنیا کے نامور عالم، محقق اور مُفکر علامہ البیرونی نے بڑی محنت، جانفشانی اور سچے ذوق کے ساتھ ہندوؤں کے فلسفہ، مذہب اور علوم سے اتنی گہری واقفیت حاصل کر لی کہ اُن کی کتاب الہند" اس موضوع پر بڑی مُستند اور حیرت انگیز تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ علم کی پیاس بجھانے کے لئے البیرونی کو پنڈتوں کا بھیس بنا کر برسوں مندروں اور مذہبی خانقاہوں کی خاک چھاننا پڑی تھی۔ اس سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے علم دوست طبقہ میں ہندوستان کی تہذیب اور علم و فن سے باخبر ہونے کی سچی پیاس روزِ اول سے پیدا ہو گئی تھی۔ ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے واسطہ پڑا تو بہت جلد ایک قوم کے الفاظ دوسری قوم کی زبان پر چڑھنے لگے۔ فردوسی کے شاہنامہ میں لفظ "کوتوال" موجود ہے جو ہندی لفظ کوٹ والا کا اپنایا ہوا رُوپ ہے۔ حکیم سنائی کے یہاں لفظ "پانی" ایک شعر میں استعمال ہوا ہے۔ راجہ پرتھوی راج کے درباری شاعر چند بردائی کی مشہور تصنیف پرتھوی راج راسو کا بیشتر حصہ جعلی ثابت ہو چکا ہے لیکن بعض حصوں کی صحت و قدامت آج بھی مسلّم ہے۔ اُس کے یہاں بہت سے عربی و فارسی الفاظ ہندی کے تلفظ کے ساتھ ملتے ہیں مثلاً سوار، عربی، ترکی، کمان وغیرہ۔ ان مثالوں سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ عوام کی زبانوں پر الفاظ کا لین دین بڑی تیزی سے شروع ہو گیا تھا اور نئی زبان کا بالکل ابتدائی رُوپ بننے لگا تھا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

۱۱۹۲ء میں سلطان محمد غوری نے راجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر راجپوت اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور ۱۲۰۶ء میں سلطان قطب الدین ایبک نے شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک مضبوط حکومت قائم کر دی۔ دہلی پایۂ تخت تھا اور پنجابی علاقوں کے مسلمان فوجی فارسی آمیز پنجابی کو لئے ہوئے دہلی آ گئے۔ سلطنت قائم ہونے سے مسلمانوں کا قیام زمین ہند پر یقینی ہو گیا۔ اور اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان زیادہ گہرے قومی اور وسیع تر پیمانے پر تعلقات قائم ہونے کے لئے زمین ہموار ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شورشینی اپ بھرنش کی شاخ مغربی ہندی سے برج بھاشا اور کھڑی بولی کی کونپلیں نکل آئی تھیں۔ دہلی میں مسلمانوں کے قیام کے ساتھ دیسی بولیوں میں فارسی الفاظ بڑی تیزی سے شامل ہونے لگے اور مسلمان بھی یہاں کی بولیوں کے مزاج کو زیادہ بہتر پہچاننے لگے اور ان بولیوں میں مہارت حاصل کرنے لگے۔ فارسی اور دیسی بولیوں سے مل جل کر بننے والی زبان میں جو آگے چل کر اُردو کہلائی برج بھاشا، کھڑی بولی پنجابی راجستھانی وغیرہ زبانوں کے اجزا شامل تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ کھڑی بولی سے قریب تر ہوتی گئی اور اپنی ترقی یافتہ صورت میں یہ زبان کھڑی بولی کا صاف ستھرا نکھرا اور شُستہ ادبی رُوپ ہے۔ اُردو کی بناوٹ میں کھڑی بولی کو بنیادی اہمیت حاصل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دہلی کے بادشاہوں کی فوج میں بھرتی انبالہ، کرنال، حصار اور میواڑ کے علاقہ سے کی جاتی تھی اور چونکہ ان خطوں میں کھڑی بولی کا چلن تھا اس لئے اس کی مرکزی حیثیت روز بروز تیزی کے ساتھ قائم ہوتی جا رہی تھی کھڑی بولی دہلی کی زبان تھی جو ہندوستان کا پایۂ تخت تھا یہاں کی ہر چیز

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization e Gangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge, Srinagar Collection

کو اقبال مندی اور عزت حاصل تھی اور تمام ملک دہلی کے تمدن اور زبان سے گہرے طور پر متاثر ہو رہا تھا۔ شاہانِ دہلی، فوجوں، تاجر پیشہ لوگوں اور عام انسانوں نے اس زبان کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا اور بتدریج اس کا عام رواج ہو گیا۔

یہ اُردو کی پیدائش اور ابتدائی ترقی کا مختصر خاکہ ہے۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت کی تاریخ میں اس خاکہ کی تفصیل ملتی ہے اور وہ عبارتیں اُجاگر ہوتی ہیں جو مختلف زبانوں میں اُردو نے اختیار کی ہیں۔ اُردو کے سلسلہ میں حضرت امیر خسرو کا نام بڑی اہمیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ خسرو بہت بڑے شاعر، زبانوں کے عالم اور موسیقی کے ماہر تھے۔ اُن کی طبیعت میں قیامت کی اُپج تھی اور نئی نئی چیزیں نکالنے کا اُنھیں بڑا شوق تھا۔ ہندوستان کی زبانوں سے واقف ہونے کا حال خود اُنھوں نے اپنے قلم سے لکھا ہے اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ ہندی میں اُنھوں نے ایک دیوان تیار کیا تھا۔ ان کے نام کے ساتھ سیکڑوں پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور کہاوتیں منسوب کر دی گئی ہیں لیکن وہ مشتبہ ہیں اور اس لئے اس دور کی زبان کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ان چیزوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے البتہ اس سے نئی زبان کے بڑھنے اور پھیلنے کا قیاس آسانی سے ہو جاتا ہے۔ خسرو کی فارسی مثنویوں میں ہندی کے کچھ ٹکڑے مل جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر زبان کا مزاج آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ تحقیق کرنے والے غالباً تاریکی میں بھٹکتے رہتے لیکن صوفیوں کا بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے اس راہ میں روشنی دکھائی ہے۔ بڑے صوفیوں کے ملفوظات میں ہندی کے فقرے اور الفاظ مل جاتے ہیں جن سے زبان کی ترقی کا گر سمجھ میں آنے لگتا ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو کے عام طور پر پھیلنے اور دُور دُور کے علاقوں میں اُس کی اشاعت میں مُسلمان صوفیوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ الٰہ والوں کا یہ گروہ، بابا کے موہ میں ڈوبے ہوئے دنیا پرستوں کو سچائی اور نیکی کی راہ دکھانے کے لئے آیا۔ ان کا سلسلہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے شروع ہوا اور بہت جلد یہ رُوحانی برادری ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ان کی خانقاہیں دربارِ عام تھیں، جہاں چھوٹے بڑے، غریب، امیر، عالم، جاہل کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ بڑوں سے زیادہ چھوٹے، گرے پڑے، زمانے کے ستائے ہوئے انسان ان کی طرف جھکتے تھے۔ عام انسانوں سے قریب ہونے اور اُن کے کانوں تک اپنا سچائی کا سندیسہ پہنچانے کے لئے صوفیوں نے دیسی بولیاں سیکھیں۔ خواجہ کے متعلق یہ مستند روایت موجود ہے کہ وہ ہندی میں بھی بات چیت کرتے تھے اور حضرت گنج شکر کے دو ہندی فقرے مولانا سید مبارک کی کتاب سیر الاولیاء میں موجود ہیں۔ ایک فقرہ یہ ہے کہ "بد کا چاند بھی بالا ہوتا ہے"۔ گنج شکر کے کچھ منظوم اقوال بھی ملتے ہیں۔ شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی "خیر المجالس" میں اُردو کا ایک فقرہ یہ آیا ہے۔ "تو میرا گسائیں، تو میرا کرتار! مجھ اس تاپ تھیں چھڑا۔" یعنی تو میرا مالک تو میرا کارساز، مجھے اس بخار سے نجات دلا۔ شیخ بو علی قلندر نے ایک موقع پر ایک دوہا پڑھا جس سے اس زمانے میں زبان کی کیفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوہا یہ ہے:

سجن سکارے جائیں گے اور نین پڑیں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر کہ بھور کدھی نہ ہوئے

تاریخ فرشتہ میں شاہ نصیر الدین چراغ کا ایک ہندی فقرہ ملتا ہے جو اُنھوں نے شیخ عثمان سے کہا تھا۔ "تم اُوبہ تلی" یعنی تم اُوبہ تلی ہو۔ ان کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshabandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

علاوہ مختلف صوفیوں کے اور بہت سے ٹکڑے اور فقرے ملتے ہیں جو زبان کے مزاج کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً لوہے یا لکڑی یا پتھر یا کیا ہے۔ پڈھ ڈوکرے۔ تیجی بیری ہر کوئی جھورے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں حضرت گنج العلم حضرت گیسو دراز اور دوسرے صوفیا نے اسی زبان میں رسالے تصنیف کرنا شروع کر دیئے تھے۔ صوفیوں کی خدمات سے اُردو زبان کی مقبولیت اور عام معیار کا ایک عام انداز ہو جاتا ہے۔

پندرھویں اور سولھویں صدی میں دو بڑے مشہور مذہبی ریفارمر سنت کبیر اور بابا گرو نانک شمالی ہندوستان کے دل و دماغ پر چھا گئے۔ کبیر اور گرو نانک کا مستند کلام شایع ہو گیا ہے۔ کبیر ضلع بستی کے رہنے والے تھے وہ بے لوث عبادت اور سچی رُوحانیت کا پیغام لے کر اُٹھے تھے۔ اُن کے دوہے آج بھی خاص و عام کی زبان پر جاری ہیں اور دُکھے دلوں پر مرہم کا کام کرتے ہیں۔ نانک نیکی اور پاکبازی کا نور بن کر پنجاب کی زمین سے اُبھرے۔ اُن کی روحانی آواز نے خدا پرستی اور کھری انسانیت کا عام پرچار کیا۔ کبیر کا بیشتر کلام پُوربی میں ہے جو اُن کے دیس کی زبان تھی نانک کی رُوحانی آواز پنجابی کے قالب میں ظاہر ہوئی لیکن ان دونوں بزرگوں کے کلام میں دو چیزیں خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کے قابل ہیں اول یہ کہ دونوں کے یہاں رائج الوقت عربی اور فارسی الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ دوئم یہ کہ ان دونوں کے کلام میں کھڑی بولی کے نمایاں اثرات ہیں اور خالص کھڑی بولی میں بھی دوہے ملتے ہیں۔

کبیر کی کھڑی بولی :۔

کبیر لوٹنا ہے تو لوٹ لے رام نام ہے لوٹ

پھر پاچھے پچھتا ہوگے پران جائیں گے چھوٹ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کبیر کہتا جات ہوں سنتا ہے سب کوئے
رام کہے بھلا ہوئے گا نہیں تر بھلا نہ ہوئے

نانک کی کھڑی بولی :-

آدت کو جاتا کہیں جاتے کو آیا — پر کی کو اپنی کہیں، اپنو نہیں بھایا
سیٹے کو کڑوی کہیں کڑوے کو میٹھا — رانے کو نندا کریں ایسا کل ماہنی ڈیٹھا

کھڑی بولی کو جو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اس پر سب سے زیادہ حیرت انگیز روشنی مہاراشٹر کے مشہور شاعر اور بھگت نام دیو کے کلام سے پڑتی ہے جس نے کبیر اور نانک سے پہلے قدیم کھڑی بولی میں دوہے کہے :

مائی نہ ہوتی، باپ نہ ہوتے، کرم نہ ہوتا کایا
ہم نہیں ہوتے، تم نہیں ہوتے، کون کہاں تے آیا
چند نہ ہوتا، سورج نہ ہوتا، پانی پون ملایا
شاستر نہ ہوتا، وید نہ ہوتا، کرم کہاں تے آیا

کھڑی بولی کی اس اُبھرتی ہوئی مرکزی حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے صحیح فرمایا ہے کہ "اس عہد کے مذہبی پیشواؤں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کا عالمگیر پیغام ایک عالمگیر زبان میں ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نامدیو نے مرہٹواڑہ میں کبیر داس نے پورب میں اور گورو نانک نے پنجاب میں بیٹھ کر لشکریوں اور بیوپاریوں کے ذریعے پھیلتی ہوئی اس زبان کو اپنایا۔" تاریخ کا یہ جائزہ صاف بتاتا ہے کہ بابر کی آمد کے وقت کھڑی بولی کے روپ میں ہندوستان کی عام زبان (لنگوا فرینکا) کا خمیر پورے طور پر تیار ہو چکا تھا اور ہندوستان کی بولیوں کی کثرت کے درمیان لسانی وحدت کا ایک نیا نقش رفتہ رفتہ اُبھر رہا تھا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سنہ ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان کو فتح کر کے مغل سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ایک مختصر درمیانی وقفہ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے انقلاب تک قائم رہی۔ مغلوں کا دور ہندوستان کی تاریخ میں بڑی بڑی ترقیوں کا دور ہے۔ تعمیر کے اعلیٰ نمونے زندگی کے فیشن میں نئی تراش خراش، تہذیب کے نئے زیادہ سُتھرے اور ہندو مسلم نفاق کی وحدت ظاہر کرنے والے نقشے، شائستگی کے نقش و نگار بن کر ظاہر ہوئے۔ اس سنہرے دور میں علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کو چار چاند لگ گئے۔ سنسکرت پر خاص توجہ شروع ہوئی اور ہندی کے شاعروں پر بھی انعام و اکرام کی وہ بارش ہوئی کہ وکرماجیت کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔ بابر کی مادری زبان ترکی تھی اور حکومت کی زبان فارسی۔ وہ ہندوستان میں نو وارد تھا لیکن دہلی میں بیٹھ کر اُس نے کھڑی بولی اتنی اچھی طرح حاصل کر لی کہ اُس کا شعر ہے ؎

مجکا نہ ہوا کچھ ہوس لانک و موتی
فقرا حلیفہ لبس بولفو سیتو پانی دروتی

(مجھ کو مانک موتی لعل و گہر کی کوئی ہوس نہیں ہے۔ فقیر کے لئے ایک ٹکڑا روٹی اور تھوڑا سا پانی کافی ہے)۔

ہمایوں کے دربار میں کچھ فارسی شاعر ایسے تھے جن کے متعلق تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ ہندی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان میں ایک شیخ گدائی کا نام بھی ہے لیکن کلام نہیں ملتا۔ اکبر کے زمانے میں مغل حکومت کا دارالسلطنت دہلی سے آگرہ منتقل ہوا۔ راجدھانی کی اس تبدیلی سے کھڑی بولی یا اُردو کی ترقی کو عارضی صدمہ پہنچا۔ آگرہ کی زبان کھڑی بولی کی بہن برج بھاشا تھی جو برج کے سُندر رسیلے ماحول میں پرورش پا کر گیتوں کی زبان بن گئی تھی۔ متھرا ہمیشہ خالص ہندو مذہبی تحریکات کا مرکز رہا ہے اس لئے برج بھاشا روزِ اول سے سنسکرت کے قریب تر رہی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس نے سنسکرت کا سہارا لے کر ادب پیدا کیا اور جب متھرا پندرھویں اور سولھویں صدی میں کرشن بھگتی کی تحریک کا مرکز بنا تو برج بھاشا کے چہرے پر جوانی کی بہار آگئی۔ اور سولھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک برج بھاشا نے واحد ادبی زبان کی حیثیت سے شمالی ہند پر اپنا سکہ جمائے رکھا۔ آگرہ کے مغل دربار میں برج بھاشا کی پہنچ بڑی۔ اردو اور تیکھے پن کے ساتھ ہوئی مغل دربار میں برج بھاشا کو ایسا فروغ ملا کہ وہ فارسی سے چشمک کرنے لگی۔ اکبر کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے فارسی میں شعر لکھے عبدالرحیم خانخاناں کا نام تو امر ہو گیا ہے۔ برج بھاشا کی اس شاندار ترقی سے کھڑی بولی کچھ عرصہ کے لئے سایہ میں آگئی۔ برج کے دامن میں لپٹ کر سنسکرت کے سیکڑوں الفاظ از سر نو چلن پا گئے اور اُن کا یہاں تک پھیلاؤ ہوا کہ دکن کے اس دور کے اُردو ادب میں یہ الفاظ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حالانکہ دکنی ادب، اُردو کی ابتدائی شکل یعنی کھڑی بولی میں ہے۔ اکبر کے زمانے میں کھڑی بولی کا نمونہ گنگ کوی کی کتاب "چند چھند برن کی مہیما" میں ملتا ہے۔ جو ۱۵۷۲ء میں کھڑی بولی میں لکھی گئی۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

"اکبر ساہ جی (بادشاہ) عام کھاس (خاص) میں تکھت (تخت) اوپر وراجمان (مسند نشین) ہو رہے اور عام کھاس بھرنے لگا ہے۔ جس میں تمام اُمرا آئے آئے کورنش بجانے جہاد کر کے اپنی اپنی بیٹھک پر بیٹھ جایا کریں۔"

جب شاہجہاں نے دوبارہ دہلی کو آباد کیا اور تختِ شاہی آگرے سے دہلی منتقل ہوا تو پھر کھڑی بولی کے دن پھرے۔ برج بھاشا بھی دربار کے ساتھ آگرہ سے دہلی آئی تھی۔ لیکن وہ زیادہ دنوں قدم نہ جما سکی اور کھڑی کا روپ روز بروز نکھرتا گیا۔ شاہجہاں کا دور حکومت کھڑی کے حیات نو کا زمانہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہے۔ اسی لئے اُردو کو شاہجہانی اُردو بھی کہا گیا ہے۔ کھڑی اب پرانی پنجابی ہریانی اور اپ بھرنشی اثرات کو زائل کر کے اُٹھتی ہوئی جوانی کے ولولے اور اُمنگ کے ساتھ مشترک ملکی زبان کی حیثیت سے پھیلنا اور فروغ حاصل کرنا شروع کرتی ہے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں اس زبان کو خاص ترقی ملی۔ اورنگ زیب کی سنگیت دشمنی نے برج بھاشا کے وقار کو سخت صدمہ پہنچایا اور دکن کی فتح نے شمال اور دکن کے درمیان وہ رابطے پیدا کئے جس سے اس زبان کو بڑی قوت اور تیز رفتاری ملی۔ مسلمان شعراء نے اس کی طرف توجہ کی۔ پہلے تو ہندی عروض پر اسے آزمایا اور بعد میں فارسی عروض کی پابندی کر کے اسے شاعرانہ اظہار خیال کا ذریعہ بنا لیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام مولانا محمد افضل متوفی سنہ ۱۰۳۴ھ ساکن جھنجھانہ ضلع میرٹھ کا ہے۔ جن کے دو شعر درج ذیل ہیں :-

بڑی ہے گل میں میرے پیم پھانسی — مرن اپنا ہے اور لوگوں کی ہانسی
مسافر سے جنھوں نے دل لگایا — اُنھوں نے سب جنم رو تے گنوایا

عہدِ عالمگیری کے مشہور مصنف شاہ سید برکت اللہ بیمی مارہروی نے جو عربی، فارسی اور ہندی کے بہت بڑے عالم اور ہندی کے اچھے شاعر تھے، چند ریختے بھی لکھے ہیں جن سے اس دور کی زبان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے چند اشعار یہ ہیں :-

گھر تج کے جا جنگل بیں پری تب سمجھ پری
تن من میں پریم کی آگ بری تب سمجھ پری
تکیہ جو مخملی دوگر سیج چھور کے
جب اینٹ زیر سیس دھری تب سمجھ پری

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس سلسلہ میں چندر بھان برہمن کا نام بھی یاد رکھنے کے لائق ہے۔ برہمن شاہجہاں کے دور میں بمقام لاہور ایک معزز عہدے پر فائز تھے۔ ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

خوباں کے باغ میں رونق ہوئے تو کس طرح یاراں
نہ دونا ہے نہ مرواہے نہ سوسن ہے نہ لالہ ہے
پیا کے نام عاشق کوں قتل یا عجب دیکھے ہوں
نہ برچھی ہے نہ کرچھی ہے نہ خنجر ہے نہ بھالا ہے

ولی کی آمد سے پہلے شمالی ہندوستان کی زمین شاہجہانی اور عالمگیری دور میں اُردو کی ادب آفرینی کے لئے بالکل سازگار ہوگئی تھی۔ ولی نے ترانۂ سحر چھیڑا ہی تھا کہ ساری فضا رسیلے نغموں سے معمور ہوگئی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

1400-10/700
Developed of Kanda

اُردو دکن میں

زبان کا نشوونما ـــــــ ادب کا آغاز و ارتقاء

اُردو کا سفرِ دکن شمالی ہند میں اُردو زبان کے آغاز اور زمانۂ عالمگیر تک ترقی کی کہانی ہم نے پچھلے باب میں سُنائی۔ اب یہ سنیئے کہ اُردو میں باقاعدہ تصانیف کا سلسلہ کہاں سے اور کس طرح شروع ہوا۔ دہلی کی فوجوں اور عام آنے جانے والوں نے اس نئی زبان کو ملک کے مختلف خطّوں اور حصوں میں پہنچایا۔ دکن کی زمین سب سے پہلے اُردو ادب کی پیدائش اور ترقی کے لئے سازگار ہوئی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دکن کی خدمات زبان و ادب کی داستان بیان کی جائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) کے دَور میں اسلامی فوجیں فاتحانہ شان کے ساتھ دکن میں داخل ہوئیں۔ خلجی جنرل ملک کافور ہندوستان کے انتہائی جنوبی کنارے تک بڑھتا چلا گیا۔ اور اُس نے ساحلِ سمندر تک اسلامی فتح کے پرچم لہرا دیئے۔ ان فوجوں کے ساتھ دہلی کی کھڑی بولی جو فارسی الفاظ اور اسلوب کی آمیزش سے ایک نیا رُوپ اختیار کرتی جا رہی تھی اور لشکروں، بازاروں، منڈیوں اور رعیت کی عام زبان تھی دکن پہنچ گئی۔ دہلی سے تعلقات قائم ہونے کے بعد شمالی ہند سے دکن آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ سپاہی، تاجر، پیشہ ور، عام ضرورت مند لوگ جو دہلی سے دکن آتے رہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس زبان کو تقویت پہنچاتے رہے اور اس کے قدم دکن کی زمین پر جمنے لگے۔
۱۳۲۶ء میں سلطان محمد تغلق نے دولت آباد (دیوگری) کو حکومت کا پایۂ تخت بنا کر چند دنوں کے لئے دہلی کو بالکل ویران کر کے چھوڑ دیا۔ دہلی کی ساری آبادی تمام رونقیں، چہل پہل، تفریح کے سامان، علم و ادب کی مجلسیں، غرض کہ پوری کی پوری دہلی دولت آباد منتقل ہو آئی۔ دولت آباد زیادہ دنوں پایۂ تخت نہ رہ سکا۔ یہ بہار چند روزہ تھی۔ لیکن دہلی سے آنے والے خاصی تعداد میں ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو گئے۔ دکن کی مقامی بولیوں کے میل جول سے دہلی کی زبان میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ الفاظ کے ذخیرہ میں اضافہ ہوا۔ بیان میں مقامی رنگ آیا اور اُردو کی وہ شکل اُبھری جو دکنی کے نام سے مشہور ہوئی۔ صوفیوں نے روزِ اول سے اس زبان کی سرپرستی کی، اپنی خانقاہوں میں اسے جگہ دی اور اسے تبلیغ اور تعلیم کا ذریعہ بنایا۔ اسی زمانے میں ملک کے سیاسی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ دکن نے تغلق حکومت کا جوا اُتار کر پھینک دیا۔ ۱۳۴۷ء میں آزاد بہمنی سلطنت قائم ہوئی جو تقریباً دو سو برس تک قائم رہی۔ اس سلطنت کا بانی حسن گنگو بہمن تھا۔ وہ بہت غیر متعصب، فراخ مشرب اور آزاد خیال آدمی تھا۔ اُس کی پرورش ایک ہندو برہمن نے کی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ اُسے دلی لگاؤ تھا۔ اُس نے شروع سے حکومت میں ہندوؤں کو دخیل کر لیا۔ برہمنوں کو مالی و ملکی عہدے دیئے۔ اور مال کا دفتر ملکی زبان میں ہو گیا۔ یہ سب چیزیں تھیں جنھوں نے مل جُل کر اُردو کے فروغ اور تیزی کے ساتھ ترقی کرنے کے لئے زمین ہموار کر دی۔ بہمنی خاندان کے بادشاہوں میں بیشتر ایسے تھے جو خود بھی علمی کمالات رکھتے تھے۔ اور علم و ادب کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ بہمنی دور میں اُردو زبان کے قدم دکن کی زمین پر بہت مضبوطی کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ساتھ جم گئے اور سوسائٹی میں اس کی حیثیت اور وقار قائم ہو گیا۔

ادب کا آغاز دورِ بہمنی

اُردو میں تصنیف و تالیف کا کام سب سے پہلے دکن میں شروع ہوا اور صوفیوں کے بابرکت قلم نے اس کی ابتدا کی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام شیخ عین الدین گنج العلم کا ہے جو دہلی میں پیدا ہوئے اور سلطان محمد تغلق کے دور میں دولت آباد آئے۔ انھوں نے چار بہمنی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ گنج العلم نے دکنی زبان میں چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف کئے جو مذہبی احکام سے متعلق ہیں

بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز (۱۳۲۱ء تا ۱۴۲۲ء) جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ایک بڑے خلیفہ تھے، دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے۔ آپ بہت بلند پایہ عالم تھے اور آپ کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ہے۔ تصوف پر دکنی زبان میں آپ نے تین رسالے تصنیف کئے۔ ۱۔ معراج العاشقین ۲۔ ہدایت نامہ۔ ۳۔ سہ بارہ۔ حضرت بندہ نواز کے ایک مرید اور شاگرد نے اپنے مرشد کے ملفوظات کی ایک بڑی شرح لکھی ہے جو "ہفت اسرار" کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت گیسو دراز کے پوتے سید عبداللہ حسینی نے حضرت غوث پاک کی کتاب "نشاط العشق" کا دکنی میں ترجمہ کیا اور شرح بھی لکھی۔

حضرت گیسو دراز اور سید عبداللہ حسینی کے علاوہ دو اور روحانی بزرگ ہیں جن کا نام اُردو کی خدمت کے سلسلے میں بہت امتیاز رکھتا ہے۔ شاہ میراں جی شمس العاشق (۱۲۹۶ء سال پیدائش) اور شاہ برہان الدین جانم (متوفی ۱۵۹۲ء) شاہ میراں جی بڑے مرتبے کے بزرگ تھے۔ اُن کے وعظ کا فیض عام تھا۔ اُن کی روانیٔ طبیعت نے دکنی نظم و نثر دونوں کی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

آبیاری کی ہے۔ نثر میں انھوں نے تصوف کے مسائل پر تین رسالے لکھے۔ ۱۔ جلترنگ ۲۔ گلباس ۳۔ شرح مرغوب القلوب۔ اُنھوں نے دو مثنویاں بھی لکھیں اور ایک طویل نظم بھی جس میں ۵۶۲۰ بند ہیں۔ اس کا نام "شہادت الحقیقت" ہے۔ میران جی کے بیٹے شاہ برہان الدین جانم بڑے صاحب علم بزرگ تھے۔ اُنھوں نے روحانی نظموں کے علاوہ غزلیں اور دوہے بھی کہے ہیں۔ یہ بھی صاحب قلم تھے۔ ان کی مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ وصیت الہادی۔ ۲۔ بشارت الذکر۔ ۳۔ رمز الواصلین۔ ۴۔ ارشاد نامہ۔ سب کتابیں صوفیانہ مسائل اور عقائد سے متعلق ہیں۔ ان بزرگوں کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے وقت یہ نگاہ میں رکھنا ضروری ہے کہ ان کا مقصد زور بیان اور عبارت آرائی نہیں۔ اُنھوں نے قلم صرف اس لئے اُٹھایا کہ روحانیت کے مسائل کو عام انسانوں تک پہنچا دیں، اُن کی زبان دکنی اُردو ہے اور اُس کے پڑھنے سے اُردو کی ابتدائی شکل نگاہ کے سامنے آجاتی ہے۔ ہم مثال کے طور پر ان بزرگوں کی تحریروں کے کچھ نمونے پیش کئے دیتے ہیں:۔

"اے عزیز! اللہ بندہ پناہیان پہچان کو جاتا ہی تو شرع جاتا ہے۔ اول اپنی پہچانت بعد از خدا کی پہچانت کرنا۔" (معراج العاشقین مصنفہ حضرت گیسو دراز)

"پیغمبر کہے، جے کچھ کام کرے گا کوئی، خدا کا نانوں نہ لے کر تو او کام پائمال ہو گا۔" (مرغوب القلوب مصنفہ میران جی)

کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

اللہ پاک منزہ ذات — اس سو صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت باز — سنتا، دیکھتا، بولنہار
جی صفت یہ جان حیات — اس کو ناہیں کہ ممات

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ان بزرگوں کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی اور کمال آفرینی کے لیے زمین ہموار کی۔ شاہ میراں جی کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:۔ "یہ اسی خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔"

بہمنی سلطنت ۱۳۴۷ء میں قائم ہوئی اور قریب پونے دو سو برس قائم رہی اسکے خاتمہ پر پانچ آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں جن میں سے بیجاپور اور گول کنڈہ نے اردو کی ترقی میں ایسا شان دار حصہ لیا کہ تاریخ میں یادگار ہو گیا ہے، ان درباروں نے دکنی اردو کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی۔ شاعروں اور ادیبوں کو نوازا۔ اکثر بادشاہوں نے خود بھی شعر و ادب میں کمال دکھایا۔ حکومتوں کی سرپرستی اور نوازشوں نے ایک عام ادبی فضا پیدا کر دی، اور شعر و ادب کا ایک بڑا شان دار ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ ذیل میں ہم اس دور کے شاعروں اور ادیبوں اور ان کے رنگِ شعر و ادب پر روشنی ڈالیں گے تاکہ دکن کی خدمات زبان و ادب کی صحیح تصویر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

اُردو اَدب

عادل شاہی سلطنت میں

(۱۴۹۰ء سے ۱۶۸۶ء تک)

عادل شاہی سلطنت کا ستارۂ اقبال تقریباً دو سو برس تک زمین دکن پر چمکتا رہا۔ اس خاندان نے علم و ادب کی سرپرستی میں وہ فیاضی دکھائی کہ عراق و عجم تک تعریف کی

Courtesy: Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تحسین کا غلغلہ بلند ہوگیا۔ قدر دانی اور فیاضی نے سیکڑوں نامور عالموں، ادیبوں، شاعروں اور اربابِ فن و کمال کو دربار میں جمع کر دیا۔ فارسی کے ساتھ دکنی اُردو بھی خوب چمکی، ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۶ء) جو شہنشاہِ اکبر اور جہانگیر کا ہمعصر تھا، بڑے پایہ کا مربیِ علم و فن تھا۔ سنگیت میں اُس نے ایسا زبردست کمال حاصل کر لیا تھا کہ اُس دور کے اُستادانِ موسیقی اُسے "جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اُس نے فنِ موسیقی پر ہندی نظم میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "کتاب نورس" ہے۔ علی عادل شاہ ثانی کو زبانِ اُردو سے بے حد دلچسپی تھی اُس کے زمانے میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا۔ دکنی اُردو کے شاعر کثرت سے پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہ اُن پر دل کھول کر نوازشیں کرتا تھا۔ دکن کا مشہور شاعر ملک الشعراء نصرتی اسی بادشاہ کا درباری شاعر تھا۔ عادل شاہی دور کے نامور شاعروں میں رسمی، ملک خوشنود، نصرتی، امین، سیوا، ہاشمی اور مرزا خاص شہرت رکھتے تھے۔

رسمی کمال خاں نام، رسمی تخلص، سلاطین بیجاپور کے دربار میں دارالانشا کی افسری پر مامور تھا۔ اُس نے ۱۶۴۹ء میں فارسی زبان کی مشہور مثنوی "خاور نامہ" کا ترجمہ اُردو نظم میں کیا۔

ملک خوشنود محمد عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اُس نے ایک مثنوی "ہشت بہشت" حضرت امیر خسرو کی "ہشت بہشت" کے طرز پر لکھی۔ اُس کی دوسری مثنوی "یوسف زلیخا" ہے۔ یہ بھی امیر خسرو سے ماخوذ ہے۔ عادل شاہی دربار میں بڑے رتبہ اور حیثیت کا مالک تھا اور بڑا شاعرانہ اعزاز رکھتا تھا۔

نصرتی اس دور کا سب سے مشہور شاعر ملک الشعراء نصرتی ہے جس کی قادر الکلامی اور بلند پایہ شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف فن

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے ناقدوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ بذلہ سنج، شگفتہ مزاج، صاحب علم و فضل، فن پر حاکمانہ عبور، بہ ہر انداز قادر الکلامی کا جوہر نمایاں، نصرتی نہ صرف دکن کا بہت گراں پایہ شاعر ہے بلکہ اُردو شعر و ادب کی تاریخ ارتقاء میں اُس کی نمایاں حیثیت ہے۔ محمد نصرت نام اور نصرتی تخلص تھا۔ علی عادل شاہ ثانی نے اُس کو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا۔ نصرتی کی سب سے مشہور تصنیف "علی نامہ" ہے۔ اس مثنوی میں اُس نے علی عادل شاہ ثانی کے فتوحات بیان کئے ہیں۔ اور نصرتی اُسے "شاہ نامۂ دکن" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اُس کی دوسری مثنوی "گلدستۂ عشق" ہے جس میں کنور منوہر اور مالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے۔ اس میں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں۔ غزلوں کے دیوان اور مجموعۂ قصائد کے علاوہ اُس کی تصانیف میں ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے جس میں معراج سرورِ کائنات کا اعلیٰ لطافت تخیل میں سمویا ہوا شاعرانہ بیان ہے۔ نصرتی کا انتقال ۱۶۸۴ء میں ہوا۔

امین شیخ امین الدین اعلیٰ جو شاعری میں امین تخلص کرتے تھے، حضرت شاہ میران جی شمس العشاق کے پوتے اور اپنے دور کے بہت بڑے ولی تھے۔ ۱۶۵۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا کلام جسے آپ کے مُریدوں نے "جواہر الاسرار" کے نام سے جمع کیا ہے، حقائق عرفاں سے لبریز ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے قلم سے کچھ رسالے بھی ہیں۔

سیوا سیوا کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مُلا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف "روضۃ الشہداء" کا نظم میں ترجمہ کیا۔ "تاریخ اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں عبادت کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

احکام درج ہیں۔ اس کے علاوہ مرثیے لکھے، جن کی بدولت انھیں عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ہاشمی علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں گزرے ہیں۔ ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے۔ ۱۶۸۷ء میں اپنے مرشد کی فرمائش سے فسانہ "یوسف زلیخا" کو منظوم کیا۔ اس میں چھ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ شعر اول یہ ہے ؎

ثنا حمد اس کوں سزاوار ہے ۔۔۔ سگل عشق جس کا یو ستار ہے

یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے

عبدالمومن مومن دورِ عادل شاہی کے خوشگو شاعروں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۶۸۱ء میں ایک کتاب "اسرارِ عشق" کے نام سے لکھی۔ اُس میں حضرت سید محمد جونپوری کی سوانح عمری اور کرامات کا بیان ہے۔

مرزا یہ بھی دکن کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ صرف نعت، منقبت، مرثیے کہتے تھے۔ تمام عمر کسی امیر یا بادشاہ کی شان میں ایک شعر بھی نہیں کہا۔

اُردو ادب

قطب شاہی دور میں

۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس خاندان نے بھی علم و ادب کی سرپرستی میں بڑا نام پیدا کیا۔ بڑے شاعر اور ادیب اور فن کے باکمال اس کے دامنِ دولت سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ قطب شاہی سلطنت کی نوازشوں نے دکنی ادب کے ذخیرہ میں اضافہ کیا اور اُس کے خزانے کو قیمتی جواہر ریزوں سے مالا مال کیا۔ اس خاندان کے تین بادشاہ محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ اُردو شعر و ادب کی تاریخ ترقی میں خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان بادشاہوں کی ادبی خدمات و نیز اُن کے دور کے مشہور اربابِ شعر و ادب کا حال اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:-

محمد قلی قطب شاہ

(۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء) محمد قلی قطب شاہ قطب شاہی بادشاہوں میں بڑے امتیاز کا مالک ہے۔ اُسے فنِ تعمیر خوشنویسی، شعر و ادب اور ان کے علاوہ دیگر فنونِ لطیفہ کا بہت شوق تھا۔ وہ شعر و ادب کا بہت بڑا مربی تھا اور خود بھی اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ اس کی کلیات زبان فارسی اور دکنی پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تیلنگی میں بھی شعر کہے۔ کلیات میں پہلے مثنویاں ہیں اُن کے بعد قصیدے، پھر ترجیع بند اور مرثیے۔ مرثیوں کے بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ اُس کی زبان میں کافی ترقی اور پختگی پائی جاتی ہے اور اُس کے کلام میں ایک خاص ادبی شان ہے۔ اُس کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:- چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعراء کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تو سوائے زبان کے تغیر اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں، وہی مضمون ہیں، اور وہی طرزِ ادا اور وہی بحریں ہیں اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے۔ عشق و مستی اور تصوف میں اُس

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے جو اُردو شعراء میں سوائے سوداؔ اور نظیرؔ کے کسی دوسرے کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ ہے کہ اُس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت، حمد و نعت، منقبت و مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھولوں میووں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے۔ دو مثنویاں سبز ترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنھیں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے شاہی محلات مثلاً الٰہی محل، جناں باغ باغِ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سال گرہ کی تقریب شب برات، میلاد النبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں۔ دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے"۔ نمونے کے طور پر ہم اس کے دو شعر لکھتے ہیں ؎

سدا تو مدح نبی و علیؑ کی کہتا ہے — معانی شعر ترا تو لکھے ہیں دست بدست
خورشید کے ایر سے ابر و ہلال عید — اُس ابر وان کو سجدہ کیا ہے ہلال عید

محمد قطب شاہ

(۱۶۱۱ء تا ۱۶۲۵ء) یہ بادشاہ بھی علم و ادب کا بڑا قدر دان اور ارباب فن کا بڑا مربی تھا۔ شعر گوئی کا اچھا مذاق رکھتا تھا۔ فارسی اور اُردو دونوں میں دیوان موجود ہیں۔ نمونے کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

پیاسا تو لا من ہمارا بھولا یا — نزاکت عجب سبز رنگ میں دکھایا
ساقیا آ شراب ناب کہاں — چندر کی پیالی میں آفتاب کہاں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

عبداللہ قطب شاہ (سنہ ۱۶۲۵ء تا سنہ ۱۶۷۲ء) اپنے پیش رو بادشاہوں کی طرح عبداللہ بھی علم و ادب سے گہرا لگاؤ رکھتا تھا۔ اربابِ ادب کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اور اُن پر بڑی نوازشیں کرتا تھا۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں اس کے بھی دیوان موجود ہیں۔

آبِ حیات سے ہے زیادہ یہ لبِ تر — کرتے ہیں مجھ سے خضر علیہ السلام بحث
جو کچھ راز پردہ میں ہیں غیب کے — سو مخفی نہیں اُس پہ ہیں آشکار

مُلّا وجہی قطب شاہی دَور کا سب سے زیادہ مشہور اور باکمال ادیب مُلّا وجہی ہے۔ وجہی ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ شعر و ادب کی دنیا میں بڑا کمال حاصل کیا۔ وجہی نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے دَور میں انھوں نے اپنی مشہور مثنوی "قطب مشتری" لکھی۔ اس کا سن تصنیف سنہ ۱۶۰۹ء ہے۔ اس مثنوی میں وجہی نے بادشاہ قطب کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔ مثنوی میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔ اور اُس کی سب بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں دَورِ قطب شاہی کے تمدن کی اچھی تصویر ملتی ہے۔ وجہی کو اثر بنانے والی کتاب "سب رس" ہے۔ اس کتاب میں وجہی نے تصوف کے مسائل کو بڑی دلکشی، لذتِ بیان اور رعنائی فکر کے ساتھ تمثیلی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ عبارت مقفیٰ اور مسجع ہے لیکن بیان کی روانی میں ایک خاص شان ہے۔ "سب رس" اردو نثر کی تاریخ اور ارتقا میں ایک بہت اہم مقام رکھتی ہے۔ اگر باعتبار رمز و تمثیل دیکھا جائے تو "سب رس" اپنے طرز کی اُردو میں پہلی کتاب ہے۔ "سب رس" کا سن تصنیف سنہ ۱۶۳۵ء ہے۔ وجہی نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کے حکم سے لکھی۔

غواصی مُلّا غواصی گولکنڈہ کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

معاصر تھے۔ ان کی دو تصنیفات موجود ہیں۔ (۱) فسانۂ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ اس مثنوی میں سیف الملوک شہزادۂ مصر اور بدیع الجمال شہزادی چین کے عشق کا حال ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۰۳۵ھ ہے (۲) طوطی نامہ۔ یہ مثنوی ضیا بخش کے فارسی "طوطی نامہ" کا اُردو ترجمہ ہے۔

ابن نشاطی ابن نشاطی بھی سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ اُس نے فارسی کتاب "بساتین" کا منظوم ترجمہ "پھول بن" کے نام سے کیا ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۶۵۵ء ہے۔ ادبی اور لسانی دونوں حیثیتوں سے اس مثنوی کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مُلّا قطبی مُلّا قطبی قطب شاہی دور کے ایک اچھے شاعر ہیں۔ اُنھوں نے ۱۶۳۷ء میں مشہور صوفی شیخ یوسف دہلوی کی کتاب تحفۃ النصائح کا دکنی نظم میں ترجمہ کیا۔

تحسین الدین تحسین الدین کی مشہور مثنوی "کامروپ کلا" ہے۔ اس مثنوی کے سلسلہ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے سب اشخاص قصہ ہندو ہیں اور کہانی کا ماحول بھی ہندوانہ ہے جسے مصنف نے بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ مشہور جرمن شاعر گیٹے نے اسے ترجمہ کرا کے سُنا اور بہت پسند کیا۔

آخری قطب شاہی تاجدار ابوالحسن تانا شاہ کے دور میں، نوری، فائز، شاہی اور سرور نے بھی خاصی شہرت حاصل کی۔

دکنی اُردو مغلوں کے عہد میں

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۶ء میں عادل شاہی سلطنت اور ۱۶۸۷ء میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

قطب شاہی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اُردو شاعری کا مذاق اس وقت تک اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ان سلطنتوں کے ختم ہونے کے بعد بھی دکن میں شعر و ادب کی محفلیں اسی طرح بارونق رہیں۔ مغلوں کے عہد میں جن شاعروں نے امتیاز حاصل کیا۔ ان کے نام اور ان کی تصانیف کا بیان درج ذیل ہے :-

عاجز عاجز کا نام محمد علی ہے۔ ان کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں :- (۱) قصۂ فیروز شاہ (۲) قصۂ لعل و گہر (۳) قصۂ ملک مصر

بحری قاضی محمود نام اور بحری تخلص تھا۔ اُن کی مشہور مثنوی "من لگن" ہے جو ۱۰۷۸ھ میں تمام ہوئی۔ یہ مثنوی عارفانہ رنگ کی ہے۔ "من لگن" کی زبان مشکل ہے۔ اس میں بھاشا کے ثقیل الفاظ زیادہ ملتے ہیں۔ "من لگن" کے علاوہ اُن کی ایک مثنوی "بنگاب نامہ" ہے اور ایک دیوان ہے۔

امین شیخ محمد امین نام تھا۔ عالمگیر کے دور میں گزرے ہیں۔ اُنھوں نے "یوسف زلیخا" کے فسانہ کو نظم میں پیش کیا ہے۔

ولی ویلوری اُن کا نام محمد فیاض تھا اور وطن ویلور۔ اُن کی ایک مشہور مثنوی "قصہ رتن پدم" اور دوسری کتاب "روضۃ الشہداء" ہے۔ اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں۔ یہ بڑی مشہور کتاب ہے۔

وجدی اس دور کے ایک بہت مشہور شاعر تھے۔ شیخ وجیہ الدین نام ہے کرنول کے باشندے تھے اور تصوف کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے مثنوی "باغ جانفزا" لکھی۔ اس کے علاوہ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی "منطق الطیر" کا ترجمہ "پنچھی یا چھا" کے نام سے کیا۔ وجدی نے عطار کی دوسری مثنوی "گل و ہرمز" کا بھی ترجمہ کیا ہے اور اُس کا نام رکھا ہے "تحفۂ عاشقاں"۔ اس کا سن تصنیف ۱۱۷۱ھ ہے گولکنڈہ اور بیجاپور کی تباہی کے بعد اورنگ آباد جو کن میں اورنگ زیب کا مرکز حکومت

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تھا۔ بڑے بڑے باکمال ادیب و شاعر جمع ہو گئے تھے۔ اورنگ آباد کے نامور شاعروں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ولی اور سراج خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

ولی ولی کو اُردو شاعری کی تاریخ میں بڑا ممتاز درجہ حاصل ہے۔ ایک زمانہ تک یہ خیال عام رہا ہے کہ وہ اُردو کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ لیکن دکنی شاعروں کے دیوان مل جانے کے بعد ولی کے سر سے یہ اولیت کا تاج اُتر گیا۔ پھر بھی اُردو شاعری میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اُن کے معاصر اور بعد کے شعراء نے اُنھیں اُستاد مانا ہے اور بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اُن کا نام لیا ہے۔

ولی ۱۶۶۷ء میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے۔ پہلے اورنگ آباد میں تعلیم حاصل کی۔ اُس کے بعد شاہ وجیہہ الدین علوی کے مدرسہ احمد آباد میں تکمیلِ تعلیم کی اور وہیں اس خاندان کے مُرید بھی ہو گئے۔ ولی کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ وہ عالمگیر کے عہدِ حکومت میں دہلی آئے۔ دہلی کا سفر اُن کی شاعری میں ایک بڑے تغیر کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ولی بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُنھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، رباعیات، ترجیع بند تقریباً تمام اصناف سخن میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں۔ اُن کی طبیعت میں روحانیت کا سچا ذوق تھا اور جگہ جگہ اُن کے کلام میں اس کی جھلک موجود ہے۔ ولی دکن کے شاعر تھے۔ اُن کے کلام میں اکثر دکنی الفاظ اور ترکیبیں ملتی ہیں۔ لیکن عام طور پر اُن کی زبان بہت صاف، شیریں اور شستہ ہے۔ اُن کے بیان میں ایک مٹھاس اور لذت ہے۔

تصوف اور روحانیت کے مسائل کو اُنھوں نے بڑے دلکش انداز میں اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے اور اخلاقی مضامین کو بھی بڑے شاعرانہ کمال کے ساتھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اپنی غزل میں جگہ دی ہے۔ ہندی الفاظ کا برمحل استعمال شعر میں بڑا مزہ پیدا کر دیتا ہے۔ اُن کے بعض بعض اشعار اتنی صاف، ستھری اور ڈھلی ہوئی زبان میں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے میں لکھے گئے ہیں۔ ولی کے کلام میں فارسی کی معنی آفرینی اور بھاشا کی مٹھاس کا دوآتشہ ملتا ہے۔ شمالی ہند کے سفر نے ان کے کلام میں دکنی اثرات کو زائل کر کے دہلوی اندازِ بیان کو نمایاں کر دیا۔

ولی کے قصیدوں میں بھی ایک خاص شوکتِ بیان ہے۔ سورت کی تعریف میں اُن کی ایک مثنوی موجود ہے جس میں شہر کی رونق، دلچسپیوں اور معاشرت کا بڑا اچھا بیان ہے۔ ولی کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:۔

مجھ کو ہوا ہے معلوم اے مستِ جام خوبیں
تجھ انکھڑیاں کے دیکھے عالم خراب ہوگا

مندِ گلی منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو
کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن
باعثِ خمیازۂ آغوش ہے

سراج آپ کا نام سید سراج الدین تھا۔ اچھے شاعر ہونے کے علاوہ شعری تنقید کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ بڑے روحانی مرتبہ کے انسان تھے اُن کے خیالات میں بلندی جذبات میں خلوص اور زبان میں بے انتہا صفائی اور سادگی ہے۔ ۱۷۶۲ء میں رحلت ہوئی۔ اُن کی سب سے مشہور غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

چلی سمت غیب سے ایک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم، جسے دل کہیں سو ہری رہی
نہیں ہوش والوں سے کچھ گلا مجھے رشک ہے تو اُنھوں پہ ہے
جنھیں تیرے جلوؤں کے سامنے میری طرح بخبری رہی

ولی کے دور میں غزل گو شاعروں کے علاوہ مرثیہ نگار دکن نے بھی خوب شہرت حاصل کی۔ مرثیے میں نام پیدا کرنے والے ممتاز شاعر یہ ہیں۔ ہاشم علی (سنہ ۱۶۸۰ء لغایۃ سنہ ۱۷۶۰ء) اماتی، امین گجراتی، غلامی، قادر اور اشرف۔

دکنی ادب ــــ ایک تبصرہ

اوپر کے صفحات میں ہم نے عہد بہمنی سے لے کر ولی اور نگ آبادی کے دور تک اُردو زبان و ادب کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے۔ چار سو برس کے زمانے میں اُردو کی حیثیت شمالی ہند میں بولی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ لیکن دکن نے اس زمانے میں ادبی تصانیف کا ایک بڑا ذخیرہ پیدا کر کیا۔ اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ دکن میں اگر دو کا نشو و نما شمالی ہند کے بعد شروع ہوا اور وہاں بہت جلد اس زبان نے ادبی رنگ اور تصنیفی شان حاصل کر لی۔

دکنی ادب باعتبار زبان، اُردو کی ابتدائی صورت ہے۔ صدیوں کے تغیرات نے اس دور کی اور اس زمانے کی زبان میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔ پھر دکنی ادب میں دکن کی مقامی بولیوں کے گہرے اثرات بھی ہیں۔ شمالی ہند میں اُردو کا ارتقاء اس طرز پر ہوا کہ اس کی ادبی شان تمام تر فارسی کی آمائشوں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور زیب النشوں سے قائم ہوئی۔ اس کے برخلاف دکنی ادب میں بھاشا کے الفاظ، محاورات وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ان چیزوں نے دکنی ادب کے بیشتر حصے کو ہمارے لئے نامانوس بنادیا ہے لیکن اس سے دکنی ادب کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دکن کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے اُس کی زمین پر اردو ادب پیدا ہوا۔ اور قریب دو سو برس تنہا دکن نے اُس کی آبیاری کی۔ اولیت کا یہ شرف، دکنی ادب کی اہمیت کو بہت بڑھا دیتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ملتا ہے کہ اردو زبان کی ابتدائی صورت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے اور زبان کے ارتقار کا مزاج اور انداز بھی روشن ہو جاتا ہے۔

یہ چیز کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ دکن نے زبان و ادب کی خدمت بڑے ہمہ گیر ذوق کے ساتھ کی ہے۔ دکنی ادب کا آغاز تصوف کے رسالوں اور صاحب دل صوفی شاعروں کے کلام سے ہوا۔ لیکن بہت جلد شاعری کی تمام اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، ترجیع بند اور رُباعی، غرض کہ ارباب سخن نے ہر میدان میں فکر و فطرت کی جولانیاں دکھلائی ہیں۔ دکن میں ایسے بادشاہوں کے نام ملتے ہیں جنھوں نے مختلف اصناف سخن میں یکساں مشاقی کے ساتھ زور طبیعت دکھایا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں ہر صنف کی شاعری کا اچھا نمونہ ملتا ہے۔

ایران اور شمالی ہندوستان کی طرح زمین دکن پر بھی غزل گوئی کا عام رواج تھا۔ قطب شاہی خاندان کے کئی بادشاہ صاحب دیوان شاعر تھے دکن میں غزل گوئی کا معیار میر، غالب اور مومن کے درجہ فکر تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اس سے دکن کی غزل گوئی بالکل بے وقعت ہو جاتی، محمد قلی قطب شاہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی غزلیں اعلیٰ معیار کی ہیں۔ سراج اورنگ آبادی کی غزل گوئی پاکیزگی زبان اور رفعتِ تخیل کا ایک اچھا نمونہ پیش کرتی ہے۔ رہا ولی اورنگ آبادی تو اُس کا شمار تمام اربابِ ذوق نے اردو کے چوٹی کے شاعروں میں کیا ہے۔ غزل کی طرح ولی کی قصیدہ گوئی بھی ایک خاص شوکت رکھتی ہے۔ ولی کے تمام قصائد نہایت پاکیزہ روحانی جذبات سے بھرے ہوئے ہیں اور اُن کے بیان میں بڑا خلوص ہے۔ ملک الشعراء نصرتی کی قصیدہ گوئی مہارتِ فن کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

دکنی ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینِ دکن پر سب سے زیادہ فروغ مثنوی کو ہوا ہے۔ دکن کے شاعروں میں بمشکل ہی کوئی شاعر ایسا بتایا جاسکتا ہے جس نے مثنوی نہ لکھی ہو۔ مثنوی کی یہ زبردست مقبولیت صاف بتاتی ہے کہ دکن میں علم و شعر کا بہت اچھا مذاق موجود تھا اس لئے کہ غزل کی طرح مثنوی کہہ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اپنی جگہ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ غزل شاعری کا سب سے زیادہ جوہر دار عنصر ہے اور شاعرانہ نکتہ آفرینیاں غزل ہی کے میدان میں بجدِ اعجاز حیرت انگیز ہوئی ہیں۔ لیکن مثنوی کہنے کے لئے مسلسل بیان پر جس قدرت کی ضرورت ہے وہ بہتر فنی مہارت چاہتی ہے۔ شمالی ہند نے میر حسن، دیا شنکر نسیم اور نواب مرزا شوق جیسے باکمال مثنوی نگار پیدا کئے۔ دکن نے مثنوی کی خدمت جس انداز میں کی ہے وہ حد درجہ قابلِ ستائش ہے۔ دکن کی مثنویاں صرف عشقیہ نہیں ہیں اُن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان میں رزم و پیکار، سیرت و سوانح، اخلاق و روحانیت کے اعلیٰ مسائل، عشقیہ افسانے، معاشرت کی تصویریں، ملکی زندگی کے نقشے، غرض بڑے متنوع کے ساتھ وہ چیزیں شامل ہیں جن سے زندگی عبارت ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دکن کے مثنوی نگاروں نے بڑے ہمہ گیر ذوق کے ساتھ فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے اعلیٰ ادبی افسانوں کو اُردو کا جامہ پہنایا ہے دکن کی مشہور مثنویوں پر نگاہ ڈالنے سے بآسانی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مُلّا وجہی کی مثنوی "قطب و مشتری" ایک نیم تاریخی عاشقانہ نظم ہے۔ جس میں سلطان قطب کی روداد محبت کا بیان ہے۔ ملک الشعراء نصرتی کا ادبی شاہکار "علی نامہ" علی عادل شاہ ثانی کی جنگوں اور فتوحات کی دلآویز کہانی ہے۔ مومن کی مثنوی "اسرار عشق" سیرت و سوانح کے باب میں اچھی حیثیت رکھتی ہے۔ قاضی محمود بحری کی "من لگن" کا موضوع تصوف و روحانیت ہے۔ غواصی کی "سیف الملوک و بدیع الجمال" ابن نشاطی کی "پھول بن" وجدی کی "پنچھی نامہ"، ولی ویلوری کی "رتن و پدم" یہ سب عربی و فارسی اور ہندوستانی ادب کے مشہور افسانوں کا ترجمہ ہیں یا اُن سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ادبی حیثیت سے دکن کی اچھی مثنویوں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اُن میں اعلیٰ نظم کی پوری شان موجود ہے۔ معنی آفرینی، جذبات نگاری، مناظر کی مصوری، کردار کشی، یہ سارے حُسن ملتے ہیں۔ دکن کی مثنویوں میں ایک اور بات خاص طور پر یہ دیکھی گئی ہے کہ ملکی معاشرت، تمدن، مذہب اور رسم و رواج کی بہت صحیح اور سچی تصویریں اُن کے صفحات پر مل جاتی ہیں۔ ابن نشاطی کی مشہور مثنوی "پھول بن" کے متعلق ایک فاضل یورپین کی رائے ہے کہ "یہ کتاب اُس دور کی تاریخی تصویر ہے"۔ یہ چیز تنہا "پھول بن" کا حصہ نہیں ہے۔ دکن کی دوسری مثنویوں میں بھی ملکی زندگی اور معاشرت کی کامیاب مصوری ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں تحسین الدین خاں کی مثنوی "کامروپ کلا" بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے سب افراد قصہ ہندو ہیں اور نظم ہندو طرز حیات اور معاشرت کی بڑی روشن تصویر ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حقیقت یہ ہے کہ دکن کی پوری شاعری میں ملکی ماحول گہرے طور پر رچا بسا ہے۔ ہندی تشبیہات، استعارات، تمثیلیں عام ملکی الفاظ محاورے، ہندو دیومالا غرض دکنی ادب پر ہندی ماحول اور تہذیب کا گہرا اثر ہے۔ اس خاص حیثیت سے دکن کی شاعری بہت حقیقت پسند شاعری ہے، سچی عوامی شان رکھنے والی شاعری ہے۔ صحیح معنی میں ملکی شاعری ہے اور اس پر وہ اعتراض ہرگز نہیں کیا جا سکتا جو شمالی ہند کے شعر و ادب پر عام طور سے کیا گیا ہے کہ سوادِ اُردو میں شیراز و اصفہان کی رونقیں تو پڑی جگمگاتی ہیں، ہندوستانی مناظر کی رنگینی بہت کم نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دکنی ادب نے ملک کے تہذیب و تمدن کو پیشانی کا ذر بنا کر پیش کیا ہے اور یہ دکنی ادب کا بہت بڑا امتیاز ہے۔

دکن کی سلطنتیں مذہباً شیعہ تھیں، اس لئے دکن میں مرثیہ خوب پھلا پھولا۔ قطب شاہی خاندان کے نامور بادشاہ محمد علی قطب شاہ نے اچھے مرثیے کہے ہیں۔ بادشاہوں کے مذاق اور ماحول کے تقاضے نے مرثیہ گوئی کو بحیثیت فن دکن کی زمین پر بڑا عروج دیا۔ عادل شاہی دور کے ایک مشہور شاعر مرزا تھے جنھوں نے ساری زندگی نعت، منقبت اور مرثیے کے علاوہ کچھ کہا ہی نہیں۔ ان کے علاوہ سیوا، شاہی اور دوسرے شاعروں نے مرثیہ گوئی میں اچھا نام پیدا کیا ہے۔ مغلوں کے دورِ حکومت اور اُس کے بعد بھی مرثیہ گوئی کو دکن کی زمین پر فروغ رہا۔ اور ولی ویلوری، اشرف، غلامی، امامی وغیرہ نے شہرت پائی۔ دکن کے مرثیہ نگاروں نے جذبات نگاری کے بعض عمدہ نمونے پیش کئے ہیں۔ سیرتوں کے بیان میں بھی کہیں کہیں شاعرانہ حسن نمایاں کیا ہے اور واقعہ کربلا کے عبرت انگیز پہلو کو خوب خوب اُجاگر

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کیا ہے لیکن دکن میں مرثیہ ادبی حیثیت سے بہت زیادہ ترقی نہ کر سکا۔ قدرت نے یہ کمال لکھنؤ کے مرثیہ گو شاعروں اور خصوصاً میر انیس کے لیے محفوظ کر دیا تھا کہ وہ مرثیے کو اعلیٰ ترین ادب کے معیار پر پہونچا دیں۔

عالمگیری عہد کے بعد شمالی ہند نے ادب کے میدان میں اس شان و عظمت کے ساتھ ذہن و فکر کی جولانیاں دکھانا شروع کیں کہ اسے مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ دہلی اور لکھنؤ نے ادب کی جو محفلیں قائم کیں، سو ڈیڑھ سو برس تک پورے ملک میں ان ہی کا بول بالا رہا۔ اس دور میں دکن خاموشی کے ساتھ زبان و ادب کی خدمت کرتا رہا۔ عذر کے بعد سے پھر شان و امتیاز کے ساتھ اس نے دنیائے ادب میں نمود حاصل کیا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو ادب کا ارتقاء

شمالی ہند

ادب کا آغاز

اُردو زبان کی تاریخ ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اوپر یہ بتا چکے ہیں کہ عالمگیر کے عہد تک شمالی ہند میں اُردو کی کوئی ادبی حیثیت نہیں قائم ہو سکی تھی البتہ ادب کی آفرینش اور ترقی کے لیے زمین بالکل تیار تھی کچھ شاعروں کے نام مل جاتے ہیں جنھوں نے تفریحی طور پر ریختہ میں بھی جولانیٔ فکر کی بہار دکھائی تھی۔ عالمگیری عہد کے آخری دنوں میں یہ لَے اور تیز ہوئی دکن کی فتح کے بعد اُردو کی دکنی اٹھان اور ترقی کی داستانیں بھی دہلی آئیں اپنا تخت کے اربابِ شعر و ادب چونک پڑے کہ ان کی زمین پر پیدا ہونے والی اور گرے پڑے طور پر بچپن بتانے والی بولی دکنی تمدن کے ماحول میں یوں پھلی پھولی بڑھی پھیلی ابھری، چمکی کہ تاج شاہانہ کا طرۂ امتیاز اور اہل فکر و نظر کی سند کمال بن گئی۔

اُردو نوازی کا شوق بڑی اُمنگوں اور حوصلوں کے ساتھ شروع ہوا۔ عالمگیری عہد کے ہزل گو اور پھکڑ شاعر جعفر زٹلی (م ۱۶۵۹ء تا ۱۷۱۳ء) نے اُردو میں بھی شعر کہے۔ اسی دور کے مشہور فارسی شعراء قزلباش خاں اُمید، سلیمان قلی خاں داؤد معز الدین فطرت، عبدالقادر بیدل اور سعد اللہ گلشن بھی بطور تفریح طبع اُردو میں شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کے اشعار تذکروں میں موجود ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے کبھی پوری سنجیدگی اور زور فکر کے ساتھ اُردو کو وسیلہ شعر گوئی نہیں بنایا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پہلا صاحب دیوان شاعر

ابھی تک عام خیال یہ تھا کہ ولی کے دیوان کی اشاعت کے بعد (بعہد محمد شاہ) جب دہلی کے گلی کوچوں میں ولی کے اشعار گائے جانے لگے تو اہل فکر نے بہ شان کمال اُردو شعر گوئی پر توجہ صرف کی اور شمالی ہند میں صاحب کلام و صاحب دیوان اُردو شاعر پیدا ہوئے۔ لیکن پروفیسر مسعود حسن رضوی نے فائز دہلوی کا دیوان شائع کرکے اس خیال کی تردید کر دی ہے۔ فائز دہلوی ولی کے دور کا شاعر تھا۔ اس کا دیوان ولی کے دوسرے سفر دہلی سے پہلے عہد فرخ سیر (۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء) میں مرتب ہو گیا تھا۔ فائز نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ نظموں کی تعداد غزلوں سے بہت زیادہ ہے۔ فائز کے یہاں بہت سیدھے سادے انداز کی شاعری ہے کہیں کہیں گرمیٔ سخن بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل تحقیق تلاش و دریافت میں مصروف ہیں ممکن ہے آگے چل کر شمالی ہند کے اور شاعروں کا پتہ چلے اور شمالی ہند میں ابتدائی اُردو ادب کی تاریخ روشن تر ہو جائے۔

شمالی ہند کی اردو شاعری

مزاج، انداز، ارتقاء اور خصوصیات زبان

محمد شاہ رنگیلے (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) کے عہد میں ولی دوبارہ ۱۷۲۲ء میں دہلی آئے۔ اس بار وہ اپنا دیوان بھی ساتھ لائے تھے۔ محمد شاہ کا دور بڑی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دلچسپیوں، رنگ رلیوں اور نشاط و مستی کا دور تھا۔ اکبری و شاہجہانی عظمت کے رنگ عالمگیر کی آنکھ بند ہوتے ہی پھیکے پڑنے لگے تھے۔ آل تیمور کے ہاتھ سے فتح و اقبال مندی کی تلوار گر چکی تھی۔ پوری سلطنت میں بغاوت و سرکشی کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ فساد و خوں ریزی کے انگارے بھڑک رہے تھے اور زوال تباہی کی خاک اڑ رہی تھی۔ ۱۷۲۴ء میں نظام الملک آصف جاہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ تقریباً اسی سال اودھ نے عملاً دارالسلطنت کے اقتدار کو تسلیم کرنا چھوڑ دیا۔ اور اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ کچھ دنوں بعد بنگال اور پنجاب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ دہلی پر سب سے پہلی اور سب سے بڑی تباہی نادر شاہ کے ہاتھوں ۱۷۳۹ء میں آئی ۱۷۵۶ء میں احمد شاہ درانی نے چڑھائی کی۔ ۱۷۶۰ء میں مرہٹوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ۱۷۸۸ء میں روہیلا غارت گر غلام قادر پایۂ تخت پر چڑھ آیا خون کی ہولی کھیلی تاج دہلی کی عبرت انگیز بے بسی کا یہ عالم تھا کہ سرکش روہیلے نے بادشاہ وقت شاہ عالم کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ تاج دہلی سیاسی بازی گروں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن گیا تھا۔ مٹی ہوئی عظمت کی حسرت بھری نشانی، طاقت و اقتدار سے محروم روز بروز اس کی خوبصورتی پڑتی گئی۔ اس کی اقبال مندی دوسروں کے عہد کی رونق بنتی گئی۔ یہاں تک کہ غدر ۱۸۵۷ء نے اسے خاک عدم کی نذر کر دیا۔ اس سے بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دہلی میں اردو ادب کی محفل اس وقت قائم ہوئی جب زوال و تباہی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ محفل رنگ پر آنے کو تھی کہ کوئی نہ کوئی آسمانی بلا نازل ہو جاتی اور محفل درہم برہم ہونے لگتی یہ اسباب تھے جن کے باعث بڑے بڑے اہل کمال دہلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے خان آرزو سودا میر حسن، انشاء، مصحفی، جرأت اور نہ جانے کتنے شاعر دہلی چھوڑ کر ملک

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دوسرے حصوں میں بالخصوص پایۂ تخت اودھ لکھنؤ میں جا بسے۔ شعر و ادب کے ایک نئے دبستان، لکھنؤ کو فروغ ہوا۔ اور شام اودھ کی جدّت طرازیوں نے ادب میں اپنے کمال کے خاص امتیاز پیدا کر لیے۔

زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ زبان اور اس کے شعر و ادب میں بھی نئے رنگ ابھرتے رہتے ہیں۔ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ نئے مذاق کے مطابق نئی اصلاحیں ہوتی ہیں۔ نئی ترقیاں اس کے قدم آگے بڑھاتی ہیں اور نئی کیفیتیں فکر و نظر کے نئے معیار قائم کرتی ہیں۔ زمانے کے ہاتھوں نے جب اُردو کے مرکز کو دکن سے دہلی منتقل کیا تو زبان و ادب میں تبدیلی کا عمل بڑے شد و مد اور تیزی کے ساتھ ہوا دکن میں اُردو کی ترقی اس طرح ہوئی کہ دکن والوں نے شمالی ہند سے اپنی سیاسی آزادی اور خود مختاری کو امتیازی شان کے ساتھ قائم کرنے کیلئے ملکی تمدن اور ملکی زبان کو سر و ج و افتخار عطا کیا اس پر شاہانہ نوازشیں ہوئیں اور اس کا ادب دکن والوں کا سرمایۂ امتیاز بنا۔ اسی لیے دکنی اُردو پر فارسی کا غلبہ نہیں ہونے پایا۔ ہندی کے الفاظ ترکیبیں محاورے کہاوتیں، استعارے اور ملکی دیومالا ادب کا زیور بن کر رہے۔ اُردو ادب ملکی تمدن کے رنگ میں ڈوبا اور رچا بسا رہا۔ اس نے ایک آزاد اور خود مختار حیثیت رکھی۔ شمالی ہند کا رنگ دوسرا تھا۔ یہاں تہذیب و تمدن کی شان بالکل مختلف تھی۔ یہاں فارسی کی اقبال مندی خسروانہ حشمت کی مالک تھی درباروں میں اسی کے جھنڈے گڑے تھے۔ شائستگی کی محفلوں میں اس کا بول بالا تھا۔ شعر و ادب و انشاء اس کے جلو میں چلتے تھے۔ اس کا ادب ذہنی شائستگی کے معیار قائم کرتا تھا۔ اس کے دربار سے تہذیب و علمیت کی سندیں تقسیم ہوتی تھیں۔ اس کی دنیا، کنارکنگ و جمن کی مطافتوں کی دنیا نہیں تھی۔ اس

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی محفلوں میں لحن داؤدی تھا۔ کرشن بنسری کی الاپ نہیں تھی سو اد شیراز و اصفہان کی طرب انگیزیاں تھیں، دوآب کے شاداب میدانوں، جنت نظیر کشمیر کے سرغزاروں اور حسن خیز زمین مالوہ کو مستیوں کا رین بسیرا بنا دینے والی روتقیں نہیں تھیں۔ یہاں لیلیٰ عراق کا نمکین ساؤ نلاپن اور شیریں عجم کی قیامت خیز صباحت گرمئ محبت کا جادو جگاتی رہیں۔ سورج کو شرما دینے والی پدمنی کے ماتھے کی جوت کبھی تمنائے نظر نہ بن سکی۔ معنی آفرینی، بلاغت مضمون اور زبان و بیان کے اعجاز کے اعتبار سے ہندوستان کا فارسی ادب بہت بلند پایہ، بہت گرانمایہ ہے لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ اس میں وہ حقیقت پسندی نہیں ہے جو زندگی اور ماحول کے رابطے اور تعلق سے پیدا ہوتی ہے اس کی فضا ایرانی ہے۔ ہندی نہیں ہے اور اس کے تخیل میں گرمی اور نشتریت بھی خالص ایرانی مذاق کی دین ہے۔ اُردو ادب نے دلی کی زمین پر قدم رکھا تو اس کی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا۔ اصلاح کا ایک زبردست عمل شروع ہوا جو قریب سوا سو برس جاری رہا۔ خیال و فکر کی دنیا میں نئے رنگوں کی بہار آئی۔ زبان کی صورت، چہرے، بیرونی نظام ساخت و ترکیب میں ترقی آیا اور ترقی و اصلاح کے عمل نے اُردو زبان و ادب کی وہ حیثیت قائم کر دی جو غالب، مومن، ذوق، آتش، و ناسخ کے یہاں اپنے نقطہ کمال کو پہونچ گئی۔ شمالی ہند نے زبان میں جو اصلاحیں کیں اور ادب کا جو معیار قائم کیا اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ تفصیلی اظہار خیال کی اس اجمالی مطالعے میں گنجائش ہے۔ لیکن ہم بات کو زیادہ پھیلائے بغیر سمیٹ کر بھی خاص اور امتیازی چیزوں کو نمایاں کر سکتے ہیں۔

زبان اور ادب میں اصلاح و ترقی کا ایک عمل وہ ہے جو بالکل فطری ہوتا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور زمانے کے ساتھ ساتھ ابھرنے والے تمدنی تقاضوں کے تحت ہوتا رہتا ہے الفاظ کا روپ بدلتا ہے۔ تراش خراش ان میں نئے انداز سے سلونے پن، اثر پذیری اور معنویت کے جادو کو ابھارتی ہے۔ وقت کے ساتھ بہت سے الفاظ نامانوس قرار پاتے ہیں۔ بہت سے محاورے، ترکیبیں اور ادبی صنعت و آرائش کے زیور اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتے ہیں اور زبان و ادب کے دائرے سے ان کا اخراج ہو جاتا ہے۔ بڑھتا ہوا علم، مشاہدہ اور تمدنی ترقیاں نئے الفاظ، نئی ترکیبوں اور زیب و آرائش کے نئے سامانوں سے زبان و ادب کو مزین کرتی رہتی ہیں۔

دہلی، لکھنؤ اور شمالی ہند نے اُردو زبان و ادب میں جو اصلاحیں کیں اور جس انداز سے اس کا مزاج بنایا وہ بنیادی اہمیت اس لیے رکھتا ہے کہ اس نے بڑی حد تک اُردو کے مستقبل کی راہ بنا دی۔ آج زبان و ادب جس منزل سے گزر رہے ہیں اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہم بہت صاف نظر اور صاف ذہن کے ساتھ بالکل بے لوث انداز میں اصلاح و ترقی کے اس عمل کا جائزہ لیں۔ زبان و ادب پر نگاہ ڈالنے سے تغیر اور تبدیلی کی چند حیثیتیں بالکل نمایاں ہو جاتی ہیں۔

(۱) دکنی اُردو کے وہ الفاظ، محاورے، ترکیبیں اور بیان کے انداز جو خالص مقامی حیثیت رکھتے تھے اور جن کا سمجھنا صرف اہلِ دکن کے لیے ممکن تھا۔ شمالی ہند میں آکر ادبی زندگی سے محروم ہو گئے۔

(۲) بہت سے الفاظ جو دکنی ادب میں استعمال ہوتے تھے۔ صوتی مطابقت کے معیار پر بھدے کھردرے اور بے ڈھنگے سے تھے۔ ان کے زیادہ ستھرے، سلونے اور سڈول روپ قائم ہوئے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

(۳) دہلی پایۂ تخت سلطنت ہونے کے سبب ہندوستان کا بین الصوبجاتی مرکز تھا۔ اور زمین ہند پر تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا گہوارہ تھا۔ اس کی سماجی زندگی میں بڑے وسیع پیمانے پر، تہذیبی میل جول اور تمدنی لین دین کا بازار گرم رہتا تھا۔ اس کی زبان میں زیادہ گہرائی، اثر پذیری کی شان اور ترقیوں کی نمود تھی۔ شمالی ہند میں جب اُردو نے ادبی و تصنیفی حیثیت اختیار کی تو اس بڑھتی پھیلتی اور زمانے کے قدم بہ قدم چلتی ہوئی زبان کے سارے خزانے ادب کے تصرف میں آگئے اور اس طرح اس کے دائرے میں بڑی وسعتیں پیدا ہو گئیں۔

(۴) شمالی ہند نے فارسی شعر و ادب کے جواہر ریزوں کی ضو سے، اُردو کے تخیل، کلام، بیان اور زبان کو جلا دی۔ اُردو زندہ، طاقتور اور صدیوں مہذب دنیا پر خسروانہ اقتدار رکھنے والے فارسی شعر و ادب سے زیادہ قریبی رابطے میں آئی۔ اس کے الفاظ میں شاندار اضافہ ہوا۔ سیکڑوں نئی تشبیہیں استعارے تمثیلیں، رنگیں بیانی کے نئے انداز، آرائش و زیبائش فن کے نئے زیور اُردو کو مل گئے۔ جنھوں نے اسے لطافت، زور بیان، شکوہ تخیل اور تابش فکر و نظر عطا کی۔ فردوسی و انوری، سنائی، رومی، حافظ و خیام قاآنی و عرفی کی زبان لطافت فکر و خیال، معانی دقیق اور عرفان و روحانیت کا گنجینہ ہے۔ اس کے ساتھ بلند نگاہی اور فراخ مشربی کی بڑی روشن روایتیں وابستہ ہیں فارسی کے اثر نے اُردو کو وہ عالمگیر اور انسانی نگاہ دی جو مرد فکر و عرفان اقبال کے قالب سخن میں یوں زمزمہ سرا ہو گئی کہ ؎

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

(۵) شمالی ہند نے زبان کی ساخت و ترکیب کے اصولوں کی تدوین کی۔ اس کی قواعد مرتب کی۔ اس کی لغت تیار کی۔ اس کی شائستگی اور شستگی کا ادبی معیار مقرر کیا اور اس کے ادیبوں اور شاعروں نے برسوں کے ریاض و محنت سے اس ادبی معیار کو بازارِ زندگی کا کھرا سکہ بنا دیا۔

ابھی تک ہم نے تغیر اور تبدیلی کے جن پہلوؤں پر نگاہ ڈالی ہے، وہ شمالی ہند کی بڑی شاندار خدمات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مخصوص مقامی مقبولیت رکھنے والے الفاظ کو خارج کر دینا، رائج الفاظ میں صوتی تغیر سے رچاؤ اور رسیلا پن پیدا کر لینا، نئے الفاظ، محاورے، ترکیبیں وغیرہ لے لینا، فارسی شعر و ادب سے دل کھول کر استفادہ کرنا۔ زبان کو اصولی اور باقاعدہ حیثیت دینا۔ ان میں کوئی چیز قطعاً قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ البتہ اس کاٹ چھانٹ میں ہندی کے سبک شیریں، نرم اور موثر الفاظ کو خارج کر دینا فارسی کے زیرِ اثر اس حد تک آجانا کہ فارسی شعر و ادب کے مغز و فکر اور رمز لطافت و بلاغت سے گزر کر اس کے خارجی لوازم کو جلدِ بدن بنا لینا، اس کے معیار کو اپنا معیار، اس کی پسند کو اپنی پسند، اس کی نگاہ کو اپنی نگاہ، اس کے روپ رنگ کو اپنا روپ رنگ سمجھ بیٹھنا، یہ اُردو زبان کی فطرت پر ظلم تھا۔ اس کو اپنے اصلی مرکز سے ہٹانا تھا۔ اسے خیالی اور تصنع پسند بنانا تھا۔ ہندوستان کے زمین و آسمان، اس کے دریا اور پہاڑ، اس کے پیپے کی جانستان "پی کہاں"، اس کی لطافت شام و سحر اور اس کی فضا میں رقص کرنے والی رعنائیاں، انھوں نے ہمیں ذوقِ نظر اور حاصلِ نظر بخشا ہے۔ ان کے دامن میں حُسن کا ایک واضح مفہوم ہے اور روح کو جگانے والا جادو ہے اُردو اپنی فطرت میں ایک دوستی زبان ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی دوستی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

محبت کی یادگار ہے۔ ہندی اور ایرانی تہذیبوں کے میل جول کی نشانی ہے۔ چاہیئے تھا کہ جیسے اس کی بنیاد میں ہندی فطرت سموئی ہوئی ہے اسی طرح خیال کی اعلیٰ ترین بلندیوں تک فن کے لوازم میں، زیبائش و آرائش کے سامان میں، روپ رنگ میں، نکھار میں، فکر لطیف کی پروازیں، خیالات کے تار و پود میں برج بسری پوری مدھرتا ان دیتی۔ تب ہمہ گیر انداز میں، سچے طور پر ہمارا ادب ہر نہج اور ہر پہلو سے ہند ایرانی بہار تہذیب کا آئینہ بن جا اگر شمالی ہند کے شاعر اُردو کی اس دورخی فطرت کا لحاظ رکھتے اور بھاشا اور فارسی کو اعلیٰ حسن امتزاج کے ساتھ ایک قالب میں سمو کر اُردو ادب کی صورت گری کرتے تو یقیناً اردو ایشیا کی سب سے زیادہ جاندار، سب سے زیادہ توانا اور سب سے زیادہ رسیلی زبان بن جاتی ـــــ اس کے خمیر میں یہ جوہر موجود تھا۔ دکنی ادب نے اسی جوہر کو چمکایا۔ دکنی زبان و ادب پر صحیح و ترقی کا عمل یہ تھا کہ اس جوہر کو اور زیادہ بلند نگاہی اور وسعت ظرف کے ساتھ چمکایا جاتا۔

شمالی ہند نے زبان و ادب میں جو اصلاحات کیں ہم نے انکی خصوصیات پر اختصار کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے اصلاح کا یہ عمل اسی دن شروع ہو گیا تھا جب ولی اورنگ آبادی کے ورود دہلی کے ساتھ پایۂ تخت میں اہل کمال پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اُردو شعر گوئی کی طرف مائل ہونے لگے۔ اور دہلی میں اُردو شاعری کی محفل قائم ہو گئی۔ لکھنؤ کے نامور استاد اور لکھنؤ دبستان شعر و ادب کے بانی شیخ امام بخش ناسخ اور ان کے تلامذہ نے اس عمل اصلاح کو اپنے دائرے میں حدِ کمال تک پہونچا دیا۔

شمالی ہند میں دور اوّل کے ممتاز شاعر خان آرزو، شاہ مبارک آبرو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

محمد شاکر ناجی، شاہ ظہور الدین حاتم اور مرزا مظہر جان جاناں ہیں۔ ان شاعروں کے یہاں بہت حد تک شاعری کا فطری اور اصلی رنگ ہے۔ تخئیل شعر میں ایک دلکش سادگی ہے، زبان میں فارسی الفاظ، ترکیبوں اور آرائشی لوازم کا بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔ شاہ حاتم نے خاص طور پر واضح مقصد کے ساتھ اصلاح زبان کی طرف توجہ کی۔ اس دور میں صنعت ایہام کا کثرت سے رواج تھا مظہر جان جاناں نے شاعری کو ایہام گوئی کے عیب سے پاک کیا اور زبان و کلام میں صفائی، شستگی، پاکیزگی اور کیفیت پیدا کی۔

دوسرے دور کے ممتاز شاعر سودا۔ میر، خواجہ میر درد، میر حسن اور میر سوز ہیں۔ اس دور شعر و سخن کو اردو شاعری کا "عہد زریں" کہا گیا ہے۔ اس دور میں اردو شاعری کا دامن بہت وسیع ہو گیا۔ الفاظ میں زبردست اضافہ ہوا۔ بیان میں اعلیٰ معیار کی رنگینیاں نمودار ہوئیں۔ پرواز فکر نے معانی آفرینی اور شکوہ تخئیل کے حیرت انگیز جلوے دکھائے۔ سودا نے قصیدہ گوئی کو آسمان پر پہونچا دیا۔ میر نے اردو غزل کو جادو اثر کیف و اثر دیا۔ حسن کی مثنوی آج بھی اعجاز بیان کی داد لے رہی ہے۔ درد کی اعلیٰ روحانیت میں ڈوبی ہوئی لے آج بھی اہل دل کو گرما رہی ہے۔ اس دور میں اردو کے دامن پر فارسی کے تخئیل اور زبان کی آرائشیں زیادہ گہرائی کے ساتھ نمایاں ہوئیں اصلاح زبان کا عمل تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ اور فارسی طرز پر اردو شعر گوئی کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔

تیسرا دور مصحفی، انشاء اور جرأت کا دور ہے دہلی کی آئے دن تباہیوں سے پریشان ہو کر شاعر اور باکمالان فن ملک کے مختلف حصوں میں ہجرت کرتے جا رہے تھے۔ دہلی چھوڑنے والوں کے لیے سب سے زیادہ کشش خاک اودھ اور سواد

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

فیض آباد و لکھنؤ میں امن و امان تھا۔ فیاض دربار تھا عیش و طرب کی فراوانی تھی۔ علم و کمال کی قدر دانی تھی اور فنونِ لطیفہ کے لیے جنت کا سماں تھا۔ خان آرزو، سودا، میر حسن، میر، میر سوز سب دہلی سے فیض آباد اور لکھنؤ آئے۔ ان کے یہاں دہلی کے طرزِ سخن گوئی کی روایتیں باقی رہیں۔ مصحفی اور انشاء کے ساتھ درباری شاعری کا ایک خاص رنگ ابھرا۔ عیش پسندی نے اختراعِ ذہن کو سطحیت کی طرف مائل کر دیا۔ شاعری کی حقیقی روح کمزور پڑ گئی۔ لفظ و بیان کی آرائشوں پر زیادہ توجہ ہونے لگی۔ نغموں میں دل کو گرما دینے والی کیفیت پھیکی پڑ گئی۔ جو اس کو بھڑکا دینے والی آگ تیز تر ہونے لگی۔ فن خوب بنا، سنورا، نکھرا، تدوین زبان کی باقاعدہ کوششیں شروع ہوئیں فارسیت کا غلبہ نمایاں سے نمایاں تر ہو گیا۔ فن خوب چمکا۔ شعریت کچھ کھو بیٹھی یہ ہے لکھنوی ماحول کا اثر، لکھنوی فکر کی سطحیت اور ہوس پرستی کا سب سے عریاں مظہر فن ریختی ہے۔ جسے سعادت یار خاں رنگین اور انشاء کے ہاتھوں شمالی ہند میں نوجیون ملا اور جان صاحب نے جس کی بدولت خاص شہرت حاصل کی۔ طبیعت کے منچلے پن نے جدت کی یہ راہ دکھائی کہ مرد کو عورت کی زبان لہجہ، طرزِ کلام دوپٹہ، غرارے، ادائیں دے کر ریختی کے میدان میں مایۂ تفریح بنا دیا۔

نظیر اکبر آبادی کا رنگِ سخن اس قدر ممتاز، اس کی انفرادیت اس قدر شاندار اور زبان و ادب کی تاریخ میں اس کی شاعرانہ حیثیت اس قدر منفرد ہے کہ اس کی ذات مستقل دبستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ نظیر نے لمبی عمر پائی۔ دور میر بھی دیکھا اور زمانۂ ناسخ بھی۔ دہلی اور لکھنؤ کے مرکزوں سے الگ، اپنے رنگ میں مست مگن۔ شعری سنگیت کے اس منوہر پیانے پر

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دیش کی سندر بھومی پر من کے گیت چھیڑے۔ بہار اگ، پیا ملن کا سندیشہ مایا میں ڈوبے ہوؤں کو من سنسار کی منوہر بائی، کنار جمنا کے رنگین مناظر، ہندو مسلمانوں کے تہوار، میلے ٹھیلے، شادی وغمی کی مجلسیں، نظیر کے کلام میں ہندوستانی عوام کی پوری زندگی پڑی بہار دکھاتی ہے۔ نظیر شاعر ہند ہے اور اپنی دنیا میں اس قدر بلند ہے کہ کوئی اس کی گرد پا کو بھی نہیں پہونچتا۔

چوتھا دور یہ وہ زمانہ ہے جب اُردو شعر گوئی کے دو اسکول، دبستان دہلی اور دبستانِ لکھنؤ قائم ہو گئے۔ لکھنؤ میں ناسخ و آتش کی استادی کا سکہ چلا۔ ناسخ نے اصلاح زبان کے اس عمل کو مکمل کر دیا جس کا آغاز شاہ حاتم نے کیا تھا بھاشا کے الفاظ کا کامل اخراج ہو گیا۔ شعر گوئی پر فن کے سخت پہرے بٹھائے گئے، خواص اور عوام کی زبان کے فرق کو خوب اُجاگر کیا گیا۔ خواص کے معیار پر صحت الفاظ، تراکیب کی شائستگی وغیرہ کے اونچے معیار قائم ہوئے۔ اس ذوقِ اصلاح اور ہمہ گیر تراش خراش سے جو نقصانات اُردو شاعری کو ہوئے ان سے قطع نظر، ناسخ کی زباندانی، قدرت فن اور مشاقی طبیعت بالکل مسلم ہیں ناسخ اسکول میں علی اوسط رشک اور اس کے بعد ضامن علی جلال نے تدوین زبان کے سلسلے میں بڑے نمایاں کام کئے۔ ناسخ کے یہاں فن ہی فن ہے شعریت واجبی قسم کی ہے۔ البتہ آتش کی غزل گوئی کا معیار بہت بلند ہے اس کے یہاں روحانیت کی چاشنی ہے۔ تخئیل کی لطافت ہے۔ جذبے کی نزاکتوں کا مطالعہ ہے۔ محبت کا درد، لذت اور رنگینیاں ہیں۔ ان استادوں کے شاگردوں میں رند، صبا، خلیل، ہجر، قلق، وزیر، اشک، اسیر، دیا شنکر نسیم، آباد وغیرہ کو بڑی شہرت ہوئی۔ دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزار نسیم" وقت نظر، زورِ تخئیل اور قدرتِ بیان کا بہت اعلیٰ نمونہ ہے۔ نواب مرزا شوق کی تصنیف "زہر عشق"

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تو ادب کا وہ اعجاز ہے جس پر اُردو ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ عام طور پر لکھنؤ کی شاعری میں "سخن دل" نہیں "آرائشِ سخن" ہے۔ ظاہری چمک بھڑک، طبیعت کی رنگ داری اور بانکپن کی نمائش ہے۔ یہ چیزیں شاعری کے اعلیٰ معیار سے بہت فروتر ہیں۔

لیکن لکھنؤ نے مرثیہ گوئی کو اس انداز سے عروج و فروغ بخشا کہ اُردو کو ایک بیش بہا خزانہ مل گیا۔ اُردو شاعری میں روزِ اوّل سے مرثیہ نگاری مقبول رہی۔ لکھنؤ میں پہلے خلیق و ضمیر نے اس رنگ کو چمکایا لیکن یہ صنفِ نظم دبیر و انیس کے یہاں معراجِ کمال کو پہونچ گئی۔ مرثیہ نے شاعری کے دائرے کو بہت وسیع کر دیا۔ اور اس کے دامن کو ہزار رنگ کے موتیوں سے بھر دیا۔ اُردو کی پرانی شاعری میں واردات حسن و عشق اور تصوف و اخلاق کے مسائل کے سوا تھا ہی کیا۔ لکھنؤ کے مرثیہ نگاروں نے واقعاتِ کربلا کو اس طرح پیش کیا کہ گھریلو زندگی کے دلفروز مناظر، سفر کے مصائب، لڑائی کے اہتمام، ہمہمے اور ہنگامے عورتوں کے جذبات کی دنیا، بچوں کی نفسیات، شباب حیات پسند کے حوصلے اُمنگیں اور خون زندگی سے انسانی عظمت کردار کی تاریخ لکھنے کی تمنائیں، زر اور زمین کے پجاریوں کی نفس پرستی کے بھیانک روپ، برائیوں کے درمیان انسانیت کے معصوم روشن جلوے۔ مختصر یہ کہ رزمیہ جذبات نگاری، مناظرِ قدرت کی عکاسی، پیکر آفرینی، کردار کشی، اخلاقی پند و موعظت، غرض شاعری کی ایک دنیا سما گئی۔ اُردو کا سب سے بڑا مرثیہ نگار شاعر انیس عالمی ادب کے زندہ جاوید ارباب فن و کمال میں باوقار حیثیت رکھتا ہے۔

دہلی کے اس دور کے ممتاز شاعر ذوق، غالب اور مومن ہیں۔ لکھنؤ کی عام شاعری کے مزاج کے خلاف اہل دہلی نے دل کی بات دل والوں کی زبان

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میں کہی۔ فکر کے معیار کو بلند رکھا۔ حسن کو جام بلوریں کے نقش و نگار میں نہیں موج شراب میں دیکھا۔ فکر غالب نے اردو شاعری کو آفاقی عظمت عطا کر دی مومن کے غزل میں اہل نظر کو حلاوت معنی اور سرمستی و سرشاری جذبہ کی جنت مل گئی ذوق نے شوکتِ بیان اور اعلیٰ قوتِ نظم کے معرکہ آرا منظر دکھائے زبان کو بڑی نفاست سے نکھارا، سنوارا اور شستہ و رفتہ کیا۔ ذوق کی تربیت نے زبان و بیان کا وہ زبردست ساحر پیدا کیا جس کے نغمے پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

دہلی اور لکھنؤ کی شاعری کے فرق اور اختلافات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے دہلی اور لکھنؤ والوں میں کچھ تو زبان کے اختلافات ہیں۔ لیکن ان کی کوئی بڑی اہمیت نہیں۔ اصل فرق تو رنگِ سخن کا ہے۔ اردو شاعری کے دورِ عروج میں دہلی اپنی عظمت ماضی کا عبرت انگیز مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ اس کی فضا میں درد و غم تھا، عبرت تھی۔ فنا کے آثار تھے۔ اس کا ماحول دل کی گہرائیوں میں پرورش پانے والے جذبات کو اُبھارنے کے لیے زیادہ سازگار تھا اس کی شاعری میں جذبے کی صداقت زیادہ ملتی ہے۔ لکھنؤ میں بظاہر پورا امن و امان تھا۔ عیش و فراغ کے سامان تھے۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا ماحول تھا۔ کوئی حیات آزما مقصد سامنے تھا نہیں۔ طبیعت کی اُمنگوں نے ظاہری نفاست اور خارجی آرائشِ زندگی میں خوب خوب جدت طرازیاں کیں۔ دربار کے اثر اور عیش پسندی کے ماحول نے فکر میں سطحیت پیدا کر دی۔ جلوۂ دوست کو عریاں کر دیا۔ نگاہوں کو مغز فن سے زیادہ لوازم فن کا پرستار بنا دیا۔ فضا کچھ سازگار تھی۔ منچلے شعر و ادب میں ہوا و ہوس کا خوب خوب پھاگ کھیل گئے۔ لکھنؤ بدنام ہو گیا۔ رسوائیاں اس کے دامن سے لپٹ کر رہ گئیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زبان کے معاملے میں ناسخ کی سخت گیری، ریختی کے گروہ اثرات بنام محبت ذوق ہوس رانی کی ہانکے پکارے لذت طلبی، ان کی بنا پر لکھنؤ کی زبردست خدمات ادب سے انکار ممکن نہیں ہے۔ آتش کی غزل گوئی انیس کی مرثیہ نگاری، تخئیل نسیم کی نزاکت آفرینیاں اور صاحب "زہر عشق" کا اعجاز نگارش، باغ سخن کے یہ صد ابہار پھول زمین لکھنؤ پر کھلے اور خزانۂ ادب کے ان انمول موتیوں کی نمائش لکھنؤ کے نگارخانۂ شعر و ادب میں ہوئی۔ دہلی میں شاہ نصیر بھی تھے جن کے یہاں فن تو خوب ہے، لیکن شعریت ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔

محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں زمانے کے ہاتھوں تیزی سے تباہ ہوتی ہوئی دہلی میں اُردو شعر گوئی کی محفل قائم ہوئی۔ نواب شجاع الدولہ والی اودھ کی فیاضیوں نے فیض آباد کو دوسرا مرکز ادب بنا دیا۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں اودھ کا پایۂ تخت لکھنؤ بنا اور اُردو کی محفل شعر و ادب لکھنؤ منتقل ہو آئی۔ دہلی کے بادشاہ بھی جیسی کچھ ممکن تھی شعر و ادب کی سرپرستی کرتے رہے اور والیان لکھنؤ کی فیاضیاں تو آوازۂ عام بن کر سارے ملک میں پھیل گئیں۔ مغل سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور آخری والی اودھ واجد علی شاہ اختر دونوں شعر و ادب کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ اور اچھی حیثیت کے شاعر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں اودھ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب نے مغلوں کی حکومت ختم کر دی۔ تلاش معاش میں شاعر دہلی اور لکھنؤ سے نکل کھڑے ہوئے اور ایسی ریاستوں کے درباروں سے وابستہ ہو گئے۔ شعر و ادب کی دنیا میں نئے انداز کی طرحیں ڈالی گئیں اور ذوق خوشنوائی نے نئے قالبوں میں رونمائی کی۔ شعر و ادب کی پرانی روایتوں کو داغ، نسیم دہلوی، ظہیر دہلوی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar, Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

امیر اللہ تسلیم، مجروح، ممنون، انیس، میانی اور جلال لکھنوی نے بڑی قدرت فن کے ساتھ زندہ رکھا۔ ان میں داغ، امیر اور جلال کو خاص شہرت حاصل ہوئی، انھوں نے زبان کو اور صاف و شستہ کیا لیکن ان میں کوئی غالب، مومن اور آتش نہ بن سکا،

اوپر کی سطروں میں ہم نے آمد ولی کے وقت سے امیر و داغ کے زمانے تک شمالی ہند میں اردو شاعری کے مزاج ارتقاء اور عہد بعہد کی ترقیوں اور خصوصیات پر نگاہ ڈالی ہے، ذیل میں ہم اس زمانے کے بہت خاص امتیاز رکھنے والے شاعروں کا مختصر حال بیان کریں گے اور ان کے کلام کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالیں گے تاکہ شمالی ہند کے شعر و ادب کا مزاج، انداز خصوصیات اچھی طرح نمایاں ہو جائیں۔

معاصرین ولی کا دور

خان آرزو
۱۶۸۹ء تا ۱۷۵۶ء

معاصرین ولی میں خان آرزو کی حیثیت سب سے زیادہ ممتاز ہے، دہلی کے ادبی حلقوں میں وہ شمع انجمن تھے، بڑے صاحب منظر ناقد محقق اور زباندان تھے شعر گوئی میں استادانہ مرتبہ رکھتے تھے تذکرہ نگاروں نے ان کی علمیت، اعلیٰ اخلاق اور وقار و متانت کا ذکر بڑے شاندار الفاظ میں کیا ہے، ان کی ذات سے اردو شعر گوئی کو دہلی میں بڑا فروغ حاصل ہوا مولانا محمد حسین آزاد نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ ان کو زبان اردو کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ارسطو کو فلسفہ کے ساتھ ہے۔ شاہ محمد غوث گوالیاری کی اولاد میں سے تھے، بچپن سے علم و ادب اور شعر گوئی کا بہت پاکیزہ اور بلند مذاق رکھتے تھے۔ حلزادی کے بعد دہلی سے لکھنؤ آئے، جہاں ۱۷۵۶ء میں انتقال کیا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

خان آرزو کی تصانیف بہ کثرت ہیں، فارسی میں تیس ہزار شعر کا ضخیم دیوان موجود ہے، اردو شعر کم کہے ہیں۔ لیکن ان کی استادانہ حیثیت اس لیے مسلم ہے کہ وہ میر تقی میر جیسے زبردست شاعر اور دوسرے بہت سے شعراء کے سرپرست تھے، میر، سودا، درد مظہر اس دور کے تمام شاعروں نے انھیں استاد عصر مانا ہے، انکے چند اشعار درج ذیل ہیں

آتا ہے ہر سحر اٹھ تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

رکھے سیپارہ دل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

اس زلف سیاہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے
آئینہ کے گلشن میں گھٹا جھوم پڑی ہے

شاہ مبارک آبرو
۱۶۹۲ء تا ۱۷۴۷ء

نجم الدین نام، آبرو تخلص اور شاہ مبارک لقب تھا، دور اول کے ممتاز شاعروں میں تھے۔ خان آرزو کے رشتہ دار تھے اور کہنہ مشقی کے باوجود ہمیشہ انھیں اپنا کلام دکھاتے رہے آبرو شاعری کا اچھا مذاق رکھتے تھے بقول مصنف گل رعنا طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی، اس زمانے کے دستور کے مطابق تشبیہ اور ایہام میں کلام الجھا ہوا ہے، مگر محاورہ کی چاشنی نے اسے بامزہ کر دیا ہے۔"

اشعار نمونہ یہ ہیں ؎

نکلے تو آ، صبا کی طرح جب چمن میں پھول
گلشن کے دیکھ تجھکو گئے ہاتھ پاؤں پھول

کریں جو بندگی ہو دیں گناہ گار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

پھیرتے تھے دشت دشت دانے کدھر گئے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دل تو دیکھو آدمِ بیباک کا
عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

شیخ شرف الدین مضمونؔ
متوفی ۱۷۴۵ء

شیخ شرف الدین نام۔ مضمونؔ تخلص تھا، قصبہ جاجمؤ صوبہ اکبر آباد کے رہنے والے تھے، ابتدائے شباب میں دلی گئے، زینت المساجد میں قیام کیا ایسے پیر توڑ کر بیٹھے کہ ساری عمر اسی مسجد میں گزار دی، خان آرزوؔ کے شاگرد تھے، آرزوؔ انھیں شاعر بے دانہ کہتے تھے، اس لیے کہ ان کے دانت گر گئے تھے، بڑے خوش مزاج تھے اور ادبی محفلوں کی رونق تھے، میر تقی میرؔ کے الفاظ میں "ہر چند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر"۔ ان کے کلام میں خاصی دلکشی ہے، ابہام اور مراعاۃ النظیر کا ان کے یہاں بھی زور ہے، دو سو اشعار کا دیوان چھوڑا۔

کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا
صبر ایوبؑ کیا، گریۂ یعقوبؑ کیا
کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج
ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج
افسوس یار جھٹ پٹ لیتے ہیں دل کو اٹکا
کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیرے اٹکا

محمد شاکر ناجی
متوفی ۱۷۵۴ء

ناجیؔ اس دور کے بڑے زندہ دل شاعر تھے۔ نواب امیر خاں کے دیوان خانے کے داروغہ تھے۔ نہایت تیز مزاج، شوق طبع اور ظریف تھے جس سے الجھ پڑتے اسے پیچھا چھڑانا

Courtesy Arif Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مشکل ہو جاتا۔ ایک طولانی مخمس میں حلہ نادری کی تباہیوں کا چشم دید حال لکھا میر تقی میر کے بقول "کلام میں ہزل بہت تھا۔ اپنے مذاق آمیز کلام سے لوگوں کو ہنساتے اور خود منہ بنائے رہتے" زبان کی سادگی اور خیالات کی دل کشی نے کلام کو مقبولیت بخشی۔ اس دور کے عام رنگ کے مطابق ان کے یہاں بھی ابہام اور استعا کی کثرت ہے۔

ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

نہ سیر باغ، نہ ملنا، نہ میٹھی باتیں ہیں
یہ دن بہار کے اے جان مفت جاتے ہیں

آج تو ناجی سجن سے کر لے اپنا عرض حال
مرنے جیسے کا نہ کر دو سو اس ہونی ہو سو ہو

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صوف کی تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

نہ پوچھو خود بخود ہے عارض خورشید کی خبی
لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہر دیاں کر چندا

مصطفےٰ خاں یکرنگ

یکرنگ محمد شاہی ہراول میں سے تھے۔ ان کا شمار بھی اس دور کے باکمالان فن میں کیا گیا ہے کلام بلند ہے، استعارات کی کثرت ہے، غزلیں عاشقانہ اور عارفانہ دونوں رنگ میں ہیں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

شہید کربلا کی شان میں ایک مرثیہ بھی کہا ہے۔ مرزا جانجاناں مظہر کے شاگرد تھے ۔
نمونہ کلام یہ ہے ؎

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن — تجکو ترا غرور نہ جانے کرے گا کیا
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے — میرا صبر و قرار جاتا ہے
کہتے ہم ہیں پکار سنو کان دھر سجن — گر غیر سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

محمد حسین کلیم

تذکرہ نگاروں نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور فارسی علوم میں بڑی نظر رکھتے تھے۔ میر حسن کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کیا ہے اور اردو نثر میں ایک کتاب بھی لکھی عروض و قافیہ میں بھی ایک رسالہ تصنیف کیا۔ اردو نثر میں جو کتاب انھوں نے لکھی اس کا ایک فقرہ میر حسن کے حوالے سے درج ذیل ہے۔

"کل کے دن تھے بادشاہ وزیر، آج کے دن بیٹھے اندھے ہو بھیر، ایسی دولت سے زینہار زینہار فاعتبروا یا اولی الابصار"

ان کے اشعار کو عام مقبولیت حاصل نہ ہو سکی، غالباً اس لیے کہ طبیعت میں وقت پسندی تھی۔ اور طرز بیدل کی پیروی کرتے تھے۔ نمونہ کلام کلیم یہ ہے ؎

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہر گز اے کلیم — آبکو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا
لگتی ہے اب تو قلقلِ مینا سے دل کو ٹھیس
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
پاسِ ناموسِ محبت ہے مجھے ان سے کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

غرور حسن ممکن کیا کسی کی داد کو پہونچے
غرض تم سن چلے احوال ہم فریاد کو پہونچے

اشرف علی فغاں
متوفی ۱۷۷۶ء

فغاں۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں یکتائے زمانہ تھے۔ احمد شاہ نے ان کو ظریف الملک کا خطاب عطا کیا تھا۔ دہلی کی تباہیوں سے پریشان ہو کر مرشد آباد چلے گئے تھے۔ لوٹتے وقت فیض آباد میں ٹھہرے نواب شجاع الدولہ نے بہت اعزام و اکرام سے لیا۔ مگر زیادہ دنوں نبھ نہ سکی۔ پٹنہ چلے گئے۔ راجہ شتاب رائے نے بڑی قدر دانی کی، وہیں ۱۷۷۶ء میں جہان فانی کو خیر آباد کہا۔

رنگ سخن یہ ہے ؎

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا

نے زندگی میں وصل میسر نہ بعد مرگ
عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

شاہ ظہور الدین حاتم
۱۷۹۹ء تا ۱۷۹۱ء

حاتم دور اول کے بڑے ممتاز اور صاحب مرتبہ شاعر تھے ان کی شاعری اس دور کے رنگ سخن کا بہترین مظہر ہے۔ بقول مصنف تاریخ ادب اردو "ان کو دہلی کے رنگ کا موجد خیال کرنا چاہیئے"۔ ان کے والد کا نام شیخ فتح الدین تھا، ابتداء میں سپاہی پیشہ تھے۔ میر بادل علی شاہ کا تکیہ جو رند مشرب اور فقیر منش لوگوں کا مرکز اجتماع تھا۔ وہاں یہ بھی جایا کرتے تھے طبیعت پر یہ اثر ہوا کہ خود بھی فقیر منش ہو گئے۔ حاتم کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ پہلے رمز تخلص کرتے تھے بعد میں حاتم اختیار کیا۔ پہلا کلیات

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بہت ضخیم ہے۔ اس میں قصائد، رباعیات، غزل، مثنوی۔ مختلف اصناف کا کلام ملتا ہے اس دور کے عام انداز کی طرح اس کلیات میں صنعت ایہام کی بھرمار ہے اور اکثر کلام فحش ہے۔ آخر عمر میں بہ عہد عالمگیر ثانی اس ضخیم کلیات سے منتخب کر کے ایک چھوٹا دیوان مرتب کیا، اس کا نام "دیوان زادہ" رکھا۔ دیوان زادہ حاتم کے بہتر اور پختہ تر مذاق شعری کا آئینہ ہے۔ حاتم کی بڑی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اصلاح زبان کی طرف خاص طور سے توجہ کی۔ "دیوان زادہ" کے مقدمہ میں انھوں نے اپنی کاوش اصلاح زبان کا حال بیان کیا ہے۔ نئے دیوان میں انھوں نے ایسے الفاظ ترک کر دیے جو اردو میں نامانوس تھے مثلاً وز، بر، از وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو بھی حاتم نے رد کیا جو فی الاصل عربی تھے لیکن عام استعمال میں تلفظ اور لہجہ کے لحاظ سے ہندی ہو گئے تھے۔ مثلاً تسبیح سے تسبی اور صحیح سے صحی وغیرہ عربی و فارسی کے حروف جو اردو میں دبتے تھے، ان کو بھی رد کیا اور ترک کیا۔ مثلاً شعرا، بیگانہ کو بگانا اور دیوانہ کو دوانہ لکھ دیتے تھے۔ اصلاحات کے سلسلے میں مقدمہ دیوان زادہ میں لکھتے ہیں "الفاظ عربی و فارسی کہ قریب الفہم اور کثیر الاستعمال ہیں اور روزمرہ دہلی کی میرزبانان ہند و فصیحان رند برتتے ہیں میرے قبول طبیعت ہوئے زبان ہندی بجا کا (بھاشا) کو ترک کیا۔ محض روزمرہ کو کہ عام فہم و خاص پسند ہے اختیار کیا" ثقیل اور نامانوس الفاظ کو ترک کر دینا عربی و فارسی الفاظ کو املا اور تلفظ کی پوری صحت کے ساتھ برتنا، بھاشا کو اردو شاعری کے دائرے سے خارج کر دینا عام فہم اور خاص پسند روزمرہ کو اختیار کرنا۔ حاتم نے اصلاح زبان کے آئندہ کے لیے خطوط قائم کر دیے بتدریج اسی نہج پر اصلاح ہوتی گئی۔ ناسخ نے اس کام کو نقطۂ تکمیل تک پہونچا دیا۔

شاہ حاتم اپنے وقت کے بہت بڑے استاد فن تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ۵۰ تھی۔ اس فہرست میں سودا کا نام سب سے پہلے ہے۔ حاتم کے ستھرے اور منتخب کلام میں زبان بہت سادہ، دلکش اور موثر ہے۔ کلام عاشقانہ اور کہیں کہیں عارفانہ رنگ میں ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حاتم کے فیض طبع رواں کے چند نوادر یہ ہیں ؎

جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک — تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
آبِ حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا — مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
زندگی درد سر ہوئی حاتم — کب ملے گا مجھے پیا مرا
ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا

جانجاناں مظہر
۱۶۹۹ء تا ۱۷۸۱ء

جانجاناں اس دور کے بڑے معزز و محترم، صاحب وقار و فضیلت باکمال صاحب فن تھے زندگی میں روحانی سرمستی اور اعلیٰ درویشانہ شان تھی۔ طبیعت کا استغنا، صفائے قلب کا روشن آئینہ تھا، سارے تذکرہ نگار، بلند مرتبہ شاعر اور ارباب کمال ان کے روحانی اور ذہنی کمالات کے معترف ہیں۔ بڑے لطیف مزاج سنجیدہ طبیعت اور بڑے خوش تقریر تھے ان کی زندگی، عالم ہمہ افسانہ ما دارد، کی سچی مصداق تھی۔

شمس الدین جانجاناں نام مظہر تخلص تھا۔ والد، کا نام مرزا جان تھا جو عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے۔ سلسلہ نسب محمدؐ ابن حنفیہ سے ملتا ہے جو حضرت علیؓ کے بیٹے تھے ماں بیجاپور کے ایک شریف گھرانے سے تھیں، پردادا سے اکبر شاہ کی بیٹی منسوب ہوئی تھیں۔ ان رشتوں سے تیموری خاندان کے نواسے تھے۔ کالا باغ، علاقہ مالوہ میں ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) کو پیدا ہوئے۔ عالمگیر کو خبر ہوئی تو فرمایا پسر "جان پدر می باشد" اس کا نام ہم نے جان جاں رکھا۔ کثرت استعمال سے جانجاناں ہو گیا عین عنفوان شباب میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا طبیعت دینوی وجاہت کی طرف مائل نہ ہوئی شوق علم اور روحانی طلب نے ریاض و مشقت کی راہ دکھائی تیس برس مدرسوں اور خانقاہوں کی جاروب کشی کی۔ علم حدیث اور فقہ کی تحصیل کی نقش بندی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مشائخ سے روحانیت میں کسب کمال کیا۔ مرکز نگاہ عالم ہو گئے، ہر مذہب وملت کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں ان کے مرید ہو گئے۔

استغنا کی یہ شان تھی کہ کبھی کسی سے نذر نہ لی۔ ۱۲ محرم ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) کو ایک شخص کے قاتلانہ حملہ سے بہ شان طمانیت مومن شہادت حاصل کی، لوح مزار پر خود ان کا یہ شعر کندہ ہے۔

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

میدان شعر وسخن کے بڑے بامرتبہ صاحب دل شہسوار تھے تلامذہ میں انعام اللہ خاں یقین میر محمد باقر حزیں، احسن اللہ بیان اور بساون لال بیدار جیسے ارباب فن تھے۔

زبان و ادب کی تاریخ میں مظہر جانجاناں کا مرتبہ بہت بلند اور ان کی حیثیت بہت اہم ہے۔ انھوں نے اس دور کی مروجہ ایہام گوئی کے عیب سے زبان کو پاک کیا۔ زبان میں بڑی صفائی اور شستگی پیدا کی۔ فارسی کی نئی نئی اور خوبصورت ترکیبیں اردو شاعری میں داخل کیں۔ فکر وخیال کے معیار کو بلند کیا۔ مولانا محمد حسین آزاد ان کے متعلق آب حیات میں لکھتے ہیں" ۔۔۔ لطافت مزاج اور نزاکت طبع کا نتیجہ ہے کہ زبان کی طرف توجہ کی اور اسے ایسا تراشا کہ جو شعراء پہلے گزرے تھے۔ انھیں پیچھے ہی چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر دیا اور اہل زبان کو نیا نمونہ تلاش کر دیا جس سے پرانا رستہ ایہام گوئی کا زمین شعر سے مٹ گیا ان کے کلام میں مضامین عاشقانہ عجب تڑپ دکھاتے ہیں اور یہ مقام تعجب نہیں کیونکہ وہ قدرتی عاشق مزاج تھے ۔۔۔۔ اوروں کے کلام میں یہ مضامین خیالی ہیں ان کے اصل حال" مظہر جانجاناں نے شاعری کے میدان میں ایک نئی راہ دکھائی ایک نیا رنگ سخن قائم کیا جو آگے چل کر معجزانہ شان کے ساتھ ظاہر ہوا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ان کا ایک دیوان فارسی میں ہے۔ اردو میں بھی دیوان ہے مگر نا تمام رنگ شعر گوئی یہ ہے ؎

ہم نے کی ہے توبہ اور دھو میں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک
جی بہل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار
گر کل کو گل کہوں تو ترے رُو کو کیا کیا کہوں
بولوں نگہر کو تیغ تو ابرُو کو کمچا کہوں
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

دَور پر ایک نظر۔ معاصرین ولی کا دَور شمالی ہند میں اردو شاعری کا پہلا دور ہے۔ زبان سے دکنی اثرات زائل ہونے لگے۔ بھاشا کا اخراج شروع ہو گیا فارسی طرز پر اردو شعر گوئی کی روایتوں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے کام کا آغاز ہو گیا۔ ہندی دوہوں کے اثر سے اس دَور میں ایہام گوئی بہت مقبول تھی مظہر جانجاناں نے طرز ایہام گوئی کو ختم کیا اور فارسیت کی لطیف آمیزش سے کلام اور زبان کی شستگی کا معیار بلند کیا۔ شاہ حاتم نے اصلاح زبان کے خطوط روشن کئے۔ اس دَور کے خیالات میں عام طور پر سادگی اور فکر کا فطری انداز ہے۔ یہی سادگی تبدل اور فحش رنگ بھی اختیار کر لیتی ہے۔ منتخب اشعار میں تغزل کی ستھری کیفیت ملتی ہے۔ بعض اشعار خیال و بیان کی جیتی جاگتی سادگی کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔ غزل کے علاوہ دوسرے اصناف پر توجہ بہت کم ہوئی ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دورِ سودا و میر

سودا
متوفی ۱۷۸۰ء

کمال فن نے سودا کا شمار شعر و ادب کی زندہ جاوید شخصیتوں میں کیا ہے۔ وہ اس عظمت اور اس پایہ کے شاعر تھے کہ انھوں نے اردو شاعری کو اپنے زور کمال سے فارسی ادب کے دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا ــــ میر تقی میر جیسے باکمال فن نے جسے اہل ذوق، خدائے سخن کے لقب سے یاد کرتے ہیں، دل کھول کر سودا کی مدحت سرائی کی ہے ــــ فرماتے ہیں "سرآمد شعرائے ہندی، ادست، بسیار خوش گو است، چنانچہ ملک الشعرائی ریختہ اورا شاید"

مرزا محمد رفیع سودا کے والد مرزا محمد شفیع بہ سلسلۂ تجارت کابل سے ہندوستان آئے اور دہلی میں رہ پڑے۔ یہیں مرزا رفیع پیدا ہوئے اور تربیت و پرورش پائی، ذہانت، طبیعت کی جولانی اور فکر کی اپج بچپن سے نمایاں تھی، شعر گوئی کا شوق تھا۔ پہلے سلیمان قلی، داؤد اور پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ مشق سخن نے بہت جلد انھیں منصب استادی پر پہونچا دیا۔ ان کے کلام کی عام شہرت ہوگئی، علم و ادب کی دنیا ان کی گرویدہ ہوگئی۔ شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام انھیں اصلاح کے لیے دینے لگے اور دہلی جیسے مرکز فضل و کمال میں ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ دہلی کی روز افزوں ابتری نے انھیں وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پہلے فرخ آباد گئے اور نواب احمد خاں بنگش کے زیر سایہ زندگی کے چند سال بڑے اطمینان سے گذارے، نواب احمد خاں کے انتقال کے بعد فیض آباد چلے گئے والی اودھ شجاع الدولہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

نے بڑی آؤ بھگت کی اور تنخواہ مقرر کر دی، جب نواب آصف الدولہ اورنگ نشین ہوئے تو لکھنؤ اودھ کا پایۂ تخت بنا۔ سودا بھی لکھنؤ آئے۔ آصف الدولہ نے جن کی فیاضی کا عام شہرہ تھا، سودا کو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا اور وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ یہیں سفر آخرت کیا۔ اور آغا باقر کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔

سودا کی حیثیت شعر و ادب کی تاریخ میں بہت بلند ہے۔ انھوں کئی حیثیتوں سے اپنے لیے امتیاز خاص حاصل کر لیا ہے۔ کیا بہ اعتبار زبان و بیان اور کیا بہ لحاظ حسن و بلاغت شعری، ان کی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع اور مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ مشکل ہی کوئی دوسرا شاعر ان سے ٹکر لے سکتا ہے۔

فارسی سے اعلیٰ شاعرانہ معیار پر استفادہ کر کے سودا نے اردو شاعری کو جلوہ گاہ سرو سمن بنا دیا۔ کثرت سے فارسی الفاظ، استعارے، تشبیہیں، تلمیحیں، اور محاورے اردو زبان میں داخل کیے۔ اور اس مشاقی اور قدرت سے داخل کیے کہ حسن زبان بن گئے، زبان کا دائرہ بے انتہا وسیع ہو گیا اور اس کے اندر اعلیٰ معیار کی ادبی شان پیدا ہو گئی، سودا نے لحن شیراز کو سرود ہندی میں جس شان بلاغت کے ساتھ سمویا ہے وہ ان کا حیرت انگیز ادبی کارنامہ ہے۔ زبان کے سلسلے میں ان کے یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ و روایات کا بھی پاس کیا۔ ان کے کلام میں ہندی الفاظ مثلاً بھجبل، پربت رائی وغیرہ استعمال ہوئے اور جن کی بہادری اور کنہیا کے پریم نے بھی ان کے نگارخانہ تخیل میں جگہ پائی ہے ؎

محبت کے کروں بھجبل کی میں تعریف کیا یارو ستم پربت ہو تو اس کو اٹھا لیتا ہو جوں رائی
نہیں ہو گھر کوئی ایسا جہاں اس کو نہ دیکھا ہو کنہیا سے نہیں کچھ کم صنم میرا ہے ہر جائی
ترکش الینڈ سینہ عالم کا چھان مارا تیری نگہ نے ظالم ارجن کا بان مارا

کاش سودا زیادہ وسعت ذوق، انہماک اور گیرائی کے ساتھ ہندی الفاظ تراکیب، تمثیلات وغیرہ پر شاعرانہ تصرف کرتے تو اردو کو چار چاند لگ جاتے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سودا نے غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی ہجو نگاری غرض قریب قریب تمام اصناف سخن کی آبیاری کی اور ابر گہر بار کی شان فیض و عطا کے ساتھ کی۔ قصیدہ نگاری فارسی میں انوری، قاآنی اور عرفی جیسے زبردست تخیل رکھنے والے شاعروں کے ہاتھوں ترقی فن کی بڑی دشوار گذار منزلیں طے کر چکی تھی، ان شاعروں نے بڑی لطافتوں، نزاکتوں، دیدہ ریزی اور کاوش فکر سے معانی آفرینی کر کے قصیدہ کا بہت اونچا فنی معیار قائم کر دیا تھا۔ اردو میں سودا سے پہلے قصیدہ گوئی کا آغاز ہو چکا تھا۔ سودا نے زور تخیل کا مظاہرہ ایسی دلآویزیوں کے ساتھ کیا اور مبالغہ و معنی آفرینی میں وہ وہ کمال دکھائے کہ بعض بعض مقامات پر تو انھوں نے فارسی کے مشاقان فن سے بھی بازی جیت لی۔ سودا کی طبیعت میں عضب کی شگفتگی، گیرائی اور نکتہ آفرینی تھی، ان کی فکر طوفانوں کا زور اور سیلاب کی دھار کی لے کر اٹھتی اور نگاہ کے میدانوں اور خیال کی گزرگاہوں پر چھا جاتی۔ روانی سخن میں یہ عالم نمایاں ہو جاتا کہ ؎

کہتا ہو یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں　　بادل سے چلے آتے ہیں مضمون مرے آگے

سودا کے قصیدوں میں مناظر فطرت کی بڑی دلکش تصویریں ملتی ہیں۔ تصور مضامین کی تلاش میں بڑے پھیلاؤ کے ساتھ سرگرم عمل ہوتا ہے اور خود ان کی آفریدہ بہار کے مثل کہ ؎

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض　　ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل

ایک عالم پر چھایا جاتا ہے۔ وقت کی خوبی کہ فکر کی یہ جولانی بیجا مبالغہ آفرینی میں صرف ہو گئی اور اس سے اعلیٰ تر تخلیقی کام نہ لیا جا سکا۔ سودا کی قصیدہ گوئی نے عربی فارسی، ہندی اور روزمرہ کے ہزاروں الفاظ اردو شعر و ادب کو دیئے الفاظ کا یہ خزانہ، بیان کا یہ شکوہ و شوکت، خیال کی یہ معنی آفرینی "شاہنامہ ہند" کو دامن اردو کی زینت بنا سکتی تھی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہجو نگاری کے میدان میں سوداؔ کے اختراع فکر کے کمالات ذہن کی بہت بلند اپج اور نشتریت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ ہجو کو سوداؔ نے اردو شاعری میں ایک زبردست اور باقاعدہ فن بنادیا۔ ان کی ہجویات فاخر مکیں اور میر ضاحک وغیرہ کے دلوں کو بھی چھیدتی ہیں۔ اور زمانہ کی ستم رانیوں، اس دور کی دہلی کی تباہی، عمّال کے مظالم، خلق خدا کی بے کسی اور ذہنی انتشار کی تصویریں بھی کھینچتی ہیں۔ دہلی کے کوتوال کی فرعونیت کا بیان، ایک اعلیٰ معیار کا بامقصد ادبی طنز ہے۔ سوداؔ کی ہجو نگاری نے کیا کیا قہقہے، طبیعت کا سیلانی پن، ہنسوڑ بازی بھی فن کے ہاتھوں کیسا درد انگیز پیدا کرلیتی ہے، اور صاحب کمال ہنسی ہنسی میں زبان و بیان کے کیسے کیسے اعجاز دکھا دیتا ہے۔

سوداؔ نے مرثیہ میں بھی خوب جدّت طرازیاں کیں۔ مرثیہ کو نئی نئی شکلوں میں پیش کیا۔ مرثیے میں شعریت کے پہلو اور عنوانات پیدا کیے۔ کردار کے مرقعے دکھائے۔ مناظر کی تصویریں پیش کیں، جذبات نگاری کے بھی اچھے پہلو ابھارے۔ مرثیہ کا کمال انیسؔ کا زندہ جاوید شاہکار عظمت بن گیا ہے لیکن اس سے پہلے باکمالوں نے مرثیہ میں جو ترقیاں کیں وہ بھی ادبی تعریف و توصیف کی مستحق ہیں۔

سوداؔ جہان رنگ و بو کے آدمی تھے۔ طبیعت میں قیامت کی ظرافت اور شگفتگی تھی۔ تخیل شوخ اور پھیلاؤ کا دلدادہ تھا۔ لمعہ خورشید کی چھوٹ دیکھنے والی نگاہیں معمولی تارے کے ٹوٹنے کا منظر مشکل سے دیکھتی ہیں۔ دل کی گہرائیوں کے جذبات کی قیامت شور، ہنگاموں، ہمہموں، بجلی کے لپکوں اور بادلوں کی گرج میں نہیں ہوتی۔ تم چشم میں ہوتی ہے سانس کے بہ ظاہر بے معنی سے الجھاؤ میں ہوتی ہے میرؔ اس نگاہ اور اس رنگ کا آدمی تھا۔ تغزل کی دنیا میں خدائے سخن بن گیا۔ سوداؔ نے بندش کی چستی، بیان کی بلاغت، نزاکت خیال کی حسن آفرینی اور تشبیہ و استعارہ کی سحر طرازیوں سے غزل میں خوب خوب بہار طبیعت دکھائی اچھے اچھوں سے بہتر معیار پر غزل کہی لیکن وہ میرؔ کا "شیوہ گفتار" کہاں۔ یوں سوداؔ کی غزل کو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بڑے اونچے درجے کی چیز ہے۔ اس کے یہاں ایسے اشعار موجود ہیں جن میں فکر کی نگاہ تیز، درد کی چوٹ اور دل کا گداز ہے جس نے یہ اشعار کہہ دیے ہوں کہ ؎

بھلا گل تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ!
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

یقیناً غزل میں اس کی حیثیت بہت بڑے شاعر کی ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میر تقی میر

خدائے سخن میر تقی میر کا نام اردو غزل کی جاوداں زندگی کا ضامن ہے۔ دل کے نازک، الم انگیز، جان لیوا جذبات کی مصوری، جس مہارت فن کے ساتھ اس باکمال نے کی ہے وہ اردو شعر و ادب کا نہ مٹنے والا اعجاز ہے، جذبہ کی گہرائیوں میں ڈوب کر من کے موتی اچھال دینے والا ہر فن کار امر ہو جاتا ہے، میر عظمت و دوام کی راہ پر میر کارواں بنا نظر آتا ہے۔

میر محمد تقی نام اور میر تخلص تھا۔ ان کے والد کا صحیح نام معلوم نہیں، عرف علی متقی تھا۔ بڑے صاحب باطن اور درویش طبیعت انسان تھے، آخر عمر ترک دنیا کر کے اپنے وطن اکبرآباد (آگرہ) میں خانہ نشین ہو گئے۔ باپ نے میر تقی کو ابتدا ہی سے اپنے ڈھنگ پر لگایا۔ لذت دنیا سے بے نیاز اور عشق مولا میں سرمست و سرشار ہونے کی تعلیم دی۔ باپ کے رنگ تعلیم کو ان کے معتقد سید امان اللہ نے اور پختہ کر دیا۔ میر کے ذہن و فکر میں محبت کے کائنات گیر تصور نے ایک لذت بخش وجدانی حقیقت بن کر جگہ لے لی۔ تجربات زندگی کے ہاتھوں، یہ حقیقت مختلف پہلوؤں سے ابھری، چمکی، اور رنگ لائی۔ محبت کی ہمہ گیر کارفرمائی میر کے یہاں نور عقیدہ بن کر روشن ہے ؎

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو　　سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

دس برس کا سن تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑے بھائی نے برادران یوسف کی طبیعت پائی تھی مجبور ہو کر تلاش معاش میں نکلے دہلی میں ان کے رشتہ کے خالو نامور محقق و شاعر، خان آرزو نے اپنے یہاں ٹھہرایا۔ کچھ دنوں حصول تعلیم کا موقعہ ملا۔ خان آرزو بھی در پے آزار ہو گئے۔ زندگی وبال جان بن گئی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مصائب نے ذہن کا توازن بگاڑ دیا۔ جنون کی سی حالت ہوگئی۔ چاند میں ایک عجیب سی صورت نظر آنے لگی۔ طبیعت کی بے اطمینانی، ذہن کا انتشار، آئے دن کی محتاجی، دل برداشتہ ہوکر آگرہ لوٹ آئے لیکن غم کے مارے کو چین کہاں۔ امید نے پھر دہلی کھینچ بُلایا۔ زمانہ کے الم سہے، دہلی کی تباہیاں دیکھیں۔ صدیوں کی جمی جمائی محفل اُجڑ رہی تھی۔ جہاں شب و روز ہُن برستا تھا اب موت و تباہی کے بھوت منڈلا رہے تھے۔ دہلی والوں نے اور شاہ دہلی نے میر کی شاعرانہ عظمت کے سامنے سر جھکا دیا۔ بڑی تعظیم و تکریم کی۔ لیکن عام تباہی کے اس دور میں زمین دہلی پر یہ فراغت زندگی گزارنے کا سامان نہ ہوسکا۔ جب تک ہوسکا تحمل کیا۔ آخر کار ۱۷۸۳ء میں سینہ پر پتھر کی سل رکھ کر دہلی چھوڑی۔ لکھنؤ آئے۔ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا۔ بڑا اعزاز ہوا، وظیفہ مقرر ہوگیا لیکن محبت کی چوٹ اور دنیوی آفتوں کی تابڑ توڑ مار نے مدت ہوئی بیدل کرکے رکھ دیا تھا۔ دل کی کلی مرجھائی رہی۔ یہیں لکھنؤ میں ۱۸۱۰ء میں جہانِ فانی کو خیرباد کہا۔ اتنا بڑا باکمال اور آج کوئی یہ بتانے والا نہیں کہ قبر کون سی ہے ؎

طمع فاتحہ از خلق ندارم نیاز عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست

میر نے بڑی طویل عمر پائی۔ تھے بھی پُرگو۔ میر کی تصانیف کی تعداد کثیر ہے غزلوں کے چھ ضخیم دیوان کے علاوہ متعدد مثنویاں اور قصائد موجود ہیں۔ دیوانوں میں غزلوں کے علاوہ رباعیاں، مستزاد، واسوخت، مخمس، مسدس، ترجیع بند غرض کہ مختلف اصنافِ سخن موجود ہیں۔ ایک فارسی کا دیوان بھی ہے۔ میر صاحب کو واسوخت کا موجد تسلیم کیا گیا ہے۔ اُردو نظم میں اُن کی کچھ ایجادات اور بھی ہیں، ان سے ان کی مشاقی سخن اور ہمہ گیر اندازِ شعر گوئی کا ثبوت ملتا ہے لیکن میر کی حقیقی عظمت اور شہرت کی بنیاد نہ ان ایجاد پر ہے اور نہ قصیدہ گوئی وغیرہ پر۔ بے شک اُن کی مثنویوں میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

وارداتِ دل کا اچھا بیان ہے۔ محبت کی کیفیتوں کی بہت مؤثر مصوری ہے۔ اُنھوں نے اپنی مثنویوں میں اپنے بعض مصائبِ زندگی کو بڑی واقعیت پسندی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ میر اپنے وجود اور اپنے جذبات میں ڈوبے ہوئے انسان تھے۔ خارجی دنیا سے اُن کا لگاؤ کبھی لذت و انبساط کے عنوان سے قائم نہ ہو سکا۔ یہ دنیا اُن کے دائرۂ فکر میں کبھی موجِ طبیعت بن کر نہ اُبھر سکی۔ اُن کا تصور اور قوتِ شعر گوئی ہمیشہ آپ بیتی پر صرف ہوتی رہی۔ اس لئے اُن کی مثنوی نگاری میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ خارجی زندگی کے مناظر قریب قریب ناپید ہیں۔ میر کی جگ بیتی میں بھی آپ بیتی ہے کہ پڑھا نغمہ سرائے الم ہے[1]

میر کا حقیقی کمال شاعری غزل میں ظاہر ہوا ہے۔ وہ ایک خود دار، حساس طبیعت، اپنے تجربات میں کھوئے ہوئے انسان تھے۔ تصوف کی تعلیم نے اس رنگِ طبیعت

---

[1] میر آپ بیتی میں لکھتے ہیں: "دنیا عجب حادثہ گاہ ہے۔ کیسے کیسے مکان خراب ہو گئے اور کیسے کیسے جوان مر گئے۔ کیسے باغ تھے کہ ویران ہو گئے اور کیا محفلیں تھیں جو افسانہ ہو گئیں۔ کیسے کیسے پھول کمھلا گئے۔ کیا کیا لوگ گذر گئے۔ کیسی مجلسیں اکھڑ گئیں۔ کیسے کیسے قافلے کوچ کر گئے۔ عزیزوں نے کیا کیا خرابیاں دیکھیں اور کیسے کیسے انسان جانوں کی بازی ہار گئے۔ ان عبرت بیں نگاہوں نے کیا کیا دیکھا اور ان سننے والے کانوں نے کیا کیا سُن لیا۔

ہر کاسۂ سر زافسرے می گوید — ہر کنہ خرابہ ز ورے می گوید
دنیا ست فسانہ، پارۂ ما گفتیم — واں پارہ کہ ماند دیگرے می گوید

اس تھوڑی سی مدت میں اس ایک قطرۂ خوں نے جسے دل کہتے ہیں طرح طرح کے ستم جھیلے اور تمام خون ہو گیا۔"

ذکرِ میر صفحہ ۱۹۱
(اردو ترجمہ)

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

گو اور چمکایا۔ زمانہ کے حوادث نے اس کو نازک تر بنایا اور محبت کی ناکامی نے خستگی، غمگینی اور دردمندی کے پہلوؤں کو اُن کے دل و دماغ پر اس انداز سے کارفرما اور مستولی کر دیا کہ اُن کے جہانِ شاعری میں جاوداں درد و کرب کا جادو جاگ اُٹھا۔ نغمۂ میر کی عظمت کا راز یہ ہے کہ اُن کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی پکار، سینۂ بریاں کا نالۂ خونچکاں، نشتر زدہ ذہن کی نوائے احتجاج، خن کے انتہائی فطری بے ساختہ اور شدید عمل کے ساتھ قالبِ شعر میں ڈھلی ہیں۔ وہ دل کی دھڑکنوں کو شعری ترنم کی لہروں میں اس کمال بے ساختگی کے ساتھ سمو دیتا ہے کہ اُس کا نغمہ بہارین کے چاند کی کرن کی طرح دل میں رچی بسی اُتر جاتا ہے۔ کتنی لطیف، کتنی نازک کاٹ لیکن کیسا جان لیوا اثر۔ یہی ہے فن کا وہ اعجاز جس پر وجدانِ سلیم نے ہمیشہ سر دھنا ہے اور ہمیشہ سر دھنتا رہے گا۔

میر کے بہترین اشعار غزل میں جنھیں میر کے نشتر کہا جاتا ہے، بالکل سچے جذبات اور محبت کے حقیقی تجربات ہیں۔ ان کی نشتریت، زبان و بیان کے حقیقی فطری اسلوب کی رعنائیوں اور شانِ اثر کو چمکاتی ہوئی ظاہر ہوئی ہے۔ سادہ، نرم، میٹھے الفاظ، طرزِ نگارش یہ کہ جیسے کوئی سامنے کی بات کہہ رہا ہو، تلاشِ معنی کے لئے خیال کو نہ بڑی پرواز کی ضرورت ہے، نہ بڑی کاوش کی حاجت۔ دل کی بات دل کی زبان میں جدتِ اعجاز سادہ، بجذبِ حیرت مؤثر ہے۔

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا — حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
سرھانے میر کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

میر کے یہاں اعلیٰ کمالاتِ فن کی بڑی فطری نمود ہے۔ جذبہ کی فطرت اور روح شعر، لفظوں اور اسلوبِ بیان کے انتخاب میں صاف پڑی جھلکتی ہے۔ جذبہ کا بچاؤ، رکاؤ کا انداز، اضطراب، بیتابی، اشعار کے صوتی ترنم میں وہ داد حاصل کر لیتے ہیں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھئے کیا ہو کیا نہیں — تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

پتہ پتہ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے — جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

جذبہ کا جلال یہ ہیبت ناک منظر پیش نگاہ کر دیتا ہے کہ ؎

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے — میں دریا دریا روتا ہوں صحرا صحرا وحشت ہے

میر کے تغزل کی لطافت، بلندی، فن اور اثر آفرینی اُردو شاعری کے معرکہ آرا ادبی فتوحات میں ہیں ؎

برسوں لگی ہوئی ہیں جب نہر دمہ کی آنکھیں
تب ہم سا کوئی صاحب، صاحب نظر ہوئے ہے

خواجہ میر درد (متوفی ۱۷۸۵ء)

اُردو کے صوفی شعرا میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت خواجہ میر درد کو حاصل ہے اُن کے بلند، پاکیزہ روحانی ذوق نے اُردو غزل کو نکھارتے، سنوارنے اور سچے مذاق محبت سے بہرہ ور کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔ سید خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ اُن کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب اچھے مرتبہ کے روحانی بزرگ اور فارسی کے خوش مذاق شاعر تھے۔ درد دہلی میں پیدا ہوئے اور والد کے آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ درد تعلیم و تربیت نے تصوف و روحانیت کو طبیعت کا مذاق اور نگاہ دل کا نور بنا دیا بائیس برس کے سن میں دنیا سے منہ موڑ کر والد کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دہلی پر آئے دن تباہیاں آرہی تھیں۔ مصائب سے گھبرا گھبرا کر اکثر امرا شرفا اور اہل کمال گھر بار دہلی چھوڑ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں جا بسے۔ اس مرد باخدا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے توکل کا یہ عالم تھا کہ پائے استقلال کو جنبش نہ آئی۔ اپنے سجادۂ درویشی پر بہ شانِ اطمینان جمے بیٹھے رہے اور یہیں اڑسٹھ برس کے سن میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

قدرت نے طبیعت میں علم و ادب کا بڑا شائستہ، بلند اور نکھرا ہوا مذاق و دیعت کیا تھا۔ ادب اور تصوف کے علاوہ موسیقی میں یہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ بڑے بڑے باکمال گویئے اپنی اپنی چیزیں بنظرِ اصلاح لاکر سنایا کرتے تھے۔ فارسی نثر میں کئی رسالے اور کتابیں اُن کے قلم سے نکلیں۔ فارسی دیوان بھی موجود ہے۔ اردو دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن بقول میر حسن مثلِ کلامِ حافظ سراپا انتخاب ہے۔

خواجہ میر دردؔ کی زندگی عبادت و ریاضت اور سچی خدا پرستی اور للّٰہیت سے معمور تھی۔ اُن کا کلام، اُن کی طبیعت اور رنگِ مزاج کا شفاف آئینہ ہے۔ اُنھوں نے نہ کسی کی شان میں قصیدہ کہا، نہ کسی کی ہجو لکھی اور نہ کوئی عشقیہ مثنوی صرف غزلیں کہیں جن میں پاکیزگی رُوح اور عشقِ الٰہی کی جلوہ گری ہے۔ خیالات میں بلندی، نفاست اور تصوف کی چاشنی ہے۔ زبان بہت صاف، نرم اور دُھلی ہوئی ہے۔ چھوٹی بحروں میں اُن کی غزل گوئی کا کمال، طبیعت کے گہرے رچاؤ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ دردؔ کے کلام کی شستگی اور تاثیر پر آزادؔ نے آبِ حیات میں بہت مختصر مگر نہایت لطیف اور جامع تبصرہ ایک فقرہ میں کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں "تلواروں کی آبداری نشتروں میں بھری ہے"۔ امیر مینائی کا یہ قول کہ "کلام کیا ہے پسی ہوئی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں" دردؔ کے فن کی پاکیزگی اور بلندی پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے۔

فارسی اور اُردو دیوان کے علاوہ خواجہ صاحب نے تصوف اور روحانیت کے مسائل پر کئی رسالے تصنیف کئے۔ یہ رسائل فارسی میں ہیں اور اُن سے اُن کی علمیت اور ادبی مشاقی کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سوز (۱۷۲۰ء تا ۱۷۹۸ء)

سید محمد میر نام، سوز تخلص، میر غیاث الدین کے بیٹے اور قطب عالم گجراتی کی اولاد میں تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ بڑے ذہین، باحوصلہ اور دلیر طبیعت تھے۔ فنون سپہ گری میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ خوشنویسی میں بھی اچھا کمال حاصل کیا تھا۔ دہلی کی تباہیوں نے انھیں بھی وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ گردش تقدیر نے انھیں خوب پھرایا۔ پہلے فرخ آباد گئے مگر زیادہ دنوں ٹھہر نہ سکے۔ سفر اول میں لکھنؤ بھی راس نہ آیا۔ مرشد آباد چلے گئے۔ وہاں بھی قسمت نے یاوری نہ کی۔ دوبارہ لکھنؤ آئے۔ اب کی تقدیر چمکی، بڑی قدر و عزت ہوئی۔ نواب آصف الدولہ شاگرد ہو گئے لیکن زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ موت نے زندگی کی بساط الٹ دی۔

سوز کے دیوان میں غزلوں کے علاوہ مثنوی، رباعیاں اور مخمس بھی ہیں۔ ان کے کلام کا سب سے نمایاں وصف زبان کی سادگی، صفائی اور فطری بے تکلفی ہے۔ ان کے یہاں فارسی الفاظ اور ترکیبوں کی بھرمار نہیں ہے۔ سیدھے سادے ہندی لفظ بیساختگی سے باندھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ باتیں کر رہے ہیں۔ محاورے اس خوبی سے صرف کرتے ہیں کہ بے اختیار شعر میں دلآویزی کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ سوز کا انداز شعر گوئی، غزل سے فطری مناسبت رکھتا ہے۔ آزاد کی رائے بہت سچی تلی ہے۔ "میر سوز کی زبان عجب میٹھی زبان ہے اور حقیقت میں غزل کی جان ہے۔ ان کی انشا پردازی کا حسن تکلف اور صنائع مصنوعی سے بالکل پاک ہے۔ نمونۂ کلام

اور تو بس نہیں چلتا ہے رقیبوں کا مگر — سوز کے نام کو لکھ لکھ کے جلا دیتے ہیں

کہتا نہ تھا میں اے دل اس کام سے تو باز آ — دیکھا ہزار تو نے نادان عاشقی کا

کعبہ ہی کا قصد یہ گمراہ کرے گا — جو تم سے بُتو ہوگا سو اللہ کرے گا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تڑپتی کیوں ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر کہ تیرا اشک جس جاگہ پڑے گلزار پیدا ہو

میر حسن (متوفی ۱۷۸۶ء)

میر حسن کا شمار اُردو کے چوٹی کے شاعروں میں کیا جاتا ہے۔ ان کی مثنوی سحر البیان، شعر و ادب کی تاریخ میں زندۂ جاوید نام حاصل کر چکی ہے۔ اُن کا نام میر غلام حسن اور تخلص حسن تھا۔ میر حسن کے نام سے مشہور ہوئے۔ میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے تھے۔ ذوقِ شعر و ادب، خاندان سے ذہنی ورثہ میں ملا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کے سن میں والد کے ساتھ فیض آباد آئے۔ کچھ دنوں بعد لکھنؤ منتقل ہو آئے۔ یہیں ساری عمر گزار دی۔ جیسا کہ خود لکھا ہے کہ میر ضیاء الدین ضیا کے شاگرد تھے۔ لیکن اُن کی روش نبھ نہ سکی۔ طبیعت کی مناسبت سے مشقِ سخن میر درد، مرزا سودا اور میر تقی میر کے رنگ میں کی۔

تصانیف میں دیوان کے علاوہ گیارہ مثنویاں، قصائد، مرثیے اور اُردو شعراء کا فارسی زبان میں ایک تذکرہ ہے۔ قصائد میں حسن کو کوئی شانِ امتیاز نہ حاصل ہو سکی۔ اُن کا معیارِ غزل گوئی ستھرا، لطیف اور بلند ہے۔ تصوف کی چاشنی، زبان و بیان کی سادگی اور نگاہِ حُسن آشنا کے اثر نے کلام کو دلآویز اور مؤثر بنا دیا ہے۔ اُن کے منتخب اشعارِ غزل میں جذبہ کی فطری تڑپ اور جوہرِ طبیعت کی حقیقی نمود ہے ؎

نہ رُکتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو ! حسن تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

اُس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہے کچھ اپنا

نغمۂ عشق سے ہیں سینہ و زنار ملے ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

کیا جانے اُس کے جی پر کیا کچھ خیال گزرا کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا

اظہارِ خموشی میں سو طرح کی فریاد ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حسن کے اعلیٰ ترین کمالِ شعر گوئی کا اظہار مثنوی کے میدان میں ہوا ہے یوں تو اُن کی دوسری مثنویاں بھی لطف و لذت سے بہرہ ور ہیں لیکن اس صنف میں اُن کی بہترین تصنیف مثنوی "سحر البیان" ہے جو ادب کا ایک لافانی شاہکار ہے۔ تمام پرانے تذکرہ نویس اور دورِ حاضر کے نقاد اس مثنوی کی سحر بیانی، زبردست شاعرانہ کمالات اور اعجاز فن کے معترف ہیں۔ حسن نے بدر منیر اور بے نظیر کی داستانِ محبت بڑی میٹھی، رسیلی اور جادو اثر زبان میں سُنائی ہے۔ کرداروں میں زندگی کی مستیاں، شانِ نمود اور رعنائی ہے۔ جذبات کی تصویر کشی کا یہ عالم ہے کہ احساس دل کی نزاکتیں پیکرِ شعر میں کھنچ آئی ہیں۔ مناظرِ فطرت کی رنگینیاں، معاشرت و تمدن کی بولتی ہوئی تصویریں، بیان کا زبردست تسلسل اور روانی، زبان کی یہ حیرت انگیز سادگی کہ قیدِ زماں سے بلند ہو کر ایہ لذتِ ابد بن جائے۔ حسن کی مثنوی اُردو نظم کا آئینۂ کمال ہے۔

قائم چاندپوری (متوفی مابین ۱۷۸۷ء و ۱۷۹۵ء)

قیام الدین نام، قائم تخلص، چاندپور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزرا۔ دہلی کی تباہیوں نے اُنھیں بھی ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ زندگی کا آخری زمانہ رامپور میں گزرا اور وہیں انتقال کیا۔ کلام پہلے خواجہ میر درد کو دکھاتے تھے، بعد میں سودا کے شاگرد ہو گئے۔ مشق و ریاض نے رنگِ کلام کو یوں جلادی کہ ہم رنگ سودا ہو گیا۔ اُن کی فکر میں بڑی قوت اور اسلوب میں بڑی دلکشی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اُن کے کمالِ شعر گوئی کو سودا کے ہم مرتبہ قرار دیا ہے۔ قائم نے غزلوں کے علاوہ قصائد اور عشقیہ مثنویاں بھی کہی ہیں۔ فارسی زبان میں اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ بھی اُن کی یادگار ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

نمونۂ کلام ؎

معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا کون
پیامبر کے ہمیں ساتھ آپ جانا تھا

مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار میں بیمار بہت

محفل وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

انعام اللہ خاں یقینؔ (متوفی ۱۷۵۰ء)

انعام اللہ خاں یقینؔ اس دور کے بڑے خوش مذاق شاعر تھے۔ مرزا جانجاناں مظہرؔ سے تلمذ حاصل تھا۔ عین عالم شباب تھا کہ پچیس برس کے سن میں جہان فانی سے منھ موڑ لیا۔ یقینؔ کے تخئیل میں بلا کی جدت طرازی اور کلام میں پختگی ہے۔ یقینؔ کو شعر گوئی کا اعلیٰ جوہر ملا تھا۔ اُن کی زبان بہت صاف و شستہ ہے۔ متروک الفاظ کا اُن کے یہاں بمشکل گزر ہوتا ہے۔ مشاقی فن سے کلام میں خوب خوب دلآویزیاں پیدا کرتے ہیں۔ طبیعت کی شوخی اور شگفتگی سے رنگ بیان نکھرتا ہے اور فکر کے لطیف عمل سے حسن طبیعت کی دلکش نمود ہوتی ہے۔ کم عمر شاعر کی مشاقی اور پختگی فن نے یہ شبہہ پیدا کر دیا کہ یہ کلام اُن کا نہیں مظہر جانجاناں کا ہے۔ لیکن مستند تذکرہ نگاروں نے اس کی تردید کی ہے۔ نمونۂ کلام ؎

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو
یقینؔ کہتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر

یقینؔ مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

کعبہ سے ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس ورد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دورِ انشاء و مصحفی

میر انشاء اللہ خاں انشاء
متوفی ۱۸۱۷ء

اُردو زبان و ادب کے اربابِ فضل و کمال میں انشاء کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ولادت مرشد آباد میں ہوئی۔ اُن کے والد میر ماشاء اللہ خاں نے اُن کی تربیت علمی ڈھنگ پر کی۔ انشاء کی طبیعت میں شوقِ علم، ذہانت کا مادہ اور اختراع و ایجاد کا حوصلہ فطری اور اس قدر وافر تھا کہ مناسب تربیت سے بہ شانِ کمال چمک اُٹھا۔ خداداد ذہانت نے شاہراہِ کمال کی نشاندہی کی اور داغ کے جوہر کھلنے لگے۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ کبھی کبھی والد سے اصلاح لے لیتے۔ زیادہ تر اپنے مذاقِ شعری پر اعتماد کرتے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں مرشد آباد چھوڑ دہلی آئے۔ شاہِ وقت، شاہِ شطرنج سے زیادہ باحیثیت نہ رہ گئے تھے۔ بے دست و پا، دوسروں کے زیرِ سایہ، خزانہ خالی، بقول آزاد اُس وقت دلی کا دربار ایک لوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اُس کے شاہ عالم بادشاہ تھے۔ اہلِ دہلی نے انشاء کی بڑی قدر و منزلت کی، دربار میں رسائی ہوئی، خوبیِ ذہانت اس بانکپن اور جوہرداری کے ساتھ ہوئی کہ دربار میں اُن کا طوطی بولنے لگا۔ زورِ طبیعت، شگفتہ دلی، شوخیِ مزاج اور ذوقِ لطافت آفرینی نے اُنھیں شمعِ انجمن بنا دیا لیکن دہلی میں خالی عزت ہی عزت تھی۔ بقدرِ طلب و ضرورت وسیلۂ آمدنی کہاں۔ ناچار انشاء نے بھی دلی چھوڑ دی۔ لکھنؤ آئے۔ مرزا سلیمان شکوہ کے دربار نے بڑے اعزاز و وقار کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ سلیمان شکوہ جو پہلے مصحفی کے شاگرد تھے انشاء سے اصلاحِ سخن لینے لگے۔ خوب رنگ جما۔ طلبِ عیش نے انشاء کے حوصلے فراخ تر کر دیئے۔ دھیرے دھیرے نواب سعادت علی خاں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے دربار میں رسائی ہوئی۔ فکر کی جولانی جو آسمان سے تارے توڑ لاتی تھی، دربار اودھ کی رونق بن گئی۔ والی اودھ کی صحبت میں ساری ذہانت دربارِ عیش کی نذر ہو گئی۔ انشا خوب ہنسیے، اہلِ دربار کو خوب ہنسایا۔ نئے یہاں تک بڑھی کہ قہقہوں کے سترنگی پیالوں سے سیل گریہ اُبل پڑا۔ وفورِ لطف و مزاح میں نواب سے شکر رنجی ہو گئی۔ عیش، فارغ البالی، لطف و مزاح سب رخصت ہو گیا اور بہ حال شگفتگی کے پھول برسانے والا انشا بادِ بہاری سے یہ جانکاہ شکوہ کرتے ہوئے کہ ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

راہی ملکِ فنا ہو گیا۔

انشا ترے شاعری نہیں تھے، بڑے پایہ کے عالم بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کی ذہنی اپج رکھتے تھے۔ کئی زبانیں جانتے تھے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے جو سات زبانوں میں ہے۔ ان کی مشہور نثری تصنیف "دریائے لطافت" اُردو قواعد کی پہلی کتاب ہے اور اس سے اُن کے کمالِ زباندانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک افسانوی طرز کی کتاب "رانی کیتکی کی کہانی" لکھی۔ اس قید کے ساتھ کہ کوئی عربی و فارسی کا لفظ نہ آنے پائے قدرتِ فن اور مشاقیِ کلام کا اظہار خوب خوب کیا ہے اور بڑے نرالے اندازوں سے کیا ہے۔ ایک مثنوی بے نقط لکھ ڈالی جس کی سُرخیاں بھی بے نقط ہیں۔ اُردو کو ہندی رنگ دینے کی طرف مائل ہوئے تو اُس میں بھی خوب خوب جدت طرازیاں کیں۔ بعض اصنافِ سخن کے نام ہندی رکھے مثلاً مثلث کو ٹکڑا اور رباعی کو چوکڑا کہا۔ اسی طرح بحروں میں مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن کی جگہ پری خانم پری خانم، پری خانم، پری خانم اور فاعلن، فاعلن، فاعلن، فاعلن کی جگہ چت لگن چت لگن، چت لگن، چت لگن کو رائج کیا۔ عربی و فارسی و ترکی کے ساتھ ساتھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہندی زبانوں مثلاً بھاشا، پنجابی، مرہٹی وغیرہ پر بھی قدرت تھی۔ ذوق اختراع کا
عالم تھا کہ جس راہ میں قدم ڈال دیتے، میر کارواں بن کر چلتے۔ الفاظ کا بڑا زبردست
خزانہ ذہن کے سامنے موجود رہتا۔ نگاہ عالم مشاہدات کی لطافتوں میں پیر جاتی اور فکر جب
نئی جولانی پر آتی تو سینۂ انجم کی دھڑکنوں کو خیالات میں سمو دیتی۔ انشاء کا علم زباندانی
اور ادبی کمال آفرینیاں اس مرتبہ کی تھیں کہ اگر زمانہ موافق ہوتا اور طبیعت سنجیدہ ادبی
تخلیق کے کام میں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مصروف ہو جاتی تو اُردو ادب کا
صحیح ہندی مزاج بن جاتا اور شاندار ادبی روایات کے ساتھ بن جاتا۔ صلاحیتوں کے
اعتبار سے انشاء اس کام کے لئے سودا اور نظیر اکبر آبادی دونوں سے زیادہ بہتر اور
موزوں تھے۔ ادب کی بدنصیبی کہ انشاء اپنی قیمت کمال نہ پہچان سکے اور من کی موج میں
وہ متاعِ گرانمایہ قہقہوں کو دے بیٹھے جو فضائے ادب میں چاند تاروں کا نور بن کر
چمک سکتی تھی۔

انشاء بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور خوب
خوب کمالِ طبیعت دکھایا ہے۔ ہندی کے نرم شیریں الفاظ کو بڑی آزادی سے برتا ہے۔
ماحول کی نشاط پسندی انشاء کے یہاں صاف پڑی جھلکتی ہے۔ شوخی، ظرافت، ہجو،
طبیعت کے رنگین یا سنگین کی خوب خوب جلوہ آمائی ہے۔ کلامِ انشاء پر آزاد کی رائے
بہت جامع اور بھرپور ہے۔ فرماتے ہیں۔ "غزلوں کا دیوان عجیب طلسمات کا عالم ہے۔
بیان پر قدرت کامل، بیان کا لطف، محاورہ دانی کی تمکینی، ترکیبوں کی خوشنما تراشیں
دیکھنے کے قابل ہیں۔ مگر یہ عالم ہے کہ ابھی کچھ ہیں ابھی کچھ ہیں۔ جو غزلیں یا غزلوں کے
اشعار یا اُصول ہو گئے وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں اور جہاں طبیعت اور طرف جا پڑی
وہاں ٹھکانہ نہیں۔"

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مصحفی

(سنہ ۱۷۵۰ء تا سنہ ۱۸۲۴ء)

مصحفی کا شمار باوقار اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔ اُن کا نام غلام ہمدانی اور تخلص مصحفی تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے شباب میں وطن چھوڑ کر دہلی آئے جہاں بڑے ذوق و شوق اور ریاض و محنت سے تکمیل علوم کی۔ شعر گوئی اُس زمانہ میں شرفا اور اہلِ علم کا خاص مشغلہ تھی مصحفی نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور بہت جلد شہرت حاصل کرلی۔ اپنے مکان پر بھی محفلِ مشاعرہ کرتے جس میں تمام معزز شعرا شرکت کرتے تھے۔ تنگ دستی و پریشاں حالی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُنھوں نے بھی دہلی چھوڑی۔ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنؤ آگئے۔ شایانِ مرتبہ نہ سہی، بہرحال مدارات ہوئی۔ مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دینے لگے۔ اور اُن کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ سید انشا، کی آمد لکھنؤ کے بعد اُن کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ وقار کے ساتھ ساتھ تنخواہ بھی کم ہوئی۔ مصحفی صاحبِ فن اُستاد تھا۔ صدمہ نے دل توڑ دیا۔ انشا، سے ایک نزاع کی صورت قائم ہوگئی جس نے آگے چل کر بہت گھناؤنا رنگ اختیار کیا متین و سنجیدہ طبیعت مصحفی کو آبرو بچانا مشکل ہو گئی۔ انشا، اور مصحفی کے شاگردوں نے خوب خوب مذاق و تمسخر کے ہنگامے گرم کئے جو بعض اوقات اس قدر فحش ہو گئے کہ شرافت اور ادب کی آنکھیں جھپک گئیں۔

مصحفی اپنے دَور کے بڑے معزز، بامرتبہ، صاحبِ فن اُستاد تھے۔ بہت زود گو اور بہت پُرگو تھے۔ مشاعروں کے لئے بکثرت غزلیں کہہ رکھتے، اور وقت آنے پر بیچ ڈالتے تھے۔ اس زود گوئی اور پُرگوئی نے اُن کے فن کو بہت نقصان پہنچایا۔ سچے معیاری ادب کی تخلیق کے لئے جس محویت، عالم خود رفتگی اور ذہن کے سطحِ عام سے بلند، باوقار مسلسل عمل کی ضرورت ہے وہ زود گوئی اور پُرگوئی کی رو میں بمشکل

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حاصل ہو سکتا ہے اسی زود گوئی اور پُرگوئی نے مصحفی کے کلام میں ناہمواری پیدا کر دی ہے۔ مصحفی نے مختلف اُستادوں کے رنگ میں شعر کہے اور قدرتِ فن کے کمالات دکھائے۔ سودا کی شوکتِ بیان، میر کا درد و گداز، سوز کی سادگی و پُرکاری فغاں کی رنگینی، مصحفی کے کلام میں جلوہ ہزار رنگ ہے۔ لیکن اس بہارِ نیرنگی میں اُن کا اپنا خاص رنگِ طبیعت بھی صاف نُمایاں ہے۔ ایک فاضلِ عصر نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ان کی امتیازی خصوصیت "نشاطِ شباب" اور "رنگ روپ" کو نہایت پُرکیف اور رنگین طریقے سے بیان کر دینا ہے۔ اُن کے قصائد مہارتِ فن کا اچھا نمونہ ہیں۔ زورِ تخیل، دقتِ فکر، لطیف تراکیب، شاندار الفاظ قصیدہ نگاری کے اکثر عناصر سے اُن کے قصائد بہرہ ور ہیں لیکن سودا کا جوش و خروش اور جولانیِ فکر کی فطری بے ساختہ اور ہمہ گیر نمود ناپید ہے۔ اُن کی ایک مثنوی بھی ہے: "بحر المحبت" میر کی مشہور مثنوی "دریائے عشق" کے رنگ میں بلکہ اُس کی نقل۔ مصحفی کی استادانہ حیثیت اور مشاقیِ فن بالکل مُسلّم ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُن کا معیارِ شعر گوئی سودا، میر، اور میر درد سے فروتر ہے۔

مصحفی نے اصلاحِ زبان کی طرف بھی توجہ کی۔ بہت سے ثقیل اور ناہموار الفاظ کو نکال ڈالا، زبان کو لطیف تر اور پاکیزہ تر بنانے کی کوشش کی، مقامی اور ملکی الفاظ بھی رائج کئے اور ملکی خصوصیتوں سے مضمون آفرینی بھی کی۔ قواعدِ نظم کی اُنھوں نے سختی سے پابندی کی۔ شترگربہ کے عیب سے جو میر و سودا ایسے استادوں کے یہاں بھی پایا جاتا ہے اُن کا کلام پاک ہے۔

مصحفی کی تصانیف میں فارسی دیوان اور اُردو کی مثنوی "بحر المحبت" کے علاوہ اُردو کے آٹھ دیوان، ایک تذکرہ فارسی شعرا کا اور ایک تذکرہ اُردو شاعروں کا ہے۔ دیوانوں میں ہزار ہا غزلیں، قطعے، قصائد وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ مصحفی کی شاعرانہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حیثیت اور مرتبۂ فن کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کی کثیر تعداد تلامذہ میں آتش، میر خلیق، ضمیر اور اسیر جیسے اساتذۂ فن بھی شامل نظر آتے ہیں

شیخ قلندر بخش جرأت

(متوفی ۱۸۱۰ء)

جرأت دہلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد حافظ امان دربارِ شاہی میں دربانی کی خدمت رکھتے تھے۔ اور لوگوں کی طرح جرأت کا کنبہ بھی دہلی چھوڑ فیض آباد آبسا۔ یہیں جرأت کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ بہت کمسنی میں آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ طبیعت میں ابتدا سے چلبلا پن اور نشاط پسندی تھی۔ موسیقی سے دلچسپی ہوئی اور شعر و شاعری سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔ بڑے خوش مزاج، یار باش، زندہ دل آدمی تھے۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں اچھی شہرت تھی۔ لکھنؤ اُس زمانہ میں آئے جب انشا اور مصحفی کے معرکوں نے عامیانہ لطف و نشاط کا ایک ہنگامہ پیدا کر رکھا تھا۔ انشا سے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔ سلیمان شکوہ کے دربار میں رسائی ہو گئی۔ دربار کے عیش بدور ماحول میں اُن کی طبیعت نے خوب خوب رنگ دکھائے۔

جرأت کے دیوان میں غزلوں کے علاوہ رباعیاں، مخمس، مستزاد، واسوخت، ہجویں اور تاریخیں بھی ہیں جس سے اُن کی مشاقی فن کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اُن کی زبان بہت صاف اور شگفتہ ہے اور کلام میں ایسی سادگی اور مزہ ہے جو عام لوگوں کو بہت مرغوب ہے۔ جرأت نے رندانہ لذت طلبی، جوش ہوس رانی اور سطحی خواہشات کی بڑے رچاؤ اور رسیلے پن کے ساتھ ترجمانی کی ہے۔ معاملہ بندی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ان کی غزل گوئی کا سب سے نمایاں وصف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرأت کے یہاں ایک تعیش پرست ماحول کی بہت سچی اور جیتی جاگتی تصویر ملتی ہے۔ ان کی طلب داد پر میر تقی میر کا یہ فرما دینا۔ "تم شعر کہنا کیا جانو۔ اپنے چوما چاٹی کیا کرد" اُن کے رنگِ مزاج اور رنگِ سخن دونوں کو آئینہ کر دیتا ہے۔ جرأت کے رنگِ سخن کو اچھی عوامی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی مقبولیت نے اُن کا انفرادی امتیاز قائم کر دیا۔

خواجہ میر اثر دہلوی

سید محمد میر نام، اثر تخلص تھا۔ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے۔ پرورش و تربیت تصوف و روحانیت کے ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ تعلیم نے فطری ذہانت کو چار چاند لگا دیئے۔ تصوف، موسیقی، حساب اور دیگر فنونِ ریاضیہ میں وہ کمال پیدا کر لیا کہ اُن کا جواب نہ تھا۔ بڑے بھائی کے گرویدہ تھے۔ اُنھیں کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ اُن کی رحلت کے بعد اثر آبائی سجادہ پر بیٹھے۔ بے لوث خدا پرستی، استغنا، صبر و توکل میں اپنے بزرگوں کی طرح امتیاز حاصل کر لیا۔

اثر شاعری میں بھی اپنے بڑے بھائی خواجہ میر درد کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ کلام میں سادگی، صفائی، نفاست اور پاکیزگی ہے، حسنِ حقیقت کی جلوہ آرائی ہے۔ گداز دل اور عاشقانہ گمشدگی ہے۔ وارداتِ دل کا اس طرح بیان ہے جیسے کوئی باتیں کر رہا ہو۔ زبان عام طور پر نرم، شیریں اور لطیف ہے۔ کہیں کہیں ثقیل الفاظ بھی مل جاتے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دیوان کے علاوہ ایک مثنوی "خواب و خیال" بھی اُن کے قلم سے نکلی۔ مثنوی عاشقانہ ہے اور شعری تاثیر کی حامل ہے۔ اثر کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:۔

دوست ہوتا جو وہ تو کیسا ہوتا — دشمنی پر تو پیار آتا ہے
کبھی دوست ہے کبھی دشمن — تری کون سی بات پر جایئے
یاں تغافل میں اپنا کام ہوا — تیرے نزدیک بے جفا ہی نہیں
چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب اے اثر — معلوم ہوں گے جو کبھی اُس نے نگاہ کی

میر و سودا اور مصحفی و انشا کے دور میں شمالی ہند اُردو شعر گوئی کی زمزمہ سنجیوں سے معمور ہو گیا تھا۔ غمزدہ دہلی کے سوادِ حسرت میں بھی اسی کے جان لیوا گیت تھے اور شامِ اودھ کی عیش پرور فضاؤں میں بھی اسی کے ترانہ ہائے نشاط و سرمستی۔ یہ ادب کے دو بڑے مرکز تھے۔ یوں تو جہاں دیکھئے اُردو کا بول بالا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے شعراء کی اتنی طویل فہرست دی ہے کہ اس اجمالی تاریخ میں سب کے نام گنانا بھی مشکل ہے۔ خاص شہرت حاصل کر لینے والوں میں مفتی، ممنون، حسرت دہلوی، قدرت، بیدار، حزیں، ہدایت، غیا، بقا، بیان اور راسخ عظیم آبادی امتیاز رکھتے ہیں۔ اس دور کے شاعروں میں مرزا سعادت یار خاں رنگین نے ایک خاص حیثیت سے بڑی نمود حاصل کی۔ رنگین کی جدت پسندی نے ریختہ سے ریختی بنائی۔ رنگین اور اُن کے دوست انشا نے دربارِ اودھ کے نشاط پرور ماحول میں اس فن کو ایک مقبول و مرغوب وسیلۂ تفریح بنا دیا۔ عورت کی زبان میں شعر گوئی فی نفسہ کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ ہندی کی اعلیٰ ترین شاعری کی نے یہی ہے۔ ہندی کے تتبع میں دکن کے بعض شاعروں نے بھی عورت کی زبان سے شعر کہے۔ شمالی ہند نے غضب یہ کیا کہ لطفِ مجلس اور طبیعت کی رنگ داری کے لئے یہ فن برتا اس سے شعر و ادب کے مزاج پر جو ناخوشگوار اثر پڑا وہ ظاہر ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

نظیر اکبر آبادی (۱۷۴۰ء تا ۱۸۳۰ء)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری اپنی ایک علیحدہ دنیا رکھتی ہے۔ نظیر نے میر و سودا کی بہارِ شعر و سخن بھی دیکھی اور دبستانِ لکھنؤ کی جوانی کا نکھار بھی۔ لیکن ان کی آزاد اور منفرد رنگِ طبیعت نے انھیں کسی مسلک کا پیرو اور کسی دبستان کا پابند نہ ہونے دیا۔ بڑے مرکزوں سے دُور رہ کر اور رنگِ زمانہ سے بے نیاز ہو کر انھوں نے ایک آزاد فضا میں سازِ شعر چھیڑا۔ اپنے طرز پر اپنا رنگِ سخن نکھارا۔ اپنی شاعری کی علیحدہ روایات بنائیں۔ اُردو شاعری میں اُن کا رنگ بالکل نرالا ہے۔

نظیر کا نام ولی محمد تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ والدین کے بڑے چہیتے بیٹے تھے۔ پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے وقت نظیر نے دہلی چھوڑی اور آگرہ آکر محلہ تاج گنج میں مقیم ہو گئے۔ چند دنوں کے لئے معلمی کی ملازمت پر متھرا آ گئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد آگرہ واپس آ گئے اور یہیں ساری زندگی گزار دی۔ طبیعت میں غضب کا استغنا تھا۔ معلمی کی تنخواہ پر گزر اوقات کی، کسی دربار سے وابستہ نہ ہوئے۔

نظیر عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے، نہ رموزِ فن کے کوئی بڑے ماہر آزاد منش، تعصب و تنگ نظری سے یکسر پاک، طبیعت وارفتہ من کی موج میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہمہ قسم کے انسان تھے۔ زندگی کو انھوں نے خلوصِ جذبہ کے ساتھ برتا اور اُس کی ہزار رنگ کیفیتوں اور مناظر کو دل و دماغ کی چشمِ بیدار سے دیکھا۔ انھیں کسی مذہب سے کوئی بیر اور کسی ملت سے کوئی عناد نہیں تھا۔ وہ عوام کے آدمی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تھے۔ عوامی رنگ رلیوں، چہل پہل، تفریح اور طرب مسرت کی تقریبوں میں شوق و ذوق سے شریک، غم و ماتم میں اُن کے غمگسار، رفیق، سب کے مذہبی رہنماؤں کا اُن کے دل میں یکساں احترام ہے۔ سب کے تیوہاروں سے اُنھیں یکساں دلچسپی۔ جوانی نے اُنھیں کوچۂ محبوب میں پھرایا، خواہشات کے ہنگاموں اور طلبِ لذت کی بدمستیوں سے آشنا کیا۔ مایا کی دھوپ چھاؤں جیسی فطرت کے تجربہ اور پیری کی نگاہِ متانت نے اُن کا رنگِ طبیعت بدل ڈالا۔ نظیر کے خیالات اور جذبات کی دنیا عوامی زندگی کی ہماہمی اور مشاہدوں اور تجربوں کی امتحاں گاہ میں بیتی۔ وہ "فن" کا علمبردار نہیں، ذوقِ طبیعت کا پرستار ہے۔ نگاہوں نے جو دیکھا، دل پہ جو بیتی، سینہ میں جو لہر اُٹھی، اُسے انتہائی فطری، بے تکلف، بے ساختہ انداز میں قالبِ شعر دے دیا۔ یہ تھا نظیر کا فنِ شعر گوئی۔ اُس کا خطاب براہِ راست عوام سے تھا۔ خوشنوایانِ چمن کی بزمِ طرب اور شاہی ایوان کے نشاط پرور ماحول سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا۔ نظیر نہ کسی معیار کا پابند تھا نہ کسی دبستانِ شعری کا پیرو، نہ کسی اُستادِ وقت کا متبع۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اُس کے یہاں زبان کی غلطیاں اور فن کی لغزشیں ملتی ہیں۔ نظیر معیار پرست اور ذوقِ فارسی میں ڈوبے ہوئے دورِ شاعری سے بے نیاز اور بلند رہا۔ یہی ادا اُس کی آیندہ مقبولیت اور جاوداں شہرت کی ضامن ہوگئی۔

رنگِ طبیعت کا تقاضہ تھا کہ نظیر نئی راہوں پر گامزن ہوتے۔ اُنھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ لیکن اُن کا بیشتر کلام نظموں میں ہے نظمیں مختصر بھی ہیں طویل بھی۔ اُن کے موضوعات میں حیرت انگیز تنوع ہے نظیر کے کلیات میں ایسی نظمیں بھی ہیں جو بچوں کے لئے ہیں۔ یہ عام طور پر بہت سیدھی اور صاف ہیں، لیکن کہیں کہیں اُن میں بھی روحانی تعلیم رمز و استعارہ کے پیرایہ میں دی گئی ہے جو بہت دلکش ہے۔ نظموں کی خاصی تعداد مذہبی رہنماؤں، تیوہاروں اور ملکی تقریبوں سے متعلق ہے۔ یہ نظمیں نظیر کی فراخ مشربی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ ناسخ نے فطری شوق شعر گوئی کو بڑی مستعدی، جانفشانی اور شوق و ریاض سے چمکایا۔ اور یہ امتیازہ کمال حاصل کر لیا کہ اُن کی استادانہ حیثیت بڑے شان و وقار کے ساتھ قائم ہو گئی۔ لکھنؤ میں ان کے حریف خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ ان دو اُستادوں اور اُن کے شاگردوں کی شاعرانہ چشمکیں شعر و ادب کی محفلوں کو گرمائے رہتی تھیں۔ ناسخ بڑے خود دار اور باحوصلہ آدمی تھے۔ اپنے وقار منصب کا شدید احساس رکھتے تھے۔ فرمانروائے وقت اور وزیر سلطنت سے کچھ ناچاقی ہو گئی شہر چھوڑنا پڑا اور برسوں باہر رہنا پڑا۔ آخر عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں انتقال کیا۔

ناسخ نے اصلاح زبان کی طرف خاص توجہ کی۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث کے کڑے ضابطے مقرر کئے۔ افعال میں تغیر کیا مثلاً آئے ہے، جائے ہے کے بجائے آتا ہے، جاتا ہے اور آئیاں اور دکھائیاں وغیرہ ترک کر دیا۔ عربی اور فارسی الفاظ کو املا اور تلفظ کی صحت کے ساتھ برتنے پر زور دیا۔ عربی اور فارسی گرامر کے قاعدے سختی کے ساتھ نافذ کئے۔ اصلاح کے عمل میں اُنھوں نے ہندی الفاظ، اسالیب بیان اور اثرات کے ساتھ بڑا غیر منصفانہ برتاؤ کیا۔ ثقیل، نامانوس اور غیر معروف الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندی کے سبک، لطیف اور شیریں الفاظ اور ترکیبیں بھی فارسی پرستی کے جوش فراواں میں دائرۂ زبان سے خارج کر دیں۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ ادبی زبان زیادہ دنوں سیال حالت میں نہیں رہ سکتی۔ اس کی صحت، شائستگی اور وقار کا معیار عمل ارتقاء کے فطری اور حقیقی تقاضہ کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے۔ ناسخ کے دور تک پہنچتے پہنچتے اُردو زبان اس منزل میں قدم رکھ چکی تھی جہاں اس کا واضح، محکم، باضابطہ ادبی معیار قائم ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ اُردو کی بدنصیبی تھی کہ معیار قائم کرنے والوں نے قطعاً بھلا دیا تھا کہ اُردو اپنی اصل و فطرت میں ایک دورُخی زبان ہے بھاشا پر فارسی کے تہذیب آفریں عمل سے ظہور میں آئی ہے۔ اس کی صحیح راہ ارتقاء یہ ہے کہ یہ ہر شان اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بے تعصبی اور ہمہ گیر فروغ عقیدت کا آئینہ ہیں۔ جوانی کے رندانہ جوش و مستی کے کلام میں ابتذال اور عامیانہ پن کے رنگ بہت تیز ہو گئے ہیں۔ مشاہدہ اور تجربے کی لذتیں جوش طبیعت میں پیکرِ شعر میں ڈھل گئی ہیں۔ اس عیب سے قطعِ نظر ان نظموں میں جوش و رنگینیٔ بیان اور جولانیٔ فکر کی خوب خوب جلوہ آرائی ہے۔ نظیر کی شاعری کا بہترین حصہ وہ ہے جس میں اُنھوں نے ایک صوفی صافی، مردِ باخدا کی حیثیت میں دنیا اور زندگی کی بے ثباتی کا عبرت انگیز مرقع کھینچا ہے، انجامِ عیش کی تلخیوں کی مؤثر مصوری کی ہے، اخلاقی اوصاف کی تلقین کی ہے اور پاکبازی اور روحانیت کا پیام دیا ہے۔ اس کلام میں اس قدر تاثیر، مٹھاس اور روحانی سرشاری کا سامان ہے کہ نظیر کی شاعرانہ حیثیت اور ادبی عظمت بہت بلند ہو جاتی ہے اور وہ شیخ سعدی کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

دورِ ناسخ و آتش

ادبستانِ لکھنؤ

ناسخ (متوفی ۱۸۳۸ء) زبان و ادب کی تاریخ میں ناسخ کی حیثیت بہت اہم اور ممتاز ہے۔ وہ دبستانِ لکھنؤ کے حقیقی بانی تھے۔ شاہِ حاتم کے دور سے شمالی ہند میں اصلاحِ زبان کے جس عمل کا آغاز ہوا تھا ناسخ نے اسے مکمل کر دیا۔ اُن کی زبردست اصلاحات اور کوششوں نے زبان کا وہ معیار قائم کر دیا جو تاریخ میں لکھنؤ کا طرۂ امتیاز ہو گیا۔

شیخ امام بخش ناسخ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ تکمیلِ علوم لکھنؤ میں کی۔ بڑے قوی جسیم اور تنومند آدمی تھے۔ ورزش کا بے انتہا شوق تھا اور اس میں بڑا ریاض کرتے تھے۔ بالکل صحت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ شاعری میں اُنھوں نے کس کے سامنے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ ناسخ نے فطری شوق شعر گوئی کو بڑی مستعدی، جانفشانی اور شوق دریاض سے چمکایا۔ اور یہ امتیازہ کمال حاصل کر لیا کہ اُن کی استادانہ حیثیت بڑے شان و وقار کے ساتھ قائم ہو گئی۔ لکھنؤ میں ان کے حریف خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ ان دو اُستادوں اور اُن کے شاگردوں کی شاعرانہ چشمکیں شعر و ادب کی محفلوں کو گرمائے رہتی تھیں۔ ناسخ بڑے خود دار اور باحوصلہ آدمی تھے۔ اپنے وقار منصب کا شدید احساس رکھتے تھے۔ فرمانروائے وقت اور وزیر سلطنت سے کچھ ناچاقی ہو گئی شہر چھوڑنا پڑا اور برسوں باہر رہنا پڑا۔ آخر عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں انتقال کیا۔

ناسخ نے اصلاح زبان کی طرف خاص توجہ کی۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث کے کڑے ضابطے مقرر کئے۔ افعال میں تغیر کیا مثلاً آئے ہے، جائے ہے کے بجائے آتا ہے، جاتا ہے اور آئیاں اور وکھائیاں وغیرہ ترک کر دیا۔ عربی اور فارسی الفاظ کو املا اور تلفظ کی صحت کے ساتھ برتنے پر زور دیا۔ عربی اور فارسی گرامر کے قاعدے سختی کے ساتھ نافذ کئے۔ اصلاح کے عمل میں اُنھوں نے ہندی الفاظ، اسالیب بیان اور اثرات کے ساتھ بڑا غیر منصفانہ برتاؤ کیا۔ ثقیل، نامانوس اور غیر معروف الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندی کے سبک، لطیف اور شیریں الفاظ اور ترکیبیں بھی فارسی پرستی کے جوش فراواں میں دائرۂ زبان سے خارج کر دیں۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ ادبی زبان زیادہ دنوں سیال حالت میں نہیں رہ سکتی۔ اس کی صحت، شائستگی اور وقار کا معیار عمل ارتقاء کے فطری اور حقیقی تقاضہ کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے۔ ناسخ کے دور تک پہنچتے پہنچتے اُردو زبان اس منزل میں قدم رکھ چکی تھی جہاں اس کا واضح، محکم، باضابطہ ادبی معیار قائم ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ اُردو کی بدنصیبی تھی کہ معیار قائم کرنے والوں نے قطعاً بھلا دیا تھا کہ اُردو اپنی اصل و فطرت میں ایک دورُخی زبان ہے بھاشا پر فارسی کے تہذیب آفریں عمل سے ظہور میں آئی ہے۔ اس کی صحیح راہ ارتقاء یہ ہے کہ یہ ہر شان اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یہ ہر پہلو اُس کی سموئی ہوئی دور رُخی فطرت کا لحاظ رکھا جائے۔

ناسخ نے اپنی اصلاحات پر بڑی شدت سے عمل کیا اور اپنی تربیت سے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ قائم کر دیا جس نے ناسخ کی اصلاحات کو مزاجِ ادب بنا دیا۔ ناسخ کے ایک مشہور شاگرد علی اوسط رشک نے اس باب میں خاص امتیاز حاصل کر لیا۔ اُنھوں نے اپنے اُستاد کی اصلاحات کو اپنی اُردو لغت "نفس اللغات" میں مدون کر دیا ہے۔

ناسخ اعلیٰ معیار کے ذوقِ شاعرانہ سے بہرہ ور نہیں معلوم ہوتے۔ اُن کی تمام تر توجہ فن پر رہتی ہے۔ وہ قدرتِ کلام اس زور، طنطنہ اور شوکت پسندی کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ جذبہ کی نزاکت اور خیال کی لطافت بیشتر گھٹ کر رہ جاتی ہے اور دور از کار تشبیہوں، استعاروں، تمثیلوں اور فارسی و عربی کے مرعوب کن موٹے موٹے الفاظ کے برتنے کا اُنھیں بڑا شوق ہے اسی لئے اُن کے کلام میں تکلف اور آورد بہت پایا جاتا ہے۔ ناسخ کی حقیقی اہمیت مصلحِ زبان کی حیثیت سے ہے۔ اُن کا شاعرانہ مرتبہ بلند نہیں ہے۔

ناسخ کے تلامذہ میں وزیر، اشک، برق، بحر، آباد، مہر اور منیر نے بڑی شہرت حاصل کی۔

خواجہ حیدر علی آتش (متوفی ۱۸۴۶ء)

آتش کی غزل گوئی دبستان لکھنؤ کا شاندار ادبی کارنامہ ہے۔ خواجہ حیدر علی آتش، ناسخ کے حریف اور اپنے دور کے کامل فن اُستاد اور صاحبِ طرز غزل گو تھے۔ آتش کی ولادت فیض آباد میں ہوئی۔ لکھنؤ میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اسی وجہ سے تعلیم سے محروم رہے اور بڑی صحبت میں بیٹھ کر مزاج میں شورہ پشتی اور بانکپن آگیا۔ نواب محمد تقی خاں بہادر ترقی نے ملازم رکھ لیا اور انھیں اپنے ساتھ لکھنؤ لے آئے۔ یہاں کی ساری فضا شعر و ادب کی زمزمہ سنجیوں سے معمور تھی۔ انھیں بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ مصحفی کی شاگردی اختیار کی۔ ماہر فن استاد کی تربیت اور مشق و ریاض نے طبیعت کے جوہر کو چمکا دیا۔ ایسا امتیاز حاصل کیا کہ خود صاحب طرز استاد ہو گئے۔ آتش کی علمی استعداد خام تھی مگر بزرگوں کی صحبت اور مصحفی جیسے صاحب فن استاد کی شاگردی نے ادبی سلیقہ مندی سے پورے طور پر بہرہ اندوز کر دیا تھا۔ آتش بڑے آزاد منش، توکل پسند اور قانع طبیعت کے تھے۔ پیسے کی خاطر نہ کبھی کسی کی خوشامد کی اور نہ کسی کے سامنے دست سوال پھیلا۔ غربت و ناداری میں شرافت کی وضع اور طبیعت کی آن بڑی شان سے باقی رکھی۔

آتش کی طبیعت میں جوہر شعر گوئی کی فطری نمود تھی۔ وہ اثر حسن کا بہت لطیف اور نازک احساس رکھتے تھے۔ طبیعت بانکپن اور خیال انگیز کیفیتوں سے بہرہ ور تھی۔ من کی موج میں ڈوبتے تو ذوق روحانی ابھر آتا تھا۔ غالب کی متفکرانہ شان، مومن کی سطح عام سے بلند ہو کر خیال و معنی کے جادو جگانے کا کمال، فن میر کی خود رفتگی، خود فراموشی اور درد و گداز نہ سہی، آتش کے یہاں تغزل کا لطیف، ستھرا اور پاکیزہ معیار ملتا ہے۔ اُن کے منتخب اشعار میں جذبہ کی تڑپ، اثر آفرینی اور کمال حسن نمائی کا بہت دلنواز ظہور ہے۔ آتش کی زبان بہت صاف، عام فہم اور مؤثر ہے۔ اس میں موتیوں کی سی آب اور چاندنی کی سی کیفیت ہے۔ وہ نہ دور از کار تشبیہوں اور استعاروں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور نہ عربی و فارسی کے مغلق الفاظ برتنے کا انھیں چسکا ہے۔ روزمرہ اور عام بول چال کی زبان کو وہ شاعرانہ حسن کاری سے حلاوت قند بخش دیتے ہیں۔ انھوں نے زبان کو سنوارنے اور پاکیزہ بنانے میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بڑی اُستادانہ مہارت دکھلائی ہے۔ وہ فن کے رچاؤ اور زیبائش کا بڑا واضح تصور رکھتے تھے۔ اُن کا مشہور قول ع

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اُن کے ذوقِ سلیم اور لطافتِ فن کے واضح تصور کا آئینہ دار ہے۔ نکتہ چینوں نے آتش کی کم علمی ظاہر کرنے کے لئے بڑے شد و مد سے یہ اعتراض کیا ہے کہ اُنھوں نے عربی و فارسی کے الفاظ عوام کے غلط تلفظ کے ساتھ برت دیئے ہیں۔ ناسخی ذوق ایسی فروگزاشتوں پر خوب خوب انگشت نمائی کرتا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اُردو کی فطرت ناسخ کی بے لچک ضابطہ پسندی اور مرعوبیت کے ساتھ فارسی نوازی کے بجائے آتش کی عوام پسندی کو زیادہ لائق پذیرائی سمجھتی ہے۔ ماحول کا اثر کہیں کہیں آتش کے کلام میں بھی جھلک پڑتا ہے لیکن اُن کا عام انداز یہی ہے کہ خیالات سُتھرے اور دلکش، جذبات رنگین اور مؤثر اور زبان صاف و شیریں ہے۔ ناسخ و آتش کا مقابلہ ہمارے ناقدوں کا ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ ذوقِ نگاہ کا فیصلہ بالکل صاف ہے۔ آتش فطری شاعر تھا۔ ناسخ کی ذہنی زور آزمائی شعریت کے اعلیٰ جوہر سے محروم ہے۔

آتش نے غزل کے علاوہ کسی صنفِ نظم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ایک دیوان اُن کی زندگی میں شایع ہو گیا تھا۔ دوسرا دیوان جسے پہلے دیوان کا تتمہ ہی سمجھنا چاہیئے ان کے مرنے کے بعد ان کے شاگرد میر دوست علی خلیل نے مرتب کیا۔

آتش کے تلامذہ میں رند، صبا، خلیل، نسیم، نواب مرزا شوق اور آغا حجو شرف بہت مشہور ہوئے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دبستانِ لکھنؤ کے دو زندۂ جاوید ادبی شاہکار

گلزارِ نسیم اور زہرِ عشق

صنفِ مثنوی میں سرفہرست میر حسن کی سدا بہار تصنیف "سحر البیان" ہے۔ صاحبِ "سحر البیان" کے بعد پنڈت دیا شنکر نسیم اور نواب مرزا شوق کی سحر طرازیاں، مثنوی کے میدان میں ادبی اعجاز آفرینی کے دو روشن نمونے پیش کر دیتی ہیں۔ نسیم اور شوق دونوں دبستانِ آتش کے پروردہ تھے، دونوں کی ذہانت، طباعی اور جولانیٔ فکر نمایاں انفرادی شان کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے۔ دونوں کا رنگِ طبیعت بالکل مختلف تھا اسی لئے ایک ہی میدان میں گامزن ہوتے ہوئے بھی دونوں کی راہیں الگ ہو گئیں۔

نسیم جاں داوۂ فن تھے۔ دقتِ فکر اُن کا طرۂ امتیاز تھا۔ معنی آفرینی میں اس انداز سے نزاکتیں ہویدا کی ہیں کہ دلدادگانِ ادب جھوم جھوم اُٹھیں۔ نسیم کی مثنوی "گلزارِ نسیم" ادب میں ایجاز و اختصار کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ نسیم اُس دور کی پیداوار تھے جب آسان کو مشکل بنا دینا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا۔ اس رنگ میں نسیم کی تصنیف لاجواب ہے۔ دقت پسندی کے سبب سے ہمارے زمانے میں اس مثنوی کی مقبولیت میں بہت کمی ہو گئی ہے لیکن سنجیدہ ادبی جائزے میں اس کے وقار اور مرتبہ سے انکار ممکن نہیں ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے گلزارِ نسیم کے متعلق بڑی قیمتی اور قابلِ غور بات کہی ہے۔ رشید صاحب فرماتے ہیں: "شعر و شاعری کے جن پہلوؤں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے اعتبار سے لکھنؤ بدنام ہے، گلزارِ نسیم نے انھیں پہلوؤں سے لکھنؤ کا نام اونچا کیا ہے میرے نزدیک گلزارِ نسیم کے بھی سحر البیان ہونے میں شک نہیں۔ زبان کو شاعری اور شاعری کو زبان بنا دینا کوئی معمولی کام نہیں، ابھی ہمارے نقادوں کو زندگی اور زبان کے بہت سے بھید بھاؤ سے واقف ہونا پڑے گا تب کہیں جا کر وہ سمجھ سکیں گے کہ ہماری شاعری کے جانہاروں اور ہماری زبان کے جانکاروں نے کیا کیا کر دکھایا ہے"۔

نواب مرزا شوق نے کئی مثنویاں لکھی ہیں لیکن شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے "زہرِ عشق" کا پلہ سب پر بھاری ہے۔ عرصہ تک فن کے ناقد، مخربِ اخلاق کہہ کر اس مثنوی کو ناقابلِ اعتنا ٹھہراتے رہے لیکن دورِ جدید نے شعر و ادب کے حسن و فضیلت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے جو معیار مقرر کئے ہیں ان کی روشنی میں اس مثنوی کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ صاحبِ زہرِ عشق نے انسانی دنیا کی ایک دلدوز داستانِ محبت بڑے فطری اور بے ساختہ انداز میں سنائی ہے، جذبات کی نفسیاتی مہارت کے ساتھ مصوری کی ہے۔ پیکر آفرینی کے حقیقت پسندانہ تصور کو اجاگر کیا ہے۔ احساس و تاثیر کا وہ جادو جگایا ہے جو دل کے تار چھو لیتا ہے۔ ہیروئن کی زبان سے شوق نے بے ثباتیِ دنیا کا جو عبرت انگیز بیان نظم کر دیا ہے وہ شاعرانہ تخیل کا ایک لافانی اعجاز ہے۔ شوق کی زبان کی سادگی و پرکاری بحدِ حیرت دلکش ہے۔ باتوں باتوں میں کچھ نہ کہتے ہوئے سخن جانستاں کہہ جانا، یہ ہے شوق کا انداز۔ زہرِ عشق ناکامی میں محبت کی جاوداں کامرانی کا سدا بہار افسانہ ہے۔

مرثیہ اور مرثیہ گو

دبستانِ لکھنؤ نے شاعرانہ حیثیت سے مرثیہ کو اس قدر ترقی دی کہ وہ اعلیٰ ادب کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔ مرثیہ وہ صنفِ نظم ہے جس میں کسی کی موت پر رنج و غم کا اظہار کیا جائے۔ عام طور سے مرثیہ سے مراد وہ نظمیں ہیں جن میں حضرت امام حسینؑ اور اُن کے رفقار کی شہادت کا ذکر کیا جائے۔ ابتدا میں مرثیہ واقعۂ کربلا کے غم انگیز بیان، شہدار کے مصائب کے ذکر اور اظہار جذبۂ غم دماتم تک محدود تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُس کے دائرہ میں حیرت انگیز وسعت پیدا ہوگئی۔ مرثیہ میں شاعری کے کئی رُخ اُبھر آئے اور کئی اصناف سخن کی اس کے دامن میں جلوہ آرائی ہوگئی۔ رزم و بزم، مناظرِ قدرت، جذبات نگاری، کرداروں کے نفسیاتی مرقعے، برگزیدہ اخلاقی اوصاف کی مؤثر تبلیغ، روحانیت کے اعلیٰ جوہر کا خونِ شہادت میں چمک اُٹھنا اور غم انگیز ماحول میں انسانی عظمت کے نقش کا فن کی خوشنمائیوں میں اُبھرنا۔ مرثیہ اعلیٰ ترین رزمیہ بھی ہے اور مؤثر ترین حزنیہ بھی۔ اُردو شاعری میں فراوانیٔ موضوعات کے اعتبار سے کوئی صنف مرثیہ سے ٹکر نہیں لے سکتی۔

اُردو شاعری کے روزِ آغاز سے مرثیہ نگاری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دکنی ادب میں جو اُردو کے ادبی ارتقار میں پہلی منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرثیہ کا بھی رواج رہا۔ شمالی ہند میں اُردو شاعری کی عام مقبولیت کے ساتھ ساتھ مرثیہ میں بھی طبع آزمائی کا رنگ تیز ہوتا گیا۔ پہلے مرثیہ کی حیثیت محض مذہبی نظموں کی تھی۔ بتدریج اس میں ادبی شان پیدا ہونے لگی۔ سوداؔ نے مرثیہ میں کچھ جدتیں کیں۔ اسی طرح ضمیرؔ نے مرثیہ کے مضمون میں اضافہ کیا۔ اور اس میں جدید تشبیہات و اندازِ بیان، جنگِ کربلا کے مفصل حالات اور شاعرانہ مبالغے داخل کئے۔ فصیحؔ اور دلگیرؔ نے بھی مرثیہ میں ادبی رنگ اُبھارے، میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ نے زبان کی صفائی، محاورہ کی صحت اور مضمون کے درد و اثر پر زیادہ توجہ صرف کی۔ ضمیرؔ اور خلیقؔ نے دبیرؔ اور انیسؔ کے ظہورِ کمالات کے لئے زمین ہموار کر دی۔ مرثیہ کے دائرہ میں اب کافی وسعت

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پیدا ہو گئی تھی۔ اُس کی زبان اور اندازِ بیان کا ایک معیار قائم ہو گیا تھا۔ دبیر اور انیس کی شاعرانہ کاوشوں نے مرثیہ کے دامن کو ادب کے جواہر ریزوں سے معمور کر دیا۔

میر انیس (سنہ ۱۸۰۲ء تا سنہ ۱۸۷۴ء)

میر انیس اُردو کے اُن چند شاعروں میں سے ہیں جن کے فن سے ادب کی حقیقی عظمت و اثر کا اندازہ ہوتا ہے۔

میر ببر علی انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ بعد میں اُن کا پورا خاندان لکھنؤ منتقل ہو آیا اور یہیں مستقل سکونت ہو گئی۔ انیس نے حصولِ علم و ادب کے علاوہ سپہگری اور شہسواری میں بھی اچھی واقفیت حاصل کی۔ ورزش کا اُنھیں بڑا شوق تھا۔ شاعری اُن کے گھر کی میراث تھی اور اُن کے گھرانے کی زبان اُردوئے معلیٰ کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی۔ انیس کے اجداد شعر و ادب کے میدان میں بڑی شاندار روایات قائم کر چکے تھے۔ اُن کے دادا میر حسن مثنوی کے میدان میں سدا بہار جادو جگا چکے تھے۔ اُن کے والد میر مستحسن خلیق نے مرثیہ میں ایک موثر فطری انداز پیدا کر کے اپنی ایک باوقار حیثیت بنالی تھی۔ انیس نے میدانِ مرثیہ گوئی میں اس حیات آفریں انداز سے قدم رکھا کہ مولانا حالی کے الفاظ میں اُردو شاعری میں جو مارِ راکد کی طرح مدت سے بے حس و حرکت پڑی تھی تموج بلکہ تلاطم پیدا کر دیا۔

میر انیس نے ساری عمر مرثیہ کے لئے وقف کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے لگ بھگ ڈھائی لاکھ شعر کہے۔ جو کلام شائع ہو چکا ہے وہ بھی اتنا زیادہ ہے کہ پُرگوئی کی ایسی زبردست مثال بآسانی نہیں ملتی۔ کلام میں مرثیوں کے علاوہ سلام، قطعات اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

رُباعیاں بھی ہیں۔ کلامِ انیس کا ایک ممتاز وصف یہ ہے کہ وہ سخنورانہ مشاقی کی سطح سے کہیں گرنے نہیں پاتا اور اُس میں اول تا آخر ایک حساس، متین، باوقار اور اعلیٰ تخلیقی طبیعت کی کارفرمائی ملتی ہے۔ انیس کے مرثیے ہمہ جہتی تنقید کے لئے ایک ضخیم دفتر کے طالب ہیں۔ مناظرِ قدرت کا بیان، انسانی جذبات کی مصوری، پیکر آفرینی، رزم آرائی، بچوں کی نفسیات، جوانی کا تہور، بڑھاپے کا وقار و متانت، اربابِ شر کی مفسدہ پردازیاں، سیرتِ حسینؑ کی ملکوتی شان۔ تخیلِ انیس کا حیرت انگیز کمال ہے کہ ہر موضوع پر اعلیٰ درجہ کی نفسیاتی اور فنی مہارت، اور فکری شاعرانہ زور و حسن آفرینی کے ساتھ مضامین کے دریا بہا دیئے ہیں۔ میدانِ جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ گویا ایک منظرِ رزم ہے کہ نگاہوں کے سامنے آگیا ہے۔ پیکر آفرینی میں اس شانِ کمال کے ساتھ اوصاف کو اجاگر کرتے ہیں کہ ڈرامائی شان ہویدا ہو جاتی ہے۔ ذہن کا ایک ماحول بنتا ہے۔ فن کا اعجاز ہمیں اس اپنی دُنیا سے رُو در انیس کی نگارخانۂ شعری میں کھینچ لے جاتا ہے جہاں تاریخ اپنا ایک پچھلا ورق اُلٹتی ہے۔ خیر و شر کے تصورات پیکروں کے رُوپ میں اُبھرتے ہیں۔ گردشِ روز و شب کے دامن میں ایک نرالے انداز کی جنگ ہوتی ہے۔ ایک طرف سیکڑوں کا لشکر، دوسری طرف کل ستر بہتر۔ بھلا مقابلہ کیا لیکن موت کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ زندگی کے چہرے پر جاوداں رونقیں بکھر جاتی ہیں۔ انھیں رونقوں نے انیس کے فن کو لازوال فضیلت بخش دی ہے۔ مرثیہ کے موضوع میں عظمت ہے۔ انیس کی شاعری نے اس موضوع کی عظمت، اعلیٰ مصورانہ کمال کے ساتھ نمایاں کر دی۔ اس کی شاعری بھی مرتبۂ عظمت پر پہنچ گئی۔

انیس نے اپنے دور اور اپنے ماحول کی شاعری سے اپنے آپ کو بلند رکھا اور تصنع، تکلف اور مبالغہ کو برتتے ہوئے بھی اپنی شاعری کو حقیقی جذبات کا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

شفاف آئینہ بنا دیا۔ انیس نے زبان کے دائرہ کو بے انتہا وسیع کر دیا۔ نہ معلوم کتنے پرانے محاورات اور الفاظ نیا معنوی نکھار پا گئے۔ بڑی تعداد میں نئے الفاظ، محاورات، ضرب الامثال اور آرائش بیان کے زیور داخل زبان و ادب ہو گئے۔ انیس نے عام فہم اور سادہ زبان برت کر حقیقی فطری شاعری کا ایک بہت بلند معیار قائم کر دیا۔ اور اپنے تخیل سے اردو شاعری کی تہی مائیگی کو بہت حد تک دور کر دیا۔

مرزا سلامت علی دبیر (۱۸۰۲ء تا ۱۸۷۵ء)

مرثیہ نگاری میں انیس و دبیر کا نام ساتھ ساتھ آتا ہے۔ سودا و میر، مصحفی و انشا اور ناسخ و آتش کی طرح یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے حریف و ہم چشم تھے۔ دبیر بڑے مرثیہ کے صاحب فن اور بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھیں زور بیان پر قیامت کی قدرت حاصل تھی۔ دبیر نے اپنے تخیل سے مرثیہ کو خوب خوب نکھارا اور اسلوب خیال کی جدت طرازیوں سے اس میں خوب خوب آرائشیں پیدا کیں۔ انیس کی طرح دبیر نے بھی مرثیہ کو بڑی وسعتوں کے ساتھ برتا ہے اور کمال فن کا خوب خوب اظہار کیا ہے۔ دبیر فن کے دلدادہ تھے۔ وہ کلام کی آرائش، بیان کے شکوہ و شان اور ذہن کی پرواز و رسائی پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ جذبہ کی نزاکتوں اور موقع کی لطافتوں کی شاعرانہ مصوری میں نگاہ، نفسیاتی مہارت اور زندگی کے رمز و روح میں خیال و فکر کی بصیرت زیادہ اثر آفریں اور خیال انگیز ہوتی ہیں۔ ایک مخصوص دور کے فن کی دی ہوئی عظمت زمانہ کے ساتھ ماند پڑ جاتی ہے۔ لیکن جہاں زندگی بہ شان زندگی نمایاں ہو جاتی ہے۔ وہاں ادب زمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا بلکہ اس کے اثر میں ہمہ وقتی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی کے رمز و روح میں ڈوب کر

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دنیا کے بڑے شاعروں نے اپنی دوامی عظمت کے چراغ روشن کئے ہیں۔ فن کی آرائشوں اور ایک خاص زمانہ میں مقبولیت حاصل کر لینے والی ادب کی قدروں پر تمام تر زور اور صرف توجہ کرنے والے ادیب و شاعر، اپنے زمانے میں چاند سورج بن کر چمک گئے۔ لیکن اس کے بعد ان کی عظمت و مقبولیت میں کمی آتی گئی۔ دبیر کے دور میں ظاہری آرائش و زیبائش، زور و شکوہ اور قوت پروازِ فکر دکھانے کا شوق عام تھا۔ یہی زمانے کا مزاج اور بیشتر ادیبوں کی تمنا کا یہی نقطۂ انتہا تھا۔ دبیر نے اس حیثیت سے خوب خوب کمال آفرینی کی قادر الکلام شاعر تھے۔ بہر انداز قوتِ نظم کی سحر آفرینیاں دکھائیں۔ انیس اپنے دور کے مزاج کا حدِ جائز میں پاس و لحاظ کرتے ہوئے اپنے دور کے وقتی تقاضوں سے بلند ہو گیا۔ اُس نے زورِ ذہن اور قوتِ فکر دکھانے سے زیادہ زندگی کی مصوری کی، افراد کے جوہرِ سیرت کو شاعرانہ شکتہ نوازی کے ساتھ نمایاں کیا، فطرت کے جمالِ باطن کو شعری پیکروں میں چمکایا۔ انیس و دبیر اپنے دور میں حریف رہے۔ لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ انیس کا مرتبہ بلند ہوتا گیا۔ دورِ جدید کے سنجیدہ اور منصف مزاج ناقدوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ انیس کا وقارِ فن اُردو کے باقی رہنے والے ادبی کمالات میں ہے۔

انیس و دبیر کے بعد بھی لکھنؤ میں مرثیہ گوئی مقبول رہی۔ آج تک لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کا رواج ہے۔ لیکن انیس و دبیر اور بالخصوص انیس نے مرثیہ کو جس منزلِ ترقی تک پہنچا دیا وہاں تک رسائی کس سے باہر معلوم ہوتی ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دورِ ذوق و غالب

دبستانِ دہلی

شاہ نصیر
متوفی ۱۸۳۸ء

شاہ نصیر دہلی کے رہنے والے اور شاہِ عالم کے درباری شاعر تھے اپنے زمانہ کے مشہور اُستادوں میں تھے۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق جیسے باکمالِ عصر نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مومن نے بھی ابتداء میں انھیں سے اصلاح لی۔ بڑے شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج تھے۔ کئی سفر حیدرآباد کے اور دو سفر لکھنؤ کے کیے۔ پورے ملک میں اُن کے فن کی اچھی قدردانی ہوئی۔ شاہ نصیر کا اندازِ سخن ناسخ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ وہ شکوہِ الفاظ کے عاشق تھے۔ تشبیہوں اور استعاروں کی تلاش میں بڑی کاوش کرتے تھے۔ سنگلاخ زمینوں اور مشکل ردیف و قافیہ میں خیالات نظم کرنے کی اُنھیں اچھی مشق تھی۔ اُن کے کلام میں اعلیٰ خیالات، جذبہ کی تڑپ اور فکر کی تابش عنقا ہیں۔ اُن کی شاعری بالکل رسمی اور اُس دور کی مروجہ فن پرستی کی سختی سے پابند ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کے نام و کلام کی اہمیت کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ وہ بھی اس قسم کے فنکاروں میں تھے جو صرف اپنے دور کے لئے ہوتے ہیں۔

حکیم مومن خاں مومن (۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۱ء)

اُردو غزل کو سنوارنے اور سدا بہار نکھار بخشنے والوں میں مومن دہلوی کو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ایسا امتیاز حاصل ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ مومن کے فن نے صنف غزل کی لطافت جذبہ انگیزی اور اثر آفرینی کو اعلیٰ مہارت فن اور شان دار انفرادی روایات کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔

مومن حیرت انگیز ذہانت کے انسان تھے طبیعت میں قیامت کی اپج اور حافظہ اتنا زبردست تھا کہ جو بات سنتے فوراً یاد ہو جاتی تھی۔ عربی و فارسی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ فن طب خاندانی میراث تھی، نجوم میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ ان کی پیشین گوئیاں سن کر بڑے بڑے ماہرین نجوم حیران رہ جاتے تھے۔ شطرنج میں بھی استادانہ مہارت حاصل کر لی تھی بڑے خوب رو خوش وضع اور خوش پوشاک تھے، طبیعت میں بڑی نفاست اور مزاج میں بڑی مستی اور رنگینی تھی۔ عاشقانہ مزاج اور دہلی کے گلی کوچے، تمنا کے خاکے میں خوب خوب رنگ ابھرے، میکدوں کا جوبن خوب خوب نکھرا۔ نگاہ کی لگاوٹ نے خوب خوب بہار آفرینی کی۔ جوانی کے ساتھ ساتھ رندی و ہوسناکی کا دور بھی ختم ہو گیا۔ اور دین داری کا شوق بڑے شد و مد سے ابھر آیا۔ یوں عقائد میں وہ ابتدا ہی سے بڑے پختہ موحد تھے۔ جوانی ہی میں سید احمد شہید کے مرید ہو گئے تھے اور تادم مرگ یہ عقیدت باقی رہی بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس میں علمی پختگی آتی گئی، بڑے خود دار، قانع طبیعت اور انانیت پسند انسان تھے۔ امیروں اور رئیسوں کی خوشامد اور دربار داری سے انھیں سخت نفرت تھی۔ اپنی قابلیت اور جوہر ذاتی کا انھیں اس درجہ پاس و لحاظ تھا کہ بڑے سے بڑے باکمال کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

مومن کی طبیعت میں شعر گوئی کا فطری جوہر تھا۔ عاشقانہ مزاجی نے اس جوہر کو خوب چمکایا۔ اس رنگ کو خوب نکھارا۔ مومن کے دور کی دہلی۔ علم و کمال کے رنگ پر آئی ہوئی محفل تھی۔ دم توڑنے سے پہلے غم نصیب دہلی کا آخری سنبھالا تھا۔ غالب، ذوق آزرد اور صہبائی جیسے باکمالوں کے ہاتھوں علم و ادب کا نصیبہ جاگ اٹھا تھا ——

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ظہورِ کمال کے لیے فضا، یہ ہر انداز ساز گار تھی۔ مومن کے امتیاز فن نے اس بزم علم و کمال میں آسمان سے تارے توڑ کر بکھیر دیے ـــــ شعر گوئی کے ابتدائی دور میں انھوں نے شاہ نصیر سے اصلاح لی۔ لیکن یہ سلسلہ چند روزہ تھا، خداداد استعداد نے مومن کی رہبری کی۔ مشق و ریاض نے راہِ کمال طے کرائی اور فکر کی دلیرانہ یلغار نے مومن کو نامور ان ادب کی صف اول میں پہونچا دیا۔

مومن کے ذوق اختراع نے بڑی انفرادیت کے ساتھ کمال آفرینی کی ہے، تاریخ گوئی میں انھوں نے ذہانت اور مشاقی فن کو عجیب عجیب انداز سے ہویدا کیا ہے، ان کے دیوان میں چھ مثنویاں اور مختلف اصنام کا کلام موجود ہے۔ اس سے ان کی قوت شعر گوئی اور قادر الکلامی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ مومن کا حقیقی امتیاز کمال ان کا طرز غزل گوئی ہے، جس نے بڑے اعلیٰ معیار کی شعری روایات قائم کر دی ہیں۔ مومن کی فکر بلند، خیال آفریں اور اپنی راہ آپ بنانے والی تھی۔ پامال اور فرسودہ راہوں سے ان کی طبیعت گریز کرتی ہے ان کی دنیا مستی فکر کی دنیا ہے، تجربات محبت کے سینے میں در آجانیوالی نگاہ کی دنیا ہے اس سوز و کرب اور کیف باطن کی دنیا ہے جو زندہ جاندار اور توانا محبت کے فیضان سے سرمایہ فکر و خیال بن جاتی ہے ـــــ دل کی گہرائیوں سے ابھر کر فکر توانا کی آنچ سے روشنی، نکھار اور رنگِ جلال حاصل کر لینے والی پر وقار شوریدہ سری مومن کی جذبات نگاری میں کمال شعریت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ فارسی کے رچے ہوئے مذاق اور اعلیٰ شوق ایجاد نے ان کے تخیل کو سطح عام سے بلند کر کے نازک خیالی اور مضمون آفرینی کا گہوارہ بنا دیا ہے ـــــ میں نے اپنے ایک مضمون میں کلام مومن پر اظہارِ خیال کی جرأت کرتے ہوئے لکھا تھا "مومن کے خیالات و جذبات کی دنیا عام راہوں سے الگ اور بہت بلند ہے اس کے یہاں فکر و جذبہ کی ایک نرالی شان ہے ایک خاص قسم کی محویت ہے، درد کی کسک بھی ہے اور دل کی تڑپ بھی لیکن ایک بلند

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

انداز لیے ہوئے مومن کے خیال نے رنگینیوں کی ایک دنیا بنائی تھی جہاں وہ کھو جاتا ہے۔ مومن کے فکر غزل گوئی کے عام معیار سے اس قدر الگ ہے کہ بہت دنوں تک اس کے کلام کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کیا گیا۔ لیکن اب ہم اس کے فن کی حقیقی عظمت اور اہمیت سے باخبر ہوتے جارہے ہیں۔"

مومن کے مشہور تلامذہ میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ مصنف گلشن بیخار۔ اور نسیم دہلوی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

ذوق دہلوی (متوفی ۱۸۵۴ء)

دبستان دہلی میں ذوق کے نام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ محمد ابراہیم نام اور ذوق تخلص تھا۔ ایک غریب سپاہی محمد رمضان کے لڑکے تھے شعر و شاعری کا ذوق بچپن میں نمایاں ہو گیا تھا۔ پہلے اپنے معلم حافظ غلام رسول کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔ اس زمانہ میں شاہ نصیر دہلوی کا طوطی بول رہا تھا۔ ذوق بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ شوق طبیعت نے حصولِ فن کے لیے بڑی گرم جوشی اور مستعدی پیدا کی۔ دل لگا کر محنت کی، ان کی شاعرانہ مقبولیت روز بروز بڑھنے لگی۔ بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں ان کا وقار اتنا بلند ہو گیا کہ قلعہ معلیٰ تک رسائی ہو گئی اور خود دلی عہد سلطنت ظفر دہلوی ان سے اصلاح لینے لگے۔ دربار میں آخر دم تک ان کا بڑا اعزاز رہا۔ خاقانی ہند کا خطاب ملا۔ ایک ہاتھی مع ہودہ نقرئی بھی عطا ہوا۔ غدر کے حادثۂ عظیم سے تین برس پہلے جہان فانی سے کوچ کیا۔ دہلی کے ایسے دلدادہ تھے کہ بڑے سے بڑے مالی فائدوں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی توقعات بھی ان سے دہلی نہ چھڑا سکیں۔

ذوق بڑے نیک، پاک باز، بامروت، خلیق اور رحم دل انسان تھے۔ علم و ادب سے انھیں فطری شغف تھا۔ فن کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور جاں فشانی میں ذہنی لذت محسوس کرتے تھے۔ ذوق محض اپنے جوہر ذاتی اور مشق و ریاض کی بدولت اس مرتبہ کمال پر پہونچے۔ ورنہ شاہی امارت کے دور میں ایک غریب سپاہی زادہ کی حیثیت کیا۔

ذوق کا بہت سا کلام غدر میں تلف ہو گیا۔ جو کچھ بچ گیا اسے ان کے سعادت مند شاگرد اور اردو کے مایہ ناز انشا پرداز محمد حسین آزاد نے بڑی محنت اور اہتمام سے ترتیب دیکر شایع کر دیا۔

ذوق کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن کی ستھرائی، نفاست اور سلیقہ مندی کا بڑا واضح اور پختہ تصور رکھتے تھے۔ زبان کو صاف شگفتہ اور شستہ و رفتہ کرنے میں ان کا کمال بہت قابل قدر ہے انھوں نے محاورات، ضرب الامثال اور روزمرہ کو بڑی حسن آرائی اور معنی آفرینی کے ساتھ شاعری میں جگہ دی ہے اور اسطرح بڑی خوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ عوامی زبان کو ادبی وقار بخشا ہے، ذوق کی کوششوں نے دہلی کی ٹکسالی زبان کا ایک واضح ادبی معیار قائم کر دیا۔ ان کی غزلوں میں زبان کے حسن اور بیان کے لطف نے وقتی سہی لیکن ایک دلکشی پیدا کر دی ہے اخلاقی مضامین انھوں نے کثرت سے نظم کئے ہیں، اور ذوق تصوف سے بھی کلام کو سنوارا ہے لیکن غزل کے لیے جس کیف طبیعت، سپردگی اور سوز باطن کی ضرورت ہے اس کی ذوق کے یہاں نمایاں کمی ہے ——— قدرت کلام اور لطافت زبان کے لیے ان کی داد تحسین بالکل بجا ہے ——— لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کے یہاں وہ شے بہت کم ہے جسے تغزل کہتے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ذوق کا حقیقی میدان قصیدہ گوئی ہے اس صنف میں سودا کے بعد انھیں کا مرتبہ ہے قصیدہ میں تخیل کے زور، بیان کے شکوہ، مضمون آفرینی کی بہار، فن کی چابک دستی اور علمیت دکھانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ ذوق میں یہ سب خوبیاں اچھے توازن و تناسب کے ساتھ موجود تھیں ـــــ قصیدہ نگاری میں انھوں نے خوب کمال دکھایا ہے، ذوق کے قصیدوں میں عالمانہ وزن و وقار ہے ـــــ بیان کی دلآویز آرائش ہیں۔ مضمون آفرینی کے کمالات ہیں الفاظ کے بچھاؤ اور سجاوٹ، ترکیبوں کی چست بندش، تشبیہوں اور استعاروں کی تلاش میں قوت نظم کا بہ شانِ ندرت و صنعت ظہور ذوق کا کلام، آتش کے اس معیارِ سخن پر بہ ہمہ وجوہ پورا اترتا ہے کہ ؎

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

زبان کی سادگی اور شگفتگی اور بیان کی روانی کہیں کہیں کلام میں بڑا خوش گوار ترنم پیدا کر دیتی ہے۔ قصیدہ نگاری میں ذوق و سودا کا مقابلہ بھی ہمارے تنقیدی موضوعات میں ایک دلچسپ موضوع ہے یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سودا کی حیثیت ذوق سے بلند ہے۔ سودا کو ذوق کی بہ نسبت کہیں زیادہ روحِ فن میں گہری بصیرت حاصل تھی ـــــ سودا کی فکر میں جو رسائی، تیزی اور گیرائی ہے وہ ذوق کے یہاں نہیں ملتی ـــــ بہ اعتبار جامعیت فن سودا کو ذوق پر نمایاں فضیلت حاصل ہے۔

ذوق کے شاگردوں میں داغ، ظفر، آزاد، ظہیر اور انور بہت مشہور ہوئے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

غالب

اردو ادب کی تاریخ میں، غالب ایک ایسا امتیاز رکھتے ہیں جو بہت کم شاعروں کے حصے میں آیا ہے۔ وہ پرانے دور کے خاتم اور نئے زمانے کے پیش رو تھے۔ ان کی فکر میں نئی روشنی کی صاف جلوہ گری ہے انھوں نے فن کی مہارت اور ذہن کی اپج کے ساتھ، ادب میں انقلاب کے لیے زمین ہموار کی اور اردو شاعری کے چھپے ہوئے امکانات کو ایسے بلیغ انداز میں اجاگر کیا کہ بعد میں آنے والوں کے سامنے حوصلہ مندی کی راہیں کھل گئیں۔

اسد اللہ خاں نام اور مرزا نوشہ لقب تھا۔ پہلے اسد تخلص کرتے تھے، بعد میں غالب ہو گئے۔ ۱۷۹۶ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ غالب کو اپنے عالی خاندان ہونے پر بڑا ناز تھا ——— ان کا خاندانی سلسلہ ایبک ترکمانوں سے ملتا ہے۔ جو اپنے کو افراسیاب اور فریدوں کی نسل سے بتاتے تھے۔ غالب کے دادا ہندوستان آئے اور شاہ عالم کے دربار میں بڑی عزت حاصل کی۔ ان کے والد ایک متلون مزاج آدمی تھے لکھنؤ، حیدرآباد، الور مختلف ریاستوں میں ملازم رہے اور کہیں جم کر نہ بیٹھے۔ غالب کا سن پانچ برس کا تھا کہ ان کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے۔ والد کے انتقال کے بعد مرزا کی پرورش اور تربیت کا بار ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کے سر پڑا جنھیں خدمات کے صلے میں انگریزی سرکار سے جاگیر مل گئی تھی۔ غالب ۹ برس کے تھے کہ ان کے چچا کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کی پرورش ننہال میں ہوتی رہی۔ چچا کے وارثوں کو پنشن ملی غالب کو بھی سات سو روپیہ سالانہ ملتا رہا پنشن ہی کے سلسلے میں مرزا ۱۸۳۰ء میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کلکتہ بھی گئے تھے۔ راستہ میں لکھنؤ اور بنارس میں بھی قیام کیا۔ ۱۸۴۹ء میں بہادر شاہ ظفر نے پچاس روپے ماہوار اور خلعت مقرر کر دی۔ ذوق کے انتقال کے بعد بادشاہ کے کلام پر اصلاح دینے کا کام ان کے سپرد ہوا یہ سلسلہ زیادہ دنوں نہ چل سکا غدر میں مرزا بھی معتوبین کے زمرہ میں آ گئے لیکن بعد میں ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی، اور سابقہ عزت بھی ملی اور پنشن بھی بحال ہو گئی۔ غالب نواب رام پور کے استاد بھی تھے جو انھیں تادم آخر سو روپیہ مہینہ بطور وظیفہ دیتے رہے۔ ۱۸۶۹ء میں جب ان کا سن تہتر برس کا تھا انتقال کیا۔

غالب بڑے زندہ دل، شگفتہ مزاج اور با اخلاق تھے۔ اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ رندی اور فراخ مشربی ان کا مسلک تھا۔ تعصب اور مذہبی تنگ نظری کا ان کے قریب گزر نہیں تھا جتنے صاف باطن تھے اتنے ہی صاف گو بھی تھے۔ اپنی وضع کے بہت پابند اور اصول کے بہت پکے تھے۔ فارسی سے غالب کو دلی مناسبت تھی اُنھوں نے بڑی ریاض سے فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی تھی۔ فارسی نظم و نثر دونوں ان کے قلم سے یکساں سیراب ہوئیں ان کی فارسی نظم گوئی اعلیٰ پایہ کی مہارت اور نزاکتِ فن سے بہرہ ور ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی جاوداں عظمت کا انحصار، ان کے اردو دیوان پر ہے غالب نے اردو غزل گوئی کو جذبات و خیالات کے نازک نفسیاتی اظہار کی اعلیٰ ترین سطح پر پہونچا دیا۔ غالب ایک "ہمہ رنگ" قسم کے آدمی تھے۔ کہیں وہ فلسفی معلوم ہوتے ہیں کہیں موجِ روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کہیں رندی و سرمستی کے ترانے الاپتے ہیں۔ اور کہیں باغبانہ تیور کے ساتھ صدیوں کی بنی بنائی روایتوں اور قدروں پر استہزا کرتے ہیں لیکن بہر حال میں ان کا یہ امتیازی وصف نمایاں رہتا ہے کہ جو چیز بھی ان کے قلم سے نکلی ہے گہری فکر کی آنچ میں تپی ہوئی معلوم ہوتی ہے دنیا کو انھوں نے ہوشمندی کی نگاہ سے دیکھا بھی اور جذبہ کی گرمی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے ساتھ برتا بھی۔ ان کے بالغ اور پختہ ہوئے مذاق نے تجربوں اور مشاہدوں کو پنہاں احساسات کے ساتھ اس حسن کاری اور تخیل کی رعنائی کے ساتھ سمویا ہے کہ ان میں بلا کی وسعت اور باعتبار اثر غضب کی گہرائی پیدا ہو گئی ہے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی فکر انسانی نفسیات کے پیچ و خم پر بڑی گہری تھی۔ اسی لیے ان کے یہاں محبت کے تجربے نفسیات کے لطیف نکات بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ غالب کی فکر میں ایک شوخی ہے۔ یہ شوخی محض بیان تک محدود نہیں ہے۔ خیالات و جذبات بھی اس کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ عام راہوں سے ہٹ کر چلنا اور نگاہ کی عام گذرگاہوں سے بچ کر بالکل نئے رُخ سے دیکھنا غالب کی طبیعت کا خاصہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے تجربات بالکل نادر نظر آتے ہیں۔ اور ان تجربات کے بیان کے لیے جو الفاظ، ترکیبیں اور بیان کے اسلوب انھوں نے تراشے ہیں وہ خالص ان کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ غالب اقبال کی طرح فلسفی نہیں تھے یہ نگاہ کی ندرت اور گہرائی ہے جس نے ان کے کلام کو فلسفیانہ شان دے دی ہے غزل اپنی فطرت اور ساخت کے اعتبار سے تفصیل اور طویل خیال کو پیش کرنے سے معذور رہی ہے۔ اس کا ہر شعر کسی مختصر بات یا کسی بڑی بات کے ایک پہلو کو ادا کرتا ہے اپنے اصلی اور اعلیٰ معیار پر پہونچ کر غزل خیالات اور جذبات کے جوہر اور نچوڑ کے اظہار کا موثر ترین ذریعہ بن جاتی ہے غزل کو حقیقی معنی میں صرف وہی شاعر برت سکتے ہیں جو وسیع تجربات کو سمیٹ کر موثر لطیف نکتے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں غالب کے کلام نے غزل کے جوہر پسند وصف اور ہمہ گیر اثر پذیری کو بڑے نازک فلسفیانہ انداز سے نمایاں کیا ہے۔ اسی نکتہ میں غالب کی حقیقی عظمت کا راز پنہاں ہے، اس کے شعر بالکل یکساں انداز میں، زندگی کی سادہ سے سادہ اور نازک سے نازک SITUATION پر اس بھرپور انداز میں چسپاں ہوتے ہیں۔ گویا وہ اسی موقع کے لیے کہے گئے ہیں۔ یہ عمومیت اور اثر کی یہ گیرائی فن کا لافانی اعجاز ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

غالب نے قصائد بھی لکھے ہیں۔ قصائد میں ان کی طبیعت کا بانکپن اور تخیل کی جدت و شوخی خوب خوب نمایاں ہوئی ہے۔ تلاشِ مضمون میں بھی خوب خوب ندرتیں دکھائی ہیں اور قدرتِ بیان کا بھی خوب خوب مظاہرہ کیا ہے ــــ، کہیں کہیں طبیعت کا فلسفیانہ رنگ بڑے شان دار انداز میں جھلک پڑا ہے لیکن قصیدہ انکی حقیقی شاعرانہ عظمت کا میدان نہیں ہے۔

غالب کی ذہانت اور اختراع پسندی نے اردو نثر میں بھی ایک نئی راہ دکھائی ہے انھوں نے سادہ نگاری کے فن کو ایسے دلکش ادبی انداز میں برتا کہ وہ نثر میں بھی جدید دور کے پیشرو بن گئے۔ غالب کا فن اردو ادب کے معرکہ آرا فتوحات میں ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد، دہلی اور لکھنؤ اسکول کی شعری روایتوں کو زندہ رکھنے والوں میں داغ امیر اور جلال نے خاص حیثیت حاصل کر لی، ذیل میں ہم ان تینوں شاعروں کی زندگی کے مختصر حالات اور کلام پر مختصر تبصرہ پیش کئے دیتے ہیں۔

داغ

نواب مرزا خاں داغ ۱۸۳۱ء میں دلی میں پیدا ہوئے چھ سات برس کے تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہو گیا۔ داغ کی والدہ نے بہادر شاہ کے فرزند مرزا فخرو سے نکاح کر لیا۔ ماں کے ساتھ یہ بھی لال قلعہ پہونچے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے ساتھ برتا بھی۔ ان کے بالغ اور پختہ ہوئے مذاق نے تجربوں اور مشاہدوں کو پنہاں احساسات کے ساتھ اس حسن کاری اور تخیل کی رعنائی کے ساتھ سمویا ہے کہ ان میں بلا کی وسعت اور باعتبار اثر غضب کی گہرائی پیدا ہوگئی ہے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی فکر انسانی نفسیات کے پیچ وخم پر بڑی گہری تھی۔ اسی لیے ان کے یہاں محبت کے تجربے نفسیات کے لطیف نکات بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ غالب کی فکر میں ایک شوخی ہے۔ یہ شوخی محض بیان تک محدود نہیں ہے۔ خیالات وجذبات بھی اس کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ عام راہوں سے ہٹ کر چلنا اور نگاہ کی عام گذرگاہوں سے بچ کر بالکل نئے رُخ سے دیکھنا غالب کی طبیعت کا خاصہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے تجربات بالکل نادر نظر آتے ہیں۔ اور ان تجربات کے بیان کے لیے جو الفاظ، ترکیبیں اور بیان کے اسلوب انھوں نے تراشے ہیں وہ خالص ان کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ غالب اقبال کی طرح فلسفی نہیں تھے یہ نگاہ کی ندرت اور گہرائی ہے جس نے ان کے کلام کو فلسفیانہ شان دے دی ہے غزل اپنی فطرت اور ساخت کے اعتبار سے تفصیل اور طویل خیال کو پیش کرنے سے معذور رہی ہے۔ اس کا ہر شعر کسی مختصر بات یا کسی بڑی بات کے ایک پہلو کو ادا کرتا ہے اپنے اصلی اور اعلیٰ معیار پر پہونچ کر غزل خیالات اور جذبات کے جوہر اور نچوڑ کے اظہار کا موثر ترین ذریعہ بن جاتی ہے غزل کو حقیقی معنی میں صرف وہی شاعر برت سکتے ہیں جو وسیع تجربات کو منتخب کر موثر لطیف نکتے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں غالب کے کلام نے غزل کے جوہر پسند وصف اور ہمہ گیر اثر پذیری کو بڑے نازک فلسفیانہ انداز سے نمایاں کیا ہے۔ اسی نکتہ میں غالب کی حقیقی عظمت کا راز پنہاں ہے، اس کے شعر بالکل یکساں انداز میں، زندگی کی سادہ سے سادہ اور نازک سے نازک SITUATION پر اس بھرپور انداز میں چسپاں ہوتے ہیں۔ گویا وہ اسی موقع کے لیے کہے گئے ہیں۔ یہ عمومیت اور اثر کی یہ گہرائی فن کا لافانی اعجاز ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

غالب نے قصائد بھی کہے ہیں۔ قصائد میں ان کی طبیعت کا بانکپن اور تخیل کی جدت و شوخی خوب خوب نمایاں ہوئی ہے۔ تلاشِ مضمون میں بھی خوب خوب ندرتیں دکھائی ہیں اور قدرتِ بیان کا بھی خوب خوب مظاہرہ کیا ہے ــــ، کہیں کہیں طبیعت کا فلسفیانہ رنگ بڑے شان دار انداز میں جھلک پڑا ہے لیکن قصیدہ انکی حقیقی شاعرانہ عظمت کا میدان نہیں ہے۔

غالب کی ذہانت اور اختراع پسندی نے اردو نثر میں بھی ایک نئی راہ دکھائی ہے انھوں نے سادہ نگاری کے فن کو ایسے دلکش ادبی انداز میں برتا کہ وہ نثر میں بھی جدید دور کے پیشرو بن گئے۔ غالب کا فن اردو ادب کے معرکہ آرا فتوحات میں ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد، دہلی اور لکھنؤ اسکول کی شعری روایتوں کو زندہ رکھنے والوں میں داغ امیر اور جلال نے خاص حیثیت حاصل کر لی، ذیل میں ہم ان تینوں شاعروں کی زندگی کے مختصر حالات اور کلام پر مختصر تبصرہ پیش کئے دیتے ہیں۔

داغ

نواب مرزا خاں داغ ۱۸۳۱ء میں دلّی میں پیدا ہوئے چھ سات برس کے تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہو گیا۔ داغ کی والدہ نے بہادر شاہ کے فرزند مرزا فخرو سے نکاح کر لیا۔ ماں کے ساتھ یہ بھی لال قلعہ پہونچے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

جہاں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ قلعہ کی فضا شاعرانہ زمزمہ سنجیوں سے معمور تھی۔ ماحول کے اثر نے داغ کے جوہر کو چمکایا۔ استاد ذوق کے شاگرد ہوئے اور ان کے فیض صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ——— بہت جلد اس راہ میں چل نکلے اور تھوڑے ہی دنوں کی مشق سے پختہ کار استاد ہوگئے۔ ۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو کے انتقال کے بعد ان کو اپنی ماں کے ساتھ قلعہ چھوڑنا پڑا۔ اور ایک سال بعد ہنگامہ غدر نے دہلی چھڑا دی۔ رام پور پہونچے، یہاں بڑی قدر و منزلت ہوئی، نواب کلب علی خاں ولی عہد ریاست کے مصاحب مقرر ہوئے اور داروغہ اصطبل کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ کلب علی خاں کی زندگی میں داغ کہیں نہ گئے۔ ان کے انتقال کے بعد حیدر آباد آئے۔ یہاں بھی ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ نظام دکن میر محبوب علیخاں کے استاد مقرر ہوئے۔ بڑی تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً انعامات بھی پاتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں بعارضہ فالج حیدر آباد میں انتقال کیا۔

تصانیف میں چار دیوان، ایک مثنوی اور اس کے علاوہ قصائد، قطعات اور رباعیات بھی ہیں۔ دہلی کی تباہی پر ایک موثر شہر آشوب لکھا جو بہت مشہور ہوا۔ داغ کی طبیعت میں غضب کا بانکپن اور زندگی میں قیامت کی چونچالی تھی، زندگی کی لذتوں سے بحد طلب بہرہ اندوز ہوئے طبیعت کی یہی چونچالی یہی بانکپن رندانہ بدمستیوں کی یہی لطیف چھیڑ چھاڑ، کلام میں بکھری نظر آتی ہے۔ داغ کے شعری آہنگ میں نہ فلسفہ کی گہرائی ہے نہ دل میں نوک نشتر بن کر رہ جانے والی نظر ان کی دنیا، خواہش دل کے کامیاب تجربوں اور لذت طلبی کی واردات کی دنیا ہے اس دنیا کے رموز و کیف میں ان کی نظر ماہرانہ ہے اور ان کی شاعری کا جادو اس نظر کا آفریدہ ہے بعض اوقات کلام میں بہت سطحیت آگئی ہے۔ داغ کی کامیاب شعر گوئی کا بڑا راز ان کی زبان میں مضمر ہے۔ عربی و فارسی کے نامانوس، موٹے موٹے الفاظ، دور از کار تشبیہوں اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

استعاروں اور پیچیدہ اسلوب بیان سے انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ گریز کیا ہے سادہ زبان میٹھے رسیلے الفاظ، ترنم میں ڈوبا ہوا لہجہ اور لطیف جھنکار پیدا کرنے والا آہنگ یہ ہے داغ کا انداز شعر گوئی محاوروں کے برتنے پر انھیں حاکمانہ قدرت تھی اور محاوروں کے برمحل استعمال سے انھوں نے بیان میں خوب خوب لذت آفرینی کی ہے۔ ذوق نے زبان میں سادگی اور صفائی پیدا کرنے کا جو اصلاحی عمل شروع کیا تھا داغ نے استادانہ مہارت کے ساتھ اسے نقطۂ عروج پر پہونچا دیا۔ داغ کو جو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا خاص سبب ان کا لطیف انداز بیان ہے جو زبان کی سادگی اور پرکاری کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔

امیر مینائی

داغ اور امیر شاعری کے میدان میں حریفانہ حیثیت سے ممتاز رہے داغ دہلی کے چمن خوشنوائی کے بلبل ہندوستان تھے اور امیر کے دم سے دبستان لکھنؤ کی آخری بہار قائم تھی۔ امیر احمد نام اور امیر تخلص تھا۔ لکھنؤ میں بعہد بادشاہ نصیر الدین حیدر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی اور عربی و فارسی علوم کی تحصیل فرنگی محل میں کی۔ طب، نجوم، جفر وغیرہ سے بھی واقفیت حاصل کی لکھنؤ اس زمانہ علم و فن اور شعر و سخن کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ شاعری کا گھر گھر چرچا تھا اور ساری فضا شاعرانہ زمزمہ سنجیوں سے گونج رہی تھی۔ امیر نے بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کوچہ میں قدم رکھا۔ آسیر کے شاگرد ہوئے۔ مہربان استاد نے ہونہار شاگرد کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ استاد کے ساتھ واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی حاصل

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہوئی دو کتابیں "ارشاد السلطان" اور "ہدایت السلطان" لکھ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کیں، اور خلعت سے بہرہ یاب ہوئے قیصر باغ کی رنگ رلیاں امیر جیسے دین دار، صاحب شریعت کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ جا بجا کلام میں یہ رنگ رلیاں، بے اختیار جھلک پڑتی ہیں۔ واجد علی شاہ کی معزولی کے ساتھ لکھنؤ کی رونق بھی رخصت ہو گئی، جو کچھ رہ گیا تھا وہ ہنگامہ غدر کی نذر ہو گیا امیر کو بھی لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ مختلف جگہ پھرتے پھراتے رام پور پہونچے۔ یہاں بڑی عزت ہوئی، نواب رام پور کلام پر اصلاح لینے لگے۔ امیر نے بڑی طویل مدت رام پور میں گذار دی۔ اخیر عمر میں حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد میں چند ہی دن گذرے تھے کہ موت نے اپنی آغوش میں لے لیا ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا۔

امیر بڑے پایہ کے عالم تھے۔ شاعری کے علاوہ ان کی دوسری علمی و ادبی خدمات بھی بہت قابلِ قدر ہیں۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ان کی ناتمام نعت "امیر اللغات" ہے جس سے ان کے علمی مرتبہ، جامعیت اور جاں فشانی کا بخوبی پتہ چلتا ہے "بہار ہند" اردو محاورات و الفاظ کی ایک مختصر نعت ہے جس کو امیر اللغات کا نقشِ قدم اول کہنا چاہیئے "سرمۂ بصیرت" ایسے عربی و فارسی الفاظ کی فرہنگ ہے۔ جو اردو میں غلط استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا صحیح طریقہ استعمال معہ اسناد بتایا ہے انتخاب یادگار کے نام سے انھوں نے نواب کلب علی خاں کے حکم سے رام پور کے شعرائے اردو کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ خیابان فارس نثر میں مولود شریف ہے شاعری میں بھی ان کے کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے امیر کی طبیعت میں مذہبی جوش کا ایک خاص ظہور ہے ان کی دو مثنویاں "صبح تجلی" اور "ابر کرم" اور کئی مسدس مذہبی جذبات سے لبریز ہیں "محامد خاتم النبیین" کے نام سے ان کا ایک نعتیہ دیوان بھی ہے۔ فضائد اور واسوخت کے اصناف کو بھی امیر کی جولانی طبع نے سیراب کیا ہے۔ امیر کے واسوخت ماحول کی بڑی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دلکش تصویر پیش کرتے ہیں غزل گوئی کے میدان میں امیر داغ کے حریف رہے ان کے پہلے دیوان "مراۃ الغیب" میں لکھنؤ کی شاعری خصوصیات پورے طور پر نمایاں ہیں۔ کلام میں کم مشقی کی ناپختگی بھی ہے۔ دوسرا دیوان داغ کے طرز سخن وری پر ہے اور اس میں اعلیٰ تخیل، سلاست و روانی اور دلکش عاشقانہ ترکیبیں بہ کثرت موجود ہیں۔ امیر نے بڑی شاعرانہ زور آوری کے ساتھ داغ کے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر کے شیوۂ گفتار کی طرح داغ کا شیوۂ گفتار بھی انھیں کے بس کی بات ہے۔ امیر اچھے معیار کی شاعرانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ مختلف اصناف نظم پر ان کو قدرت حاصل ہے۔ شگفتگی، لطافت خیال، زور بیان، شاعرانہ صنعت کی اکثر و بیشتر خصوصیات ان کے یہاں بڑے حسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں، تصوف کی چاشنی بھی موجود ہے اور کہیں کہیں اس سے کلام میں دل کی تڑپ پیدا ہو گئی ہے۔ امیر کا کلام عام طور سے صاف اور سلیس ہے اور روزمرہ اور محاورات کے لحاظ سے لکھنؤ کی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔

جلال لکھنوی

سید ضامن علی جلال حکیموں کے ایک نامور خاندان میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر حاصل کی۔ طب کی طرف بھی توجہ رکھی لیکن زیادہ انہماک شاعری کی طرف رہا۔ پہلے علی اوسط رشک اور پھر برق سے کلام پر اصلاح لی۔ طبیعت شعر گوئی کے لیے موزوں لائے تھے۔ لکھنؤ کے رنگین ماحول اور باکمال شعراء کی صحبت نے اس دور کو چمکایا۔ مشاعروں میں شریک ہونے لگے اور داد سخن پانے لگے ۱۸۵۷ء

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہوئی دو کتابیں "ارشاد السلطان" اور "ہدایت السلطان" لکھ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کیں، اور خلعت سے بہرہ یاب ہوئے قیصر باغ کی رنگ رلیاں امیر جیسے دین دار، صاحب شریعت کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ جا بجا کلام میں یہ رنگ رلیاں، بے اختیار جھلک پڑتی ہیں۔ امجد علی شاہ کی معزولی کے ساتھ لکھنؤ کی رونق بھی رخصت ہوگئی، ہو کچھ رہ گیا تھا وہ ہنگامہ غدر کی نذر ہو گیا امیر کو بھی لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ مختلف جگہ پھرتے پھراتے رام پور پہونچے۔ یہاں بڑی عزت ہوئی، نواب رام پور کلام پر اصلاح لینے لگے۔ امیر نے بڑی طویل مدت رام پور میں گذار دی۔ اخیر عمر میں حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد میں چند ہی دن گذرے تھے کہ موت نے اپنی آغوش میں لے لیا ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا۔

امیر بڑے پایہ کے عالم تھے۔ شاعری کے علاوہ ان کی دوسری علمی و ادبی خدمات بھی بہت قابلِ قدر ہیں۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ان کی ناتمام نعت "امیر اللغات" ہے جس سے ان کے علمی مرتبہ، جامعیت اور جاں فشانی کا بخوبی پتہ چلتا ہے "بہار ہند" اردو محاورات و الفاظ کی ایک مختصر نعت ہے جس کو امیر اللغات کا نقشِ قدم اول کہنا چاہیئے "سرمۂ بصیرت" ایسے عربی و فارسی الفاظ کی فرہنگ ہے۔ جو اردو میں غلط استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا صحیح طریقۂ استعمال معہ اسناد بتایا ہے انتخاب یادگار کے نام سے انھوں نے نواب کلب علی خاں کے حکم سے رام پور کے شعرائے اردو کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ خیابان فارس نثر میں مولود شریف ہے شاعری میں بھی ان کے کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے امیر کی طبیعت میں مذہبی جوش کا ایک خاص ظہور ہے ان کی دو مثنویاں "صبح تجلی" اور "ابر کرم" اور کئی مسدس مذہبی جذبات سے لبریز ہیں "محامد خاتم النبیین" کے نام سے ان کا ایک نعتیہ دیوان بھی ہے۔ فضائد اور واسوخت کے اصناف کو بھی امیر کی جولانی طبع نے سیراب کیا ہے۔ امیر کے واسوخت ماحول کی بڑی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دلکش تصویر پیش کرتے ہیں غزل گوئی کے میدان میں امیر داغ کے حریف رہے ان کے پہلے دیوان "مراۃ الغیب" میں لکھنؤ کی شاعری خصوصیات پورے طور پر نمایاں ہیں۔ کلام میں کم مشقی کی ناپختگی بھی ہے۔ دوسرا دیوان داغ کے طرز سخن وری پر ہے اور اس میں اعلیٰ تخیل، سلاست و روانی اور دلکش عاشقانہ ترکیبیں بہ کثرت موجود ہیں۔

امیر نے بڑی شاعرانہ زور آوری کے ساتھ داغ کے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر کے شیوۂ گفتار کی طرح داغ کا شیوۂ گفتار بھی انھیں کے بس کی بات ہے۔ امیر اچھے معیار کی شاعرانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ مختلف اصناف نظم پر ان کو قدرت حاصل ہے۔ شگفتگی، لطافتِ خیال، زور بیان، شاعرانہ صنعت کی اکثر و بیشتر خصوصیات ان کے یہاں بڑے حسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں، تصوف کی چاشنی بھی موجود ہے اور کہیں کہیں اس سے کلام میں دل کی تڑپ پیدا ہو گئی ہے۔ امیر کا کلام عام طور سے صاف اور سلیس ہے اور روزمرہ اور محاورات کے لحاظ سے لکھنؤ کی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔

جلال لکھنوی

سید ضامن علی جلال حکیموں کے ایک نامور خاندان میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر حاصل کی۔ طب کی طرف بھی توجہ رکھی لیکن زیادہ انہماک شاعری کی طرف رہا۔ پہلے علی اوسط رشک اور پھر برق سے کلام پر اصلاح لی۔ طبیعت شعر گوئی کے لیے موزوں لائے تھے۔ لکھنؤ کے رنگین ماحول اور باکمال شعراء کی صحبت نے اس دور کو چمکایا۔ مشاعروں میں شریک ہونے لگے اور داد سخن پانے لگے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے غدر کے بعد یہ بزم شعر و ادب منتشر ہو گئی۔ جلالؔ بھی کچھ دنوں کے بعد رام پور پہونچ گئے۔ جہاں امیرؔ و داغؔ تلمیذ۔ جیسے استادِ فن گرمیٔ صحبت پیدا کئے ہوئے تھے نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد ریاست منگرول چلے گیے۔ لیکن وہاں قیام بہت قلیل عرصہ رہا۔ لکھنؤ واپس آگئے اور ۱۹۰۹ء میں ۷۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

شاعری کے علاوہ جلالؔ نے زبان کی جو خدمت کی ہے وہ بہت قابل قدر ہے وہ ناسخؔ اسکول کے بڑے سخت پیرو تھے، الفاظ کی صحت، محاوروں کی درستی اور عروض و قواعد کے مسائل پر ہمہ وقت ان کی نگاہ رہتی تھی۔ زبان کو علمی نقطۂ نظر سے منظم کرنے میں انھوں نے بڑی قابلیت۔ کاوش اور جاں فشانی کا ثبوت دیا۔ بحیثیت ماہر زبان اپنے دور میں منصب استادی پر فائز ہو گئے۔ ان کی مشہور کتاب "سرمایۂ زبان اردو" اردو محاوروں کی ایک بہت مستند لغت ہے نیز اور زبان پر ان کی اور کتابیں بھی ہیں۔

جلالؔ ناسخؔ اسکول کے پیرو تھے اسی لیے ان کے یہاں بیان کی رعنائی و زیبائش اور الفاظ و محاورات پر بڑا زور صرف ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں تخیل کے بیباکانہ اور بلند عمل میں مزاحم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جلالؔ کی طبیعت میں سچی شعر گوئی کا مادّہ بھی تھا ــــــ ان کے کلام کو ایک حصّہ ایسا ہے جس میں پیرویٔ میرؔ کی صاف جھلک ہے، اور جس میں تغزل کی حقیقی شان موجود ہے۔ زبان کی سادگی کلام کی تاثیر اور خیال کی معنویت میں جو اشعار ڈوبے ہوئے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں جلالؔ نے قصیدہ نگاری میں بھی زور کلام دکھایا ہے لیکن اس صنف میں وہ کوئی خاص امتیاز نہیں پیدا کر سکے۔ علمی تصانیف کے علاوہ جلال کے چار دیوان ہیں، جو ان کی سخنورانہ مشاقی کے شاہد ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اردو نثر ۱۸۵۷ء تک

اردو نثر دکن میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اردو میں تصنیف و تالیف کے سلسلے کا آغاز دکن میں ہوا اور اس سے پہلے کہ شمالی ہند میں اردو، زبان کی صورت اختیار کر کے ادبی ثمر آفرینی کرے۔ دکن کے اہل کمال نے ایک شان دار ادبی ذخیرہ پیدا کر دیا دکنی ادب کے ابتدائی نقوش صوفیا کے قلم نے قائم کیے، ان بزرگوں نے مذہبی احکام اور روحانیت کے اسرار عوام تک پہونچانے کے لیے ملکی زبان کو وسیلہ بنایا۔ دکنی مذہبی ادب کا آغاز چودھویں صدی کے وسط یعنی بہمنی حکومت کے زمانۂ قیام سے ہو گیا تھا۔ دکنی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے ہم عہد بعہد کے مدارج ترقی اور ممتاز اہل قلم اور نامور ارباب ادب کی تحریروں اور کارناموں پر تبصرہ کر چکے ہیں یہاں ہم بہت اختصار کے ساتھ سلسلۂ ارتقاء کی باضابطگی کی خاطر دکن کے نثر نگاروں کا ذکر کریں گے۔

دکنی نثر کا بیشتر حصہ صوفیا کے مذہبی رسائل پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۱۳۲۱ء تا ۱۴۲۲ء) کا ہے انھوں نے دو مذہبی رسالے تصنیف کیے۔ معراج العاشقین اور ہدایت نامہ۔ معراج العاشقین کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ یہ اردو نثر کا قدیم ترین مطبوعہ نمونہ ہے۔ چودھویں صدی کے آخر میں خواجہ گیسو دراز کے پوتے سید عبداللہ حسینی نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے عربی رسالہ کا ترجمہ کر کے اس کی شرح بھی لکھی اسی زمانہ میں حضرت گیسو دراز کے ایک مرید نے اپنے مرشد کے ملفوظات کی شرح ہفت اسرار کے نام سے مرتب کی، دکن کے صوفی ادیبوں میں شاہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میراں جی شمس العشاق کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے ـــــ انھوں نے نظم کے علاوہ نثر کو بھی اپنے فیضان سے سیراب کیا۔ تین رسالے شرح مرغوب القلوب، گل باس، اور جل ترنگ ان کے نام کے ساتھ منسوب کیے جاتے ہیں، ان کے پوتے امین الدین اعلیٰ (۱۵۵۲ء تا ۱۶۰۵ء) کے رسائل نثر میں "گفتار حضرت شاہ امین" اور گنج مخفی بہت ہی اہم ہیں (۱۶۶۲ء میں مولوی عبد اللہ نے "احکام الصلوٰۃ" کے نام سے ایک فارسی مذہبی رسالہ کا ترجمہ کیا۔ جس میں نماز کے آداب اور خفیہ کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۶۶۸ء میں دکن کے ایک صوفی بزرگ میراں یعقوب نے حضرت خواجہ برہان الدین کی کتاب شمائل الاتقیا کا اردو میں ترجمہ کیا۔ شمائل الاتقیا کا نمایاں وصف زبان کی سادگی اور بیان کی دلکشی ہے۔

دکن کا یادگار نثری شاہکار

سب رس

نثر کے جن رسائل کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ یہ سب تصوف اور مذہب سے متعلق ہیں ـــ ان کا مقصد وعظ و تبلیغ ہے ان رسائل کو ادبی معیار پر پرکھنا اور ان کے اندر فکر و فن کے لوازم تلاش کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کی اہمیت ادبی نہیں، خالص لسانی ہے ان رسائل کے مطالعہ سے دکن میں اردو کے ابتدائی روپ اور بعد کے تغیرات کا اچھا اندازہ ہوتا ہے ادبی حیثیت سے دکنی نثر کا قابل رشک کارنامہ عہد قطب شاہی کے مشہور ادیب و شاعر ملا وجہی کی تصنیف "سب رس" ہے "سب رس" میں عشق و دل کے معرکہ کو قصہ کے پیرایہ میں رمز و کنایہ کی بڑی دلآویزیوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی عبارت ایک خاص ادبی رنگ رکھتی ہے فارسی کے عام طرز انشاء پر "سب رس" کی زبان مقفیٰ و مسجع ہے ـــ لیکن روانی اور سلاست بہت کافی ہے مصنف کی رنگینی فکر

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کتاب میں جا بجا بڑی دلکشی پیدا کر دیتی ہے۔ پند و نصائح کی کثرت کہیں کہیں قصہ کے تسلسل کو بُری طرح مجروح کر دیتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ کتاب ادبی اور لسانی دونوں لحاظ سے بڑے اہم مطالعہ کی مستحق ہے۔ "سب رس" دکنی ادب کے یادگار کارناموں میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔

شمالی ہند

شمالی ہند میں اُردو شعر گوئی کا عام رواج محمد شاہ رنگیلے (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) کے عہد سے ہوا جب ولی دکنی کے دوبارہ ورودِ دہلی نے دارالسلطنت میں ادبی چہل پہل کی نئی فضا پیدا کر دی۔ شمالی ہند کے باکمالوں نے اس ذوق و شوق طبیعت داری اور فن کے رچاؤ کے ساتھ اُردو شاعری کو وسیلۂ اظہارِ خیال بنایا کہ بہت جلد اس کا بلند فنی معیار قائم ہو گیا۔ لیکن شمالی ہند میں ادب و زندگی پر فارسی کا تسلط اس قدر شدید اور قوی تھا کہ اُردو نے بڑی صبر آزما منزل طے کر کے اور ایک حد تک اپنا جوہر کھو کر باقاعدہ ادبی حیثیت اختیار کی۔ ۱۸۰۰ء تک شمالی ہند میں اُردو نثر نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔

اب تک عام خیال یہ تھا کہ شمالی ہند میں اُردو نثر کی پہلی کتاب فضلی کی "مجلس" ہے جس کا سالِ تصنیف ۱۷۳۲ء ہے۔ پروفیسر حامد حسن قادری کی تلاش و تحقیق نے ایک اُردو رسالہ کا پتہ لگایا ہے جو "مجلس" سے سوا چار سو برس پہلے ۱۳۰۰ء میں تصنیف ہوا۔ اس کے مصنف خواجہ سید جہانگیر اشرف سمنانی ہیں۔ رسالہ اخلاق و تصوف سے متعلق ہے۔ اس کی تمام تر اہمیت لسانی ہے۔ فضلی کی "مجلس" مروجہ فارسی رنگِ انشا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ عبارت مقفیٰ و مسجع ہے اور عربی و فارسی الفاظ کی بہتات ہے۔ سودا نے اپنی کلیات کی ابتدا میں جو اُردو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دیباچہ لکھا ہے اُس میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے۔ دیباچہ کا ایک جملہ یہ ہے۔
"ضمیر منیر پر آئینہ دارانِ معنی کے مبرہن ہو کہ محض عنایت حق تعالیٰ کی ہے جو
طوطیٔ ناطقہ شیریں سخن ہو"۔ اس زمانہ کی ایک اور مشہور کتاب میر محمد عطا حسین خاں
تحسین کی "نوطرز مرصع" ہے یہ کتاب فارسی کے مشہور قصہ چہار درویش کا ترجمہ
ہے۔ اس کا سالِ تصنیف ۱۷۹۸ء ہے۔ "نوطرز مرصع" کی عبارت بھی شوخ و شنگ
رنگ آرائی اور اُس دور کے مروجہ طرزِ نگارش کے فنی لوازم سے مملو ہے۔

۱۸۰۰ء سے لے کر ۱۸۶۱ء تک کا دور جس کے بعد نئے زمانہ کے اثرات
اور زندگی کے نئے تصورات کے تحت شعر و ادب کی نئی بنیادیں پڑیں اور نئے میلا
قائم ہوئے اُردو نثر کی ترقی کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں
محدود پیمانہ پر سہی لیکن روایت پرستی اور تصنع نوازی کی حدیں ٹوٹیں۔ ادب میں
فطری جوہر نمود کی شان اُبھری۔ زبان نے علمی رنگ اختیار کرنا شروع کیا اور ذہن
و زندگی سے اُس کے زیادہ حقیقی، نتیجہ خیز اور صالح رشتے قائم ہوئے۔ اس دور کی
ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انفرادی خدمت ادب کے ساتھ ساتھ ادارے بھی منظم
طریق پر واضح مقاصد کے ساتھ اُردو کے لئے سرگرم کار نظر آتے ہیں۔ ساٹھ برس کی
مدت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس دور کی یادگار ادبی تصانیف کی تعداد بہت کم ہے
لیکن زبان کی ترقی، کاروبارِ زندگی اور سرکاری انتظام میں عمل دخل اور آزاد مشربی کی
بے راہ روی کے بجائے اس میں ضابطہ اور تنظیم کی شان پیدا ہونے کے لحاظ سے
اس دور کی اہمیت خاص مطالعہ کی مستحق ہے۔ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم
کالج قائم ہوا۔ اس کالج کے قیام نے اُردو کی رفتارِ ترقی پر بڑے خوشگوار اثرات
مرتب کئے۔ فورٹ ولیم کالج کی خدمات زبانِ اُردو، تاریخ ادب میں بڑی قابلِ قدر
حیثیت رکھتی ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

فورٹ ولیم کالج

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی میں یہ کالج اس مقصد سے قائم ہوا کہ کمپنی کے انگریز ملازموں کو اُردو سے واقف کرایا جائے۔ اُردو کی روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر فرنگی دانشوروں نے اس کے روشن امکانات اور شاندار مستقبل کا بہت صحیح اندازہ کر لیا اور عوامی زندگی میں اپنے تسلط کو زیادہ گہرائی اور مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لئے اُس کی سرپرستی کی طرف قدم اُٹھایا۔ فورٹ ولیم کالج اُردو ادب کی ترویج و ترقی کا ایک یادگار مرکز بن گیا۔ اس کالج کے قیام و تنظیم میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے تجربوں اور کوششوں کو نمایاں امتیاز حاصل ہے۔ وہ اس کالج میں شعبۂ اُردو کے پہلے پروفیسر تھے۔ گلکرائسٹ نے اُردو زبان کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اُنھوں نے بڑی محنت سے اُردو زبان کی لغت اور گرامر مرتب کی اور ہندوستانی لسانیات پر اچھے معیار کا تحقیقی کام کیا۔ گلکرائسٹ نے کالج میں ممتاز انشا پردازوں اور اہلِ قلم کو جمع کر کے آسان اور عام فہم زبان میں کتابیں لکھوائیں۔ کالج کی فضا میں اُردو کو صالح اور توانا ماحول میں ترقی کرنے کا موقع ملا۔ اُردو میں نثری ادب پیدا ہوا اور بہت جلد اس زبان میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ فارسی کی جگہ سرکاری حیثیت اختیار کرے۔

فورٹ ولیم کالج کے نامور اہلِ قلم میر امّن، حیدر بخش حیدری، شیر علی افسوس، بہادر علی حسینی، کاظم علی جوان، مظہر علی خاں ولا، نہال چند لاہوری، للّو لال جی، حفیظ الدین احمد، مولوی اکرام علی اور مرزا علی لطف ہیں۔

میر امن دہلوی فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میر امن دہلوی کو حاصل ہے۔ اُن کی مشہور تصنیف "باغ و بہار" اُردو نثر کی زندہ جاوید کتابوں میں ہے۔ یہ کتاب طبعزاد نہیں، فارسی کے مشہور قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے لیکن میر امن نے اس قصہ کو اس قدر رواں، شگفتہ، دلچسپ انداز میں فطری بے تکلفی اور لطفِ بیان کے ساتھ سُنایا ہے کہ "ترجمہ پن" کی کہیں سے ہوا بھی نہیں لگنے پاتی۔ ہندوستانی ماحول اور سماجی زندگی کو اس شان اور واقفیت کے ساتھ اس میں جگہ دی ہے کہ کتاب میں طبعزاد تصنیف کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ "باغ و بہار" کی ٹکسالی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس میں محاوروں کا بہت برمحل صرف ہوا ہے مشاق فن اور قدرتِ زبان نے بیان میں لوچ، نکھار، نفاست اور دلکشی کے موتی بکھیر دیئے ہیں۔ اس کتاب میں جذبات نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ مکالموں میں حفظِ مراتب، موقع محل کا لحاظ اور نفسیات و جذبات کا پاس و خیال کہیں کہیں اس قدر فطری واقفیت اور فنی بصیرت کے روشن پہلو لے کر اُبھرتا ہے کہ قصہ گوئی میں ناول کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ "باغ و بہار" کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اس دور کی دہلی کی سوسائٹی کی بڑی شاندار تصویریں ملتی ہیں۔ "باغ و بہار" کا اسلوبِ نگارش، سادہ نگاری کا ایک بہت دلکش نمونہ ہے۔ اس سدا بہار کتاب کا سالِ تصنیف ۱۸۰۱ء ہے۔

۱۸۰۲ء میں میر امن دہلوی نے مُلا حسین واعظ کاشفی کی مشہور تصنیف اخلاقِ محسنی" کا ترجمہ "گنجِ خوبی" کے نام سے کیا لیکن اسے کوئی خاص مقبولیت حاصل ہو سکی۔

حیدر بخش حیدری متوفی ۱۸۲۸ء

حیدر دہلی کے رہنے والے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں میں بھی انھوں نے بھی اپنے لئے اچھی جگہ پیدا کی۔ حیدری نے فارسی سے بہت سی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں : (۱) آرائش محفل (۱۸۰۱ء) یہ حاتم طائی کا قصہ ہے (۲) "طوطا کہانی" یہ محمد قادری کے "طوطی نامہ" کا اردو ترجمہ ہے (۳) "گلزار دانش" فارسی کی مشہور کتاب "بہار دانش" کا ترجمہ ہے (۴) "تاریخ نادری" فارسی تصنیف "جہاں کشائے نادری" کا ترجمہ ہے (۵) "گل مغفرت" یہ کاشفی کی "روضۃ الشہداء" کا ترجمہ ہے۔

حیدری کی زبان بہت سیدھی سادی اور بامحاورہ ہوتی ہے۔ وہ بہت بے تکلفی سے لکھتے ہیں اس لئے اُن کی تحریروں میں کوئی اُلجھاؤ پیدا ہونے نہیں پاتا۔ اُن کی نثر ایک حد تک آج کل کی عام زبان سے بہت ملتی جلتی ہے۔ حیدری نے نظمیں اور غزلیں بھی کہی ہیں لیکن ان کی شاعرانہ حیثیت قابل لحاظ نہیں ہے۔

شیر علی افسوس افسوس بھی دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاعری کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ اُن کی کتاب "آرائش محفل" جو سبحان رائے کی فارسی تاریخ "خلاصۃ التواریخ" پر مبنی ہے بہت مشہور ہے۔ افسوس نے ترجمہ میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ اس لئے اس کتاب کی حیثیت مستقل تصنیف کی ہے۔ اُنھوں نے شیخ سعدی کی گلستان کا ترجمہ "باغ اُردو" کے نام سے کیا۔ ان تصانیف کے علاوہ افسوس کی اور بھی ادبی خدمات ہیں۔ اُنھوں نے سودا کے کلیات کو صحیح کرکے دوبارہ شائع کیا۔ اُن کا خود بھی ایک دیوان ہے جو اچھی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اُنھوں نے فورٹ ولیم کالج کے زیر نگرانی شائع ہونے والی کئی کتابوں کی نظر ثانی بھی کی تھی۔ افسوس فورٹ ولیم کالج کے ادبا میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

بہادر علی حسینی حسینی فورٹ ولیم کالج میں میر منشی تھے۔ اُنھوں نے میر حسن کی زندۂ جاوید مثنوی "سحر البیان" کو نثر "بے نظیر" کے نام سے نثر کے قالب میں پیش کیا۔ حیدری کی تصانیف میں "اخلاق ہندی" اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ترجمہ تاریخ آسام خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ اُنھوں نے گلکرائسٹ صاحب کی گرامر کا خلاصہ رسالہ گلکرائسٹ کے نام سے لکھا۔ ان تالیفات کے علاوہ اُنھوں نے قرآن شریف اور قصۂ لقمان کے ترجمہ میں بھی مدد کی تھی۔

کاظم علی جوان

کاظم علی جوان کا وطن دہلی تھا۔ لکھنؤ کی قدردانی نے ارضِ شاہم اودھ میں پہنچا دیا۔ یہاں سے اُن کا انتخاب فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں ہوگیا۔ اُن کی تین تصانیف مشہور ہیں۔ (۱) "شکنتلا" کالیداس کے اس مشہور عام ڈرامہ کا ترجمہ اُنھوں نے برج بھاشا کے ترجمے سے کیا (۲) "بارہ ماسہ" اس میں ہندوستان کی فصلوں اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں کا منظوم بیان ہے (۳) ترجمہ تاریخ فرشتہ متعلقہ خاندانِ بہمنی۔ ان کتابوں کے علاوہ اُنھوں نے قرآن مجید کے اُردو ترجمہ کو بھی درست کیا اور مولوی حفیظ الدین کی تصنیف "خرد افروز" پر بھی نظرِ ثانی کی۔ میر و سودا کے کچھ منتخبات بھی شایع کئے۔

مظہر علی خاں ولا

مرزا لطف علی نام اور تخلص ولا تھا۔ عرفِ عام میں مظہر کہلائے۔ ولا فارسی کے علاوہ سنسکرت اور ہندی کے بھی عالم تھے۔ مصحفی کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا تھا۔ اُنھوں نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کئے۔ مثلاً (۱) مادھونل اور کام کندلا۔ موتی رام بیشر کی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے (۲) ہفت گلشن، ناصر علی خاں کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے (۳) بیتال پچیسی۔ اس سنسکرت مجموعہ قصص کا برج بھاشا سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ (۴) تاریخ شیر شاہی کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا (۵) "جہانگیر" تزک جہانگیری کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے۔

نہال چند لاہوری

نہال چند لاہوری نے گل بکاؤلی کے مشہور قصے کا فارسی [illegible] ترجمہ کیا [illegible]

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

رکھا۔

حفیظ الدین انھوں نے ۱۸۰۳ء میں ابوالفضل کی کتاب "عیارِ دانش" کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ ترجمہ کا نام "خرد افروز" ہے اور یہ فورٹ ولیم کالج کی بڑی مشہور کتابوں میں ہے۔

مولوی اکرام علی انھوں نے عربی کی مشہور کتاب "اخوان الصفا" کے ایک حصہ کا سادہ علمی نثر میں کیا۔

للولال جی انھوں نے زیادہ ہندی زبان میں لکھا ہے۔ کاظم علی جوان کے ساتھ مل کر اُنھوں نے اُردو میں سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ہندی کتابوں کے ترجمے میں انھوں نے جوآن اور ولا کی مدد بھی کی۔ ۱۸۱۰ء میں انھوں نے لطائف ہندی کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں کچھ ہندی اور کچھ اُردو ہے۔

مرزا علی لطف مرزا علی لطف کی شہرت ان کے تذکرۂ شعرا کی بدولت ہے، جس کا نام "تذکرۂ گلشنِ ہند" ہے۔ اس تذکرہ میں اس زمانہ کے مشہور شاعروں کے بڑے دلچسپ حالات ملتے ہیں۔ صحت واقعات کے لحاظ سے یہ تذکرہ زیادہ معتبر نہیں ہے اور اس کی عبارت بھی بہت پرتکلف اور مسجع و مقفیٰ ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی نثری تصانیف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صرف قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ تاریخ، اخلاق، مواعظ، سوانح عمری اور علم اللسان پر بھی کچھ نہ کچھ سرمایہ موجود ہے۔ سب سے بڑی اور قابل قدر خدمت جو اس کالج نے انجام دی وہ یہ ہے کہ اس کالج کے زیر اثر اُردو ادیبوں اور انشا پردازوں نے مقفیٰ و مسجع عبارت کو ترک کر کے سادہ نگاری

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ اس طرح اُردو ادب میں عوامی مقبولیت کے عناصر زیادہ قوی ہو گئے۔ تدوین زبان کے اقدام اور سلاست نگاری کے طرز سے ملک کی عام فضا پر یہ اثر پڑا کہ رفتہ رفتہ مغلق اور رنگین عبارت غیر مقبول ہونے لگی، اور سادگی بیان ادبی جوہر بن کر اُبھرنے لگی۔ اُردو زبان کی لغت اور گرامر پر عام توجہ ہوئی اور اُردو کو ایک باقاعدہ زبان بنانے کی کوششوں میں زیادہ باضابطگی اور مستعدی آگئی۔

انیسویں صدی کے پہلے ساٹھ سال اُردو کی ادبی ہمہ گیری کے لئے زمین ہموار ہونے کا زمانہ ہے اس دور میں مختلف حلقے، مختلف سمتوں اور مختلف حیثیتوں سے اُردو کی عام ترویج و اشاعت میں سرگرم کار نظر آتے ہیں۔ اُردو کی عام مقبولیت اور کوچہ و بازار کی زندگی میں اس کے عمل دخل نے مذہبی، سیاسی تعلیمی اور ادبی حلقوں، غرض ایک عالم کی نظر میں اس زبان کو قابل اعتناء اعتبار اور لائق سرپرستی بنا دیا تھا۔ اس ہمہ گیر توجہ کی بدولت اُردو نے ترقی کی منزلیں بہت تیز گامی کے ساتھ طے کیں۔

شاہ ولی اللہ کا خاندان اور اُردو کی خدمت

اُردو کی ترویج و اشاعت میں اس حیرت انگیز علمی و دینی امتیازات و کمالات رکھنے والے خاندان کا بھی ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ رفیع الدین نے قرآن کریم کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ کیا۔ شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبد القادر نے ایک دوسرا ترجمہ قرآن شریف کا کیا۔ اور ایک تفسیر موضح القرآن کے نام سے لکھی۔ شاہ عبد القادر کا ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ اُردو میں ہے۔ اس ترجمہ کا حیرت انگیز کمال یہ ہے کہ بڑی نازک علمی اور الہیاتی باتوں کو نہایت عام فہم بھرپور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور متین زبان میں ادا کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ اپنی مقبولیت کے لحاظ سے آج بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ اسی خاندان کے فیض تعلیم و تربیت سے وہ زبردست تحریک جہاد اُٹھی جس نے پورے ملک میں عزم و ہمت کا صور پھونک دیا۔ اس تحریک کی قیادت رائے بریلی کے مشہور زمانہ عالم دین حضرت سید احمد بریلوی کے ہاتھ میں تھی۔ سید صاحب کے دست راست شاہ ولی اللہ کے پوتے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید تھے اس تحریک نے اُردو کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اس تحریک کے سلسلے میں جو لٹریچر شائع ہوا اس سے اُردو کو اچھا عوامی فروغ حاصل ہوا۔ شاہ اسمٰعیل شہید خود بھی بڑے عالم اور اہل قلم تھے۔ اُنھوں نے کئی دینی رسائل تصنیف کئے۔ رسالہ توحید صراط مستقیم تنویر المومنین اور تقویۃ الایمان ان کے بہت مشہور رسائل ہیں۔

اس سلسلے میں مسیحی پادریوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ عوام میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے پادریوں نے بھی اُردو کی سرپرستی کی۔ یکے بعد دیگرے بائبل کے کئی ترجمے اُردو میں ہوئے اور عام دلچسپی کا لٹریچر بھی اُردو میں منتقل ہوا۔

یورپین علما اور اُردو آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کوششوں کا بھی ذکر کردیں جو یورپین علماء نے اردو کی تدوین اور ترقی کے لئے کیں۔ ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی خدمات زبان و ادب کا اجمالی بیان ہم فورٹ ولیم کالج کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ یورپین عالموں کی توجہ اردو کی طرف فورٹ ولیم کالج کے قیام سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ ہندوستانی کی سب سے پہلی گرامر وہ ہے جسے جان جوشوا کیٹلر نے ۱۷۱۵ء میں مرتب کیا۔ کیٹلر نے ہندوستانی کی ایک لغت بھی تیار کی تھی جسے ایک انگریز ڈیوڈ ٹوم نے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ اس سلسلے میں یورپ کے مختلف ممالک مثلاً اٹلی، جرمنی اور فرانس کے علما کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اُردو کی گرامر اور لغت پر توجہ کی۔ کپتان ٹیلر اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ڈاکٹر ہنٹر نے ایک ہندوستانی انگریزی ڈکشنری ۱۸۰۸ء میں مرتب کی۔ جان شکسپیر کی ہندوستانی گرامر ۱۸۱۳ء میں اور ہندوستانی انگریزی ڈکشنری ۱۸۱۷ء میں شائع ہوئیں۔ یورپین علماء میں سب سے زیادہ ممتاز نام فرانس کے مشہور مستشرق گارسن ڈیٹاسی کا ہے جس نے فرانسیسی زبان میں اُردو کے متعلق کئی کتابیں تصنیف کیں اور ہندوستانی زبانوں کے متعلق جس کی لسانی تحقیقات نادر اور بیش بہا علمی ذخیرہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سر ولیم مانیر بانی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ڈاکٹر فیلن، پلیٹ اور پادری کریون کے نام بھی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

تدوینِ زبان اور ہندوستانی کوششیں

ہندوستانیوں نے بھی تدوین زبان میں بڑی مستعدی اور گرمجوشی دکھائی۔ ۱۸۰۱ء میں الشا اور تلیل کی متحدہ تصنیف "دریائے لطافت" شایع ہوئی جس کو زبان اُردو کی سب سے زیادہ مشہور صرف و نحو کی کتاب سمجھنا چاہیے۔ منشی محمد ابراہیم نے ۱۸۲۳ء میں ایک اُردو کی صرف و نحو معروف بہ تحفۃ الفتیان لکھی۔ ۱۸۴۵ء میں منشی کریم الدین نے قواعد الملبتدی شائع کی۔

لکھنؤ کی خدماتِ نشر

یہ دور لکھنؤ میں بڑی ادبی چہل پہل کا زمانہ ہے۔ سوادِ شام اودھ جنت شعر و ادب بنا ہوا تھا اور ترانہ ہائے نشاط و سرمستی سے فضا معمور تھی۔ نثر کی آرائش میں بھی اہل لکھنؤ نے اپنے طرز اور معیارِ نظر پر خوب خوب کمال آفرینیاں کیں۔ ہم اختصار کے ساتھ لکھنؤ کے باکمال نثاروں اور لکھنؤ کی خدماتِ نثر کا ذکر کریں گے۔

گویا (متوفی ۱۸۵۰ء) فقیر محمد خاں نام اور گویا تخلص تھا۔ فن شعر میں ناسخ کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

شاگرد تھے۔ طبیعت میں جوہر سپہگری کے ساتھ علمی و ادبی ذوق کا نکھار بھی تھا۔ انھوں نے "انوار سہیلی" کا ترجمہ "بستان حکمت" کے نام سے کیا۔ گویا نے ترجمہ میں کافی آزادی برتی ہے اور اپنے ذوق و طبیعت سے عبارت و بیان میں بڑے تصرفات کئے ہیں۔ گویا کی یہ کتاب اس دور میں بہت مقبول ہوئی۔ گویا کا رنگ تحریر ایک دلکش عالمانہ رنگ رکھتا ہے۔ عربی و فارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے ہمارے دور میں گویا کا طرز تحریر بہت زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھا جائے گا اور عبارت میں جابجا ایک قسم کا بوجھل پن اور روانی و شگفتگی کی کمی نظر آئے گی۔ لیکن اس دور میں یہی انداز انشا پردازی عام تھا اور سلاست نگاری کا مسلک اختیار کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی۔ "بستان حکمت" کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس کی عبارت مقفیٰ و مسجع نہیں ہے۔

رجب علی بیگ سرور

متوفی ۱۸۶۷ء

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنؤ کے سب سے بڑے نثار اور قدیم انشا پردازی کے یگانہ روزگار صاحب فن تھے۔ سرور عربی و فارسی میں اچھا دخل رکھتے تھے اور اپنے زمانہ کے اچھے خطاط بھی تھے۔ بڑے شگفتہ طبیعت، خوش مذاق، وجیہہ اور طبیعت دار آدمی تھے۔ اُن کے دوستوں میں مرزا غالب بھی تھے۔

سرور نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں ان کی طبع زاد تصانیف بھی ہیں اور فارسی کے تراجم بھی۔ "سرور سلطانی"۔ "گلزار سرور"۔ "انشائے سرور"، "شگوفۂ محبت" اور "فسانۂ عجائب" اُن کی مشہور تصانیف ہیں سرور کا سب سے زیادہ مشہور اور سب سے بڑا ادبی کارنامہ فسانۂ عجائب ہے۔ قدیم طرز انشا پردازی کے معیار، فسانۂ عجائب حسن بیان اور ادبی سحر کاری کا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization @Gangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ایک مہر کر آرائستہ ہے۔ اس کی زبان مقفیٰ و مسجع ہے اور عبارت میں دلکشی پیدا کرنے اور زورِ تخئیل و کمالِ طبیعت دکھانے کے لئے فن کے آرائشی لوازم سے خوب خوب کام لیا گیا ہے۔ بعض بعض فقرے ادبی مرصع کاری کی بہت اعلیٰ مثال ہیں۔ سرور ادبی بناؤ سنگار کے فن میں بڑی زبردست مہارت رکھتا ہے اور اس نے اسے ایسی قدرت، مشاقی اور چابکدستی سے برتا کہ مذاق قدیم جھوم جھوم اُٹھا۔

فسانۂ عجائب میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ مشرق کی عام کہانیوں کی طرح حسن و محبت کی ایک داستان ہے۔ جس میں مافوق الفطرت عنصر کو بڑا دخل ہے۔ قصہ میں کوئی خاص دلکشی نہیں ہے۔ زبان و بیان کے تصنعات نے اسے اور بوجھل بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس میں کردار نگاری، جذبات کشی اور سماں آفرینی کی تلاش بالکل بیکار ہے۔ فسانۂ عجائب میں لکھنؤ کی معاشرت و تہذیب، شہر کے کوچہ و بازار اور رنگ رلیوں اور چہل پہل کا بیان خاص مطالعہ کا مستحق ہے۔ یہ بیان بہت مکمل، متناسب اور خوبصورت ہے۔ خامی یہ ہے کہ یہ محض بیان ہے۔ سارے مناظر فانوسی تصویریں ہیں۔ زندہ و شگفتہ مرقع نگاری مفقود ہے۔ پنڈت برشن نرائن در نے تبصرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ سب تصویریں بے ہوشی کے عالم میں کھینچی ہیں۔" سرور نے "فسانۂ عجائب" میں میر امن دہلوی پر بڑی لے دے کی ہے، اُن کی زبان کا مذاق اُڑایا ہے تکلف پسندی اور تصنع پرستی کے ماحول میں گھرے ہوئے ادیب، کبھی ادب کے حقیقی رمز و کیف سے آشنا نہیں ہو پاتے۔ سرور کی یہی بدنصیبی تھی۔ باغ و بہار آج بھی زندہ ادب کا لہکتا گلزار ہے۔ "فسانۂ عجائب" بتدریج ادبی آثارِ قدیمہ کا جز بنتی جا رہی ہے۔

لکھنؤ کی نثری خدمات کے سلسلے میں مغربی علوم و فنون کی کتابوں کے اردو تراجم کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو شاہانِ اودھ کی سرپرستی میں ہوئے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یہ کتابیں مطبعِ سلطانی سے شائع ہوئیں۔ اس باب میں سید کمال الدین حیدر لکھنوی کا نام بہت ممتاز ہے جنھوں نے جدید طبیعاتی علوم پر انیس رسالوں کا ترجمہ کیا۔

دلّی کالج

اُردو کی ترویج و ترقی میں دلی کالج کی خدمات بھی اہمیت رکھتی ہیں اس کالج نے جدید علوم و فنون کی اشاعت میں بہت نمایاں حصہ لیا۔ مولوی نذیر احمد ماسٹر پیارے لال آشوب، مولانا آزاد اور مولوی ذکاء اللہ جیسے مشاہیر ادب جنھوں نے اُردو کی آئندہ توسیع و ترقی پر زبردست اثر ڈالا، اس کالج کے پڑھے ہوئے تھے۔ پروفیسر رامچندر اور مولوی امام بخش صہبائی کی کوششوں نے کالج کی فضا کو خدمتِ اُردو کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ ان دونوں کی کوششوں سے ۱۸۴۲ء میں کالج کے زیرِ سرپرستی ایک سوسائٹی قائم ہوئی جس کے اہتمام میں جدید علوم اور سائنس کی کتابیں اُردو میں منتقل ہوئیں اور اچھے معیار کی درسی کتابوں کا ایک ذخیرہ فراہم ہوگیا۔

اس قسم کی کتابوں سے سب سے پہلے فائدہ یہ ہوا کہ زبان بہت صاف و سادہ ہوگئی اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ وہ علمی اور کاروباری ضرورتوں کو آسانی پورا کرسکے۔

پروفیسر رامچندر

پروفیسر رامچندر دلّی کالج کے بڑے نامور اُستادوں میں تھے۔ ریاضی ان کا خاص موضوع تھا۔ انگریزی، عربی، فارسی اور اُردو میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب "تذکرۃ الکاملین" ہے جس میں دُنیا کے بہت سے نامور اہلِ فن کا تذکرہ ہے اس کے علاوہ دو اور مفید کتابیں "اُصولِ علمِ ہیئت" اور "عجائبِ روزگار" آپ کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

قلم سے نکلیں۔ پروفیسر موصوف کا طرزِ تحریر نہایت سلیس اور رواں ہے۔ ان کے یہاں نہ بیجا طولِ کلام ہے اور نہ علم نمائی۔ انھوں نے عام فہم اور روزمرہ کی زبان کو بڑے سلیقے سے برتا ہے۔ زبان اُردو کو نئے علوم سے بہرہ ور کرنے میں ان کی کوششیں حد درجہ قابلِ ستائش ہیں۔ خوش نصیبی نے انھیں آزاد، نذیر احمد اور ذکاء اللہ جیسے شاگرد عطا کیے۔

امام بخش صہبائی

دلّی کالج میں فارسی و عربی کے پروفیسر اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ دہلی کے ادبی حلقوں میں اُن کی حیثیت بہت بلند تھی۔ اُنھوں نے سرسید مرحوم کو "آثار الصنادید" کی تصنیف میں بہت مدد دی تھی۔ دلّی کالج کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں صہبائی کے ذوق و سعی کو بڑا دخل تھا۔

غالب

شاعری کی طرح اُردو نثر کے ارتقاء میں بھی غالب کا مرتبہ عہد آفریں شان رکھتا ہے۔ ان کے خطوط نے ادبی روایات پرستی کے آہنی شکنجے کو توڑ دیا اور سادہ، فطری، بے تکلف طرزِ نگارش کا ایک ایسا بلند ادبی معیار قائم کیا جو نثر کی آئندہ کمال آفرینی کی تمہید بن گیا۔ غالب نے اس انداز میں خطوط لکھے کہ وہ اُن کے ذہن کے عمل، فکر کی جولانی، دل کی کیفیات، اُن کے حالات و مشاہدات اور اُن کی متفکرانہ رفعت کا شفاف آئینہ بن گئے۔ طبیعت کی رچی ہوئی شوخی اور اعلیٰ مذاقِ ظرافت نے خطوط میں شگفتگی، زندہ دلی اور لطافت زبان و بیان کے موتی بکھیر دیئے ہیں۔ ان کے خطوط میں نہ القاب و آداب کے جھمیلے ہیں نہ تصنعات و تکلفات کی گرم بازاری، نہ زورِ انشاء دکھانے کا شوق، جیسے کوئی بیٹھا بے تکلف باتیں کر رہا ہے۔ طبیعت موج میں ہے، فکر رسا شباب پر ہے۔ آمدِ سخن میں علم کے نکتے بھی بیان ہوتے ہیں۔ تنقید کے جوہر بھی کھلتے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یادِ احباب بھی ہوتی ہے۔ آپ بیتی بھی سنائی جاتی ہے۔ ذہن ہے کہ موجِ لطافت کے سہارے کچھ چھیڑتا، کچھ گدگداتا، کچھ ہنساتا کھلاتا، فرشِ سبزہ پر چنبیلی کے بکھرے ہوئے پھولوں کا منظر دکھاتا، خرامِ نسیمِ بہار کے مانند سرگرمِ کار ہے۔ زخمِ دل اُبھر آیا تو اشکِ حسرت، ماتمِ جورِ فلک، شکوۂ گردشِ روزگار اس طرح دل و دماغ میں بے اختیار اثرِ عبرت کا جادو جاگ اُٹھے۔ یقیناً غالب کی تحریر ادب کا لافانی اعجاز ہے۔

خطوط کے علاوہ نثر میں غالب کی چند تقریظیں اور رسائل بھی ہیں لیکن ان کا طرزِ تحریر قدیم رنگِ انشا میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان سے غالب کی علمیت کا پتہ تو چلتا ہے لیکن غالب کی ادبی عظمت کا انحصار ان کے خطوط پر ہے جو آج بھی اپنے رنگ میں بے مثل و بے نظیر ہیں۔ غالب کی مراسلہ نگاری نے اُردو نثر کے مخفی امکانات کو اعلیٰ ادبی اجتہاد کے ساتھ روشن کیا۔ سرسید جن کی تحریروں نے جدید نثر کی بنیاد رکھی ہے صاف طور پر غالب سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جدید ادب میں غالب کی شخصیت کے خفی و جلی بڑے گہرے اثرات ہیں۔

شہید اور بیخبر

اس دور کے نثر نگاروں میں مولوی غلام امام شہید اور منشی غلام غوث بیخبر نے اچھی شہرت حاصل کی۔ شہید قصبہ میٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ نعت گوئی اُن کا خاص ذوق تھا صداحِ نبی اور عاشقِ رسول کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نثر میں اُن کی دو کتابیں ہیں۔ "مجموعۂ میلاد شریف"۔ اور "انشائے بہارِ بیخزاں"۔ شہید کی تحریریں پرانے رنگ کی ہیں۔ عبارت میں قافیہ پیمائی اور رنگین بیانی کا التزام ہے۔ لیکن اس کے باوصف سادگی اور دلچسپی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ تاج گنج پر شہید کا مضمون قدیم طرزِ انشا کا ایک بہت شاندار نمونہ ہے

منشی غلام غوث بیخبر کی دو تصنیفیں یادگار ہیں۔ ایک کا نام "خونابہ جگر" اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

دوسری کا "فغان بیخبر" ہے۔ بیخبر عام طور پر صاف اور سلیس نثر لکھتے تھے۔ عبارت میں رنگینی اور تصنع پایا جاتا ہے لیکن مقفیٰ اور مسجع نہیں ہے۔ مکتوبیوں میں البتہ قدیم رنگ انشا تمام لوازم سمیت ملتا ہے۔

غدر تک اُردو نثر کے ارتقا کا جو جائزہ ہم نے صفحات بالا میں لیا ہے اُس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ غدر سے پہلے ہی اُردو زبان اپنی عام مقبولیت، فطری جوہر نمود اور ہمہ گیر ترقیوں کی صلاحیتوں اور امکانات کی بدولت علمی زبان بن چکی تھی۔ عام طور پر نگاہیں اُس کی اُٹھتی ہوئی جوانی اور اُبھرتے ہوئے رنگ و روپ کی گرویدہ ہو رہی تھیں۔ اس کے شاعرانہ نغمے پورے ملک کی فضا میں گونج رہے تھے۔ ملکی زندگی میں اُردو کے گہرے عمل و دخل کو دیکھ کر نئی انگریزی سرکار نے ۱۸۳۲ء میں اس کو سرکاری زبان کا رتبہ دے دیا تھا۔ یورپین علماء اور ہندوستانی ادیبوں نے اس کی گرامر اور لغت کی تدوین کی طرف توجہ بڑے ذوق و شوق اور علمی بصیرت کے ساتھ مائل کر دی تھی۔ فارسی ادب انشا پردازی کے قائم کئے ہوئے معیار کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور بہت تیزی کے ساتھ نئے اثرات ہمہ گیر ادبی انقلاب کے لئے زمین تیار کر رہے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف اور اس سے کہیں بڑھ کر غالب کے خطوط نے سلاست نگاری کی بنیادیں اعلیٰ ادبی وقار اور اثر پذیری کے ساتھ قائم کر دی تھیں۔

جدید علوم کی انگریزی کتابوں کے تراجم نے اُردو کو علمی رنگ دے کر اور اُس کے دائرہ لغات کو وسیع کر کے اسے توانائی، حوصلے اور زندگی کی اُمنگ بخشی تھی۔ غالب کی شاعری نے ع

کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کا نعرہ بلند کر کے آنے والے دور کا ترانۂ تہنیت سنا دیا تھا۔ اُردو زبان "ریختہ" (اگری پڑی) نہیں رہی تھی۔ اس کی غلامی اور احتیاج کا زمانہ گزر چکا تھا۔ وہ ایک مستقل، توانا اور ترقی پذیر زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ آٹھ سو برس کے طویل تہذیبی اور سماجی تصادم اور میل جول کا روشن ترین ظہور ہند ایرانی تہذیبوں کی سموئی ہوئی نقش آفرینی، ہندوستان کے دل و دماغ کی ترجمان، پورے ملک کی قومی زبان ــــ آیندہ دور نے اُردو کی ترقی اور کمال آفریں کارناموں کی تاریخ روشن ترعنوان کے ساتھ لکھی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو ادب ۱۸۵۷ء کے بعد

ترقی کی نئی راہیں

۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ہندوستان کی زندگی میں ایک فیصلہ کن انقلاب ہوگیا۔ انگریزی حکومت کے باقاعدہ قیام نے مشرق و مغرب کے درمیان بڑے پیمانے پر میل جول کے امکانات پیدا کر دیئے اور اُس کے نتیجے میں تہذیبی، سماجی تعلیمی مختصر یہ کہ ہندوستان کی زندگی کے ہر پہلو میں بڑی اہم اور دُور رس تبدیلیوں کے دروازے کھل گئے۔ انگریزی تہذیب اور علم و فن کا اثر روز بروز تیزی سے بڑھنے لگا اور زندگی کے نئے امکانات اور نئی راہیں روشن ہوگئیں۔ اس زبردست انقلابی عمل نے ہندوستان کی ساری ادبیات کی طرح اُردو ادب کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا۔ صاف طور پر نظر آتا ہے کہ فکر و نظر کی جولانیوں کے لئے نئے نئے میدان ظہور میں آئے اور اُردو ادب کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

پچھلے صفحات میں ہم ۱۸۵۷ء تک اُردو ادب کی رفتارِ ترقی کا جائزہ لے چکے ہیں۔ اُردو ادب کی ابتدائی ترقی دکن کی زمین پر ہوئی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد شمالی ہندوستان میں اُردو کے شاعرانہ ترانے گونجے۔ اس کے ادبی مرکز قائم ہوئے اور ادبی دعوامی دونوں حیثیتوں سے اُس کو زبردست عروج و فروغ حاصل ہوا۔ اس طریقہ پر نظر ڈالنے سے یہ چیز بالکل نمایاں ہو جاتی ہے کہ ادب

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بیشتر شاعری کے دائرے میں محدود تھا۔ نثر کی ترقی کی طرف بہت کم توجہ کی گئی تھی۔ گویا اُردو جوشِ طبیعت کے اس عالم میں تھی جہاں دل کے جذبات شاعرانہ زمزمہ سنجیوں میں پھوٹ پڑتے ہیں۔ اُس کے مزاج میں وہ متانت، علمی وقار اور بصیرت کی وہ نگاہ نہیں آئی تھی جو مستقبل کو زیرِ نظر رکھ کر زندگی کی ترقی کے منصوبے بناتی ہے اور راہِ عمل کی روشنی بن جاتی ہے۔ یہ چیز صرف اُردو ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ دُنیا کے ہر ادب کی ابتدا میں عروج و فروغ پہلے شاعری ہی کو حاصل ہوا ہے۔ وسیع تر علمی خدمات کے دروازے بعد میں کھلے ہیں۔

ہماری قدیم شاعری میں زندگی کے مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے لیکن زیادہ زور حُسن و عشق کے لطیف وجدانی معرکوں پر صرف ہوا ہے۔ فکر کی اعلیٰ ترین بلندیاں بھی اسی میدان میں ظاہر ہوئی ہیں اور ہوا و ہوس کے پھاگ بھی اسی خانۂ بے تکلف میں کھیلے گئے ہیں۔ غزل ہماری شاعری کا سب سے زیادہ مرغوب اور دل پسند موضوع رہی ہے۔ میر کی لافانی عظمت، غزل کے دامن سے وابستہ ہے۔ مومن کی آسمان سے تارے توڑ لانے والی فکر غزل کے پیکر میں ڈھلی ہے اور غالب نے حیاتِ فن کی صلائے عام تراۂ غزل ہی میں دی ہے۔ غزل کے علاوہ اور اصنافِ سخن میں بھی بڑے بڑے شاعروں کے کمالات نمایاں ہوئے ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، رباعیات، مرثیہ وغیرہ ہماری شاعری میں کافی مقبول رہے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے ساتھ عوام پسند شاعری کی بڑی جاندار روایت قائم ہوئی۔ نثر میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات اور غالب کے خطوط کی ادبی حیثیت سے ایک نئے دور کی بنیاد قائم کر رہے تھے۔ قدیم مرصع طرزِ انشا کی بھی بعض کتابیں بڑی حیثیت اور مرتبہ کی نکلیں۔ اس ذخیرۂ ادب کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ چیز بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ادب بہت حد تک بنی بنائی روایتوں میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

محصور تھا۔ آزادیٔ فکر اور نئی راہ نکالنے کے امکانات برائے نام تھے۔ یہ چیز بالکل فطری بھی تھی۔ اُردو ادب کی ترقی کا دور ہندوستان کی تاریخ زوال کے دامن سے وابستہ ہے۔ ایسے زمانے میں اُپج، اختراع اور فکرِ آزاد کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا۔ ملک کی تہذیب، تمدن اور سماج میں سُستی، بے عملی، فکر کے جمود اور حوصلوں کی کمی سے جو کمزوری پیدا ہوگئی تھی وہ عالم آشکارا ہوگئی۔ اس کا فوری اثر تو یہ ہوا کہ پورے ملک میں افسردگی اور شکست کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن اس کے بالواسطہ نتائج بہت مفید اور روشن نکلے، اصلاح و ترقی کا حوصلہ پیدا ہوا اور زمانے کے قدم بقدم چلنے کی اُمنگ جوانی کی اُٹھان کے ساتھ اُبھری۔ اصلاح و ترقی کی اسی زبردست تحریک کا ایک مظہر سر سید احمد خاں تھے، جن کی کوششوں نے جہاں اور نمایاں قومی کارنامے انجام دیئے ہیں وہیں نئے انداز پر اُردو ادب کی تعمیر و ترقی کے لئے مضبوط بنیاد رکھ دی۔ جدید ادب واضح اصلاحی مقصد لیکر اُٹھا اور اس طرح بامقصد اظہارِ خیال کی شاندار روایات قائم ہونا شروع ہوئیں۔ انگریزوں کے سیاسی تسلط اور تہذیبی کارفرمائی سے جو قوتیں بروئے کار آئی تھیں وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ مختلف حیثیتوں سے اس عمل کو تیز کر رہی تھیں۔ ملک کے مختلف خطوں میں روشن خیال افراد اور نئی انجمنیں اپنے اپنے دائرے میں اسی انداز پر مشغولِ کار تھیں۔ ان کوششوں نے ادب سے بے مقصد تفریح پسندی کو بہت حد تک خارج کیا۔ فکر و خیال کی نئی طرح ڈالی۔ زندگی سے زیادہ قریبی اور گہرے روابط رکھنے والے موضوعات پر قوتِ سخن گوئی کو صرف کیا اور سنجیدگی و متانت کے نمونوں کو سیاسی خیمت کا نمونہ بنا دیا۔ آزاد اور حالی کی کوششوں نے شاعری

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nagshbandi, Srinagar. Digitization: eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی دنیا میں ایک نئے لحن کو رواج دیا اور اس طرح بے جا روایت پرستی کے دہ شکنجے ٹوٹے جنھوں نے شاعرانہ فکر کو کمزور و بے جان کر ڈالا تھا۔ نئے دور کی شاعری میں وطن، انسان، مناظرِ قدرت اور دوسرے موضوعات کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی اور ایک نکھرے، سنورے شعور کے ساتھ یہ موضوعات شاعری میں نمایاں ہو گئے۔ نثر نگاری تو ایک طرح سے دورِ جدید ہی کی چیز ہے۔ سرسید، آزاد، حالی، شبلی اور نذیر احمد نے اپنے زورِ قلم سے نئے زمانے اور نئے تقاضوں کے مطابق مختلف شعبہ جاتِ نثر کی تنظیم کی اور تاریخ، سوانح، تنقید، علمی و ادبی اور تعلیمی موضوعات، نئے طرز کی ناول نگاری غرض جدید اُردو ادب کے ان معماروں کے ہاتھوں وہ بنیادیں پڑیں جن پر ہمارے دور کے ادب کی شاندار عمارت قائم ہے۔

اوپر کی سطروں میں ہم نے جدید اُردو ادب کے آغاز کے متعلق چند خاص باتیں کہی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جدید ادب کی رفتارِ ترقی اور اپنے زمانے تک اُس کی کیفیتِ سفر کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں تاکہ قدیم و جدید ادب کے رابطہ و تعلق اور فرق و امتیاز کا واضح تاریخی تصور آسانی سے قائم کیا جا سکے۔ اور اس کی روشنی میں جدید ادب کے نامور افراد کے کارناموں کی حیثیت زیادہ صفائی اور صحت کے ساتھ نمایاں ہو سکے۔ ادب میں شاعری کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر پہلے ہم جدید اُردو شاعری پر تبصرہ کریں گے۔

جدید اُردو شاعری

نظم جدید دور میں نظم کو خاص طور پر فروغ حاصل ہوا۔ قدیم شاعری کی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ابہام پسندی، روایت پرستی اور ضرورت سے زیادہ مبالغہ آمیز خیال آرائی کے خلاف، نئے زمانے میں، نئے اثرات کے تحت، ایک زبردست تحریک اُٹھی آزاد اور حالی اس میدان میں سب سے پہلے آئے اور ان کی رفاقت دوسرے حوصلہ مند افراد نے کی۔ آزاد نے نئے طرز کی منظریہ اور تخیلی نظمیں لکھ کر ایک نئی روش کی بنیاد ڈالی۔ حالی نے جذبے کی سچی تڑپ اور حقیقی دلسوزی کے ساتھ اہم معاشرتی اور تمدنی مسائل پر شاعرانہ قوت صرف کر کے اس تحریک کو بہت مستحکم کر دیا۔ حالی کا زندۂ جاوید مسدس، اُردو میں اپنے طرز کی بالکل نئی چیز تھی مسدس نے اسلوب فکر اور اسلوب بیان دونوں میں ایک زبردست تغیر کر دیا۔ اور نئے انداز پر طویل مسلسل نظموں کے لئے راہ ہموار کر دی۔ حالی نے غزل کے خلاف بڑے شد و مد سے آواز اُٹھائی اور انگریزی اثرات کے تحت، شاعری میں واقعیت پسندی، خیال و جذبہ کی صداقت، زبان و بیان کی صفائی و سادگی پر بہت زور دیا۔ انگریزی علوم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ رجحان قوی ہونے لگا۔ اور انگریزی شعر و ادب میں زیادہ گہری بصیرت رکھنے والوں نے، نئے رجحان کو قوت ذہن اور گرمیٔ فکر کے ساتھ شاعری کے پیکر میں سمو دیا۔ حالی۔ سرسید کی تحریکِ اصلاح کے سب سے بڑے ادبی ترجمان تھے۔ اُنھوں نے کھلے لفظوں میں مغرب کی پیروی کا پرچار کیا۔ نئی اصلاحی فکر کے خلاف جو طبقے صف آرا تھے اُن کے نقطۂ نظر کی ترجمانی اُردو کے مشہور طنزیہ شاعر اکبر الٰہ آبادی نے کی۔ اکبر قدیم کے دلدادہ تھے اور مغربی تہذیب سے بیزار و نالاں۔ اُن کی ذہانت نے طنز و ظرافت کو اصلاحی مقصد کے لئے فن کی اس زبردست چابکدستی کے ساتھ برتا کہ ادب برائے زندگی کی ایک نئی راہ روشن ہو گئی۔ خودداری کے احساس اور مغربی علوم کے اثر نے وطن پرستی کو ایک طاقتور جذبہ کے ساتھ اُبھارا۔ چکبست اور اقبال کے یہاں وطن پرستی، انسانی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور تہذیبی حیثیتوں کے ساتھ ساتھ خالص سیاسی رُوپ میں بھی ظاہر ہوئی۔ وطن پرستی کے ترانے، مناظرِ قدرت کے حُسن و لطافت میں سرشار ہو کر شاعرانہ زمزمہ سنجیاں، تاریخ کے بھولے ہوئے اوراق کی نئے انداز سے یاد، وقت کے مسائل پر خیال آرائی، انگریزی کی بعض مقبول نظموں کے ترجمے، ۱۹۱۸ء تک تیس پینتیس برس کی مختصر مدت میں جدید اُردو شاعری کی راہیں بالکل ہموار ہو گئی تھیں اور اس کے خطوطِ امتیاز بالکل روشن ہو گئے تھے۔ ملک کی علمی و تہذیبی ترقی اور روز افزوں سیاسی بیداری کے ساتھ شاعری کے دامن پر جولانیِ فکر کے نئے نقش و نگار ظاہر ہوتے گئے اور کاروبارِ عشق کی نئے انداز سے ترتیب و تنظیم ہوتی گئی۔ عملی و سیاسی جدّ و جہد نے، شاعری کو مجاہدانہ آہنگ اور رجزیہ ترانے دیئے اور "کچھ کر جاؤ!" کی تمنا نے جاں سپاری کے زمزمے۔ اقبال نے فلسفۂ خودی اور بیخودی کی اشاعت سے اُردو شاعری کو حیات آفریں عزم اور فلسفیانہ بلند آہنگی دی۔ اقبال نے ادب برائے زندگی کا ایک بلند فلسفیانہ تصور پیش کیا ہے اور فکر کے بالکل نئے اور بھرپور عمل سے فن کی تزئین و آرائش کے بالکل نئے سامان اور شاندار ادبی اور شاعرانہ روایتیں پیدا کر دیں۔ اقبال کی شاعری، جدید اُردو ادب کا عظیم الشان کارنامہ ہے اور اس کی بدولت اُردو کی ساکھ دُنیا کے ادب میں بہت بڑھ گئی ہے۔ وطن پرستی، مشرق پرستی، تاریخ قدیم کی عظمت کے ترانے جوشؔ، سیمابؔ اور حفیظ جالندھری نے اپنے اپنے انداز میں الاپے۔ اس طرح اُردو شاعری کا دامن برابر وسیع ہوتا گیا۔ اور اس کے نغموں میں زندگی آفریں کیفیت تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔

ادب برائے زندگی کے تصور کو نئی قوت ترقی پسند تحریک نے دی ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یہ تحریک منظم طور پر ۱۹۳۵ء میں ظاہر ہوئی۔ اس تحریک کے بانیوں نے اشتراکیت کے اصول و آئین کی روشنی میں ادب کو زندگی سے قریب تر کرنے کی کوشش بڑی بلند آہنگی اور زور شور سے شروع کی اور پچیس تیس برس کی مدت میں یہ تحریک بہت زیادہ طاقت ور ہو گئی ہے۔ ابتدا میں یہ تحریک "نعرۂ انقلاب" اور "زن" کے شور سے معمور تھی۔ بتدریج اس میں زیادہ سنجیدگی، تحقیقی انداز، ماضی کے مطالعہ کا ذوق و شوق اور آدابِ فن کا پاس و لحاظ، تعمیری انداز میں اُبھرا ہے اور بظاہر یہ امکان بالکل روشن نظر آتا ہے کہ اس تحریک کے سنجیدہ مزاج افراد، اس تحریک کو بلند ادبی معیار پر پہنچا دیں گے۔ ترقی پسند تحریک نے ظالم و مظلوم کی کشمکش، روایت پرست سماج کی ناانصافیوں اور تعمیرِ زندگی کی اُمنگ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ اس تحریک کی بدولت اُردو شاعری میں فن کے بعض نئے تجربے بھی ہوئے ہیں۔ شاعری کو عروض کی بے جا قید و بند سے آزاد کرنے کی تحریک جس کی اُصولی حیثیت سے حالی نے تبلیغ کی تھی پچھلے پچاس ساٹھ برس میں ناکامی کے ساتھ سہی بہرحال چل رہی ہے۔ اس سلسلے میں ترقی پسند تحریک اور آزاد مسلک رکھنے والے شاعروں کے تجربے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مقررہ ضابطوں اور روایت پرستی کے مسلک سے بغاوت کرنے والا ہر ادیب و شاعر ترقی پسند نہیں ہے۔ ترقی پسند تحریک کائنات، انسان اور سماج کے مارکسی تصور پر عقیدہ کو بنیادی اہمیت دیتی ہے اور زندگی کے موجودہ نظام میں ضابطہ کے ساتھ ایک خاص معیار کے تحت انقلاب چاہتی ہے۔

جدید اُردو شاعری کو غیر زبانوں کے ادبی خزانوں سے بہت کچھ ملا ہے اس سلسلہ میں غیر زبانوں کے ادبی شاہکاروں کے ترجموں کا ذکر سب سے پہلے آنا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بعض ترجمے اس قدر عمدہ ہوئے ہیں کہ اُن کی حیثیت مستقل طبعزاد نظموں کی ہوگئی ہے۔ نظم طباطبائی، اکبر، سرور جہاں آبادی، اقبال، سلیم پانی پتی، نادر کاکوروی، اثر لکھنوی کی خدمات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔ جدید اُردو شاعری نے انگریزی کے علاوہ یورپ کی دوسری زبانوں اور سنسکرت اور ہندی سے بھی استفادہ کیا ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے مختلف اثرات کو اُردو کے فکر و فن میں جذب کیا ہے۔ اُردو شاعری کو ہندی سے قریب تر کرنے کی کوشش کے بہت نتیجہ خیز اثرات پیدا کئے۔ عظمت اللہ خاں کے "سریلے بول" اور آرزو کی "سُریلی بانسری" اس سلسلے کے مشہور ادبی کارنامے ہیں۔ اُردو میں روز افزوں گیتوں کی تعداد ہندی سے قریب تر ہونے کی کوشش کو خاص طور پر نمایاں کرتی ہے۔

جدید اُردو غزل

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں "غزل ہماری شاعری کی آبرو ہے"۔ دورِ جدید میں نظم کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے لیکن ادب کی دنیا آج بھی غزل کے زمزموں سے معمور ہے۔ حالی نے غزل کے خلاف آواز اُٹھا کر ہمارے ادب کی سب سے زیادہ شیریں، سب سے زیادہ وجد انگیز اور سب سے زیادہ معنی خیز صنف کو عارضی طور پر مایۂ رسوائی بنا دیا لیکن غزل مرنے والی چیز نہیں ہے۔ بہت جلد غزل نئے ساز و آہنگ کے ساتھ اُبھری اور مستقبل کے نہایت روشن امکانات کے ساتھ وہ برابر عروج و فروغ کی راہ پر گامزن ہے۔ نئی غزل نے لفظی مینا گری، محاورہ بندی اور زبان کے چٹخارے کے طلسم کو بہت حد تک توڑ دیا ہے۔ رسمی محبت کی داستانیں معدوم ہوگئی ہیں۔ زندگی کے تجربات کا خلوص جذبہ کے ساتھ فکر انگیز رمز و کنایہ کے لطیف پیرایہ میں بیان اور دل کی واردات کا پُرتاثیر انداز میں اظہار، یہ ہے وہ معیار جس کی طرف غزل تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ جدید دور میں میر، غالب اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مومن کے فکر و فن کے مطالعہ کی طرف خاص توجہ صرف ہوئی ہے اور ان اربابِ فن کے جادو بھرے نغموں نے ہمارے دور کے ذہن کو خاص طور پر متاثر کیا ہے جدید دور جذبہ کی تڑپ اور خیال کی معنی انگیزی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اسی لئے غزل کی رمزیت اور اشاریت خاص مطالعہ کی چیز بن گئی ہے اور اس ذخیرہ میں شاندار اضافہ ہوا ہے۔ شاد، حسرت، عزیز، ثاقب، فانی، اصغر، جگر، آرزو، فراق اور فیض کی عاشقانہ زمزمہ سنجیوں نے غزل کے مخفی امکانات کو بڑی چابک دستی کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ فارسی اور اُردو ادب میں عشق اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ غزل کے نگار خانے میں مجاز و حقیقت کی نیرنگیوں کے جلوے بکھرے پڑے ہیں۔ دورِ جدید میں تصوف نے نکھر کر بالکل نئے نئے طریقوں سے سرمستی کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اصغر کا تصوف لطیف روحانی سرشاری کا سامان ہے۔ اقبال نے عشق و سرشاری کے تصورات کو بلند فلسفیانہ زندگی آفریں آہنگ و معنی دے کر غزل کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

جدید اُردو نثر

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اُردو نثر کا سرمایہ بہت کم تھا۔ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف اور کہیں زیادہ ادبی تابش کے ساتھ غالب کے خطوط میں انشا پردازی کے پرانے اسلوب سے انحراف ملتا ہے اور آنے والے زمانے کی ہلکی سی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد صحیح معنی میں اُردو نثر پیدا ہوئی۔ سرسید احمد خاں نے ۱۸۷۰ء میں تہذیب الاخلاق جاری کر کے سادہ ادبی نگارش کی تحریک کا آغاز کیا۔ سرسید نے استدلال کے زور اور زبان کی بے ساختہ روانی کے ساتھ زندگی کے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا اور اس طرح

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

وسیع پیمانے پر ادبی خدمت کے دروازے کھول دیئے۔ نئے زمانے کا رُجحان انگریزی ادب کے اثرات اور اُردو کی نمو پذیر صلاحیتیں شد و مد کے ساتھ وسعت بیان کا تقاضا کر رہی تھیں۔ سرسید نے ساز چھیڑا ہی تھا کہ خاصی تعداد میں ہم آواز پیدا ہو گئے۔ محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، ڈاکٹر نذیر احمد، محسن الملک، ذکاء اللہ اور شبلی نعمانی نے اپنے قلمی اجتہاد سے جدید اُردو نثر کی بنیادیں مضبوط کیں اور علم و ادب کے مختلف شعبوں کی تنظیم کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ نثر کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اس کے دامن پر کمالِ فکر و ذہن کی نقش آفرینیاں بہار نظر بنتی گئیں۔ تاریخ، سوانح، تحقیق زبان اور تنقید ادب۔ معاشرتی، تمدنی، علمی، مذہبی موضوعات پر مقالات، افسانے اور ادب لطیف، طنز و مزاح بتدریج ادب کے مختلف شعبے ظہور میں آتے گئے اور وہ شاندار ذخیرہ پیدا ہوا جو آج اُردو کے لئے باعث افتخار ہے۔ اخبارات و رسائل کی عام اشاعت نے اُردو نثر کو ادبی معیار اور کاروباری مقبولیت دینے میں بہت نمایاں حصہ لیا۔ تہذیب الاخلاق، اودھ پنچ، تیرھویں صدی، دلگداز اور اسی طرح کے دوسرے جرائد و رسائل نے انیسویں صدی میں بڑی زبردست ادبی خدمات انجام دیں۔ بیسویں صدی کے ساتھ یہ دائرہ اور وسیع ہو گیا۔

جدید اُردو نثر کی بنیاد و رحقیقت ان علمی مقالات و مضامین سے پڑی جو سرسید نے اپنے اصلاحی مشن کے لئے تہذیب الاخلاق میں لکھے۔ سرسید کے قلم کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اُنھوں نے مذہب، سیاست، تعلیم، اصلاح معاشرت و تمدن، غرضکہ مختلف موضوعات پر فکر و زبان کی ہموار روانی کے ساتھ قلم اُٹھایا۔ اس طرح اُردو ادب میں انگریزی کے طرز پر مقالہ نویسی کا آغاز ہوا۔ سرسید کے ساتھیوں میں محسن الملک نے کالٹن، حالی اور آگے چل کر علامہ شبلی نے مقالہ نویسی کے فن کو ادبی حیثیت سے بہت آگے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بڑھا دیا۔ اعلیٰ معیار کی صحافت نے بھی اس فن کو تقویت پہنچائی۔ اس راہ میں شرر مرحوم کے "دلگداز" کی خدمات کسی طرح فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ مہدی افادی، ظفر علی خاں، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، نصیر حسین خیال، مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے ادیبوں نے مختلف موضوعات پر مقالات لکھ کر اس صنفِ ادب کو مالا مال کر دیا۔

جدید دور میں تاریخ اور سوانح نگاری کے فن نے خاصی ترقی حاصل کر لی ہے قومی احساس کے زندہ رکھنے میں تاریخ کو بڑا دخل ہے۔ غدر کے بعد ہندوستان میں اصلاح و ترقی کی جو تحریک اُٹھی تھی اُس نے ماضی کو نئی نظر اور نئے ذوقِ تحقیق کے ساتھ زندہ کیا۔ حالی نے "حیاتِ سعدی" لکھ کر پرانے طرز کی سوانح نگاری پر جس میں بیجا توصیف و تحسین حقیقی شخصیت کو نگاہوں سے چھپا دیتی تھی، خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ حالی نے حیاتِ سعدی کے علاوہ یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید دو اور شہرہ سوانحی تصانیف پیش کیں۔ حیاتِ جاوید نہ صرف حالی کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ ہے بلکہ اُردو کے سوانحی ذخیرہ میں خاص مرتبہ و امتیاز کی چیز ہے۔ تاریخی و سوانحی میدان میں علامہ شبلی نے اعلیٰ ترین نمود کمال حاصل کیا۔ شبلی اُردو کے سب سے بڑے مؤرخ ہیں۔ اُنھیں قدرت نے تحقیق و جستجو کے نہایت نفیس اور اعلیٰ ذوق سے سرفراز کیا تھا۔ اُن کا دائرۂ علم بہت وسیع تھا۔ اُنھوں نے جو تاریخی تصانیف لکھی ہیں وہ تحقیق کی بلندی اور انشا پردازی کے کمال، ہر حیثیت سے دنیا کے بہترین تاریخی ادب میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ شبلی کی راہ پر چلنے والوں میں مولوی عبدالرزاق کانپوری (مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی) اور سید سلیمان ندوی کو سب سے زیادہ امتیاز حاصل ہوا سید سلیمان ندوی نے "سیرۃ النبی" کی تکمیل کر کے اُردو ادب کو ایک ایسی شاندار تاریخی و سوانحی تصنیف عطا کر دی ہے جو اپنے موضوع پر آج کے دور میں شاید سب سے زیادہ بہتر کتاب ہے۔ شرر مرحوم کی تاریخی و سوانحی تصانیف بھی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

خاصے ادبی معیار کی چیزیں ہیں۔ اس سلسلہ میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کی خدمات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ جہاں چالیس برس سے اسلامی تاریخ پر برابر دادِ تحقیق دی جارہی ہے۔ سوانحی تصانیف میں سید سلیمان کی "حیاتِ شبلی" مولانا ابوالکلام آزاد کا "تذکرہ" عبدالماجد کی "محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند ورق" اور قاضی عبدالغفار کی "آثارِ جمال الدین" بلند ادبی وقار سے بہرہ ور ہیں۔

محمد حسین آزاد کی زندۂ جاوید تصنیف "آبحیات" نے جدید اردو نثر میں تحقیق زبان اور ادبی تنقید کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آزاد فنِ زبان دانی پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے ذوقِ تحقیق نے ادب میں ایک نئی راہ کو روشن کیا۔ آزاد ادب کی لطافت اور چاشنی کے بڑے رسیا تھے۔ لیکن تنقید نگار کے لئے جس بے لاگ قلم کی ضرورت ہے وہ آزاد کے پاس نہیں تھا۔ یہ کام حالی نے انجام دیا۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری اُردو تنقید کی ارتقاء میں عہد آفریں حیثیت رکھتا ہے۔ اُس نے نہایت درجہ صاف گوئی اور بیباکی کے ساتھ اپنے قائم کئے ہوئے معیارِ شعر گوئی کی روشنی میں اُردو کے ذخیرۂ شعر و ادب پر نگاہ ڈالی اور پوری صفائی کے ساتھ اپنے نتائجِ فکر کو پیش کیا۔ حالی نے اپنی معلومات کی حد تک مغربی تنقید سے کسبِ فیض کیا اور بڑی فراخ حوصلگی اور کشادہ ظرفی کے ساتھ اعلیٰ شعر و ادب کے اصول اور آئین مقرر کئے۔ مقدمۂ شعر و شاعری نے غور و فکر اور اُردو کے ذخیرۂ شعر و ادب کی جانچ پڑتال کا ایک خاصا ذوق پیدا کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں مغرب سے صالح ادبی اثرات کو قبول کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوا۔ اور اپنے ادب کے جواہر ریزوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سطحِ نمود پر لانے کی تمنا بھی پیدا ہوئی۔ حالی کے قائم کئے ہوئے تنقیدی اُصولوں کو شبلی نے زیادہ لطافت و نکھار کے ساتھ پیش کیا اور ان کی روشنی میں شبلی نے کارِ تنقید بھی انجام دیا۔ مغربی علم و ادب سے واقفیت بڑھنے کے ساتھ ساتھ تنقید کی نئی راہیں کھلیں۔ مہدی افادی نے بھرپور تاثراتی انداز

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میں اپنے دور کے نامور اربابِ ادب کے ادبی و شعری کارناموں پر اظہارِ خیال کیا۔ ڈاکٹر بجنوری نے تاثراتی تنقید کی لے کو بہت آگے بڑھا دیا۔ ڈاکٹر عبدالحق نے شعر و ادب کی پرانی کتابوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے اور معلومات افزا مقدموں کے ساتھ شایع کرنے میں نمایاں خدمت انجام دی۔ زبان و ادب کے مبصر و محقق کی حیثیت سے سید سلیمان ندوی کا درجہ بہت بلند ہے۔ اُن کی کاوشوں نے بلند معیارِ علمی تحقیق سے اُردو کو مالا مال کر دیا۔ نیاز فتحپوری اور عبدالماجد دریابادی نے اپنے اپنے رنگ میں اُردو شعر و ادب کے باطنی جمال کو بڑی لطافت کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ نئے حالات کے ساتھ تنقیدِ ادب کا وہ تصور پیدا ہوا جس نے ترقی پسند تحریک کے زیرِ سایہ پرورش پائی ہے۔ ترقی پسند تصورِ تنقید نے شعر و ادب کے نفسیات و مزاج کو سمجھنے میں کئی حیثیتوں سے بڑی مدد دی ہے۔ اس سلسلے میں مجنوں گورکھپوری، آلِ احمد سرور اور احتشام حسین رضوی کے نام خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ مغربی ادب کی رُوح میں یکسر ڈوب کر اُردو شاعری کا جائزہ لینے والوں میں ڈاکٹر عبداللطیف اور پروفیسر کلیم الدین احمد خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں افسانے کے بعد سب سے زیادہ توجہ تنقید پر صرف ہو رہی ہے۔

ناول و افسانے ہمارے ادب کی مقبول ترین اصناف میں سے ہیں۔ سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اُردو ادب میں قصہ کہانیوں اور داستانوں کا ایک اچھا ذخیرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس ذخیرہ کی بعض چیزیں بہت جاندار ہیں اور ادب و زندگی کے نقطۂ نظر سے گہرے مطالعہ کی مستحق ہیں۔ جدید دور میں انگریزی اثرات کے تحت ناول وجود میں آئی۔ اس سلسلے میں یہ چیز خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ اُردو کے پہلے ناول نگار ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنی کہانیاں خالص وعظ و نصیحت اور اصلاحِ معاشرت کے لئے لکھی تھیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد انگریزی ناول کے فن سے ناآشنا تھے۔ اُن کا مقصد بھی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ناول نگاری نہیں تھا۔ اُن کی حیثیت ایک واعظ اور مصلح کی تھی لیکن ان کی کتابوں میں سوسائٹی کے اتنے جاندار مرقعے اور اتنے اعلیٰ معیار کی کردار نگاری ملتی ہے کہ ان کے قصوں کا شمار ناولوں میں ہی ہوتا ہے ۱۸۷۸ء میں رتن ناتھ سرشار نے فسانۂ آزاد کا آغاز کر کے جدید ناول نگاری کو رواج دیا۔ سرشار کے زورِ قلم اور جولانیٔ فکر نے لکھنوی تمدن کی نیرنگیوں کو ہمیشہ کے لئے افسانہ کی دنیا میں زندہ و پائندہ کر دیا۔ سرشار نے ناول کی بیرونی ساخت و ترکیب پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ یہ کام عبدالحلیم شرر نے انجام دیا۔ شرر نے واضح طور پر مربوط اور منظم پلاٹ پیش کئے اور سر والٹر اسکاٹ سے متاثر ہو کر اُردو میں تاریخی ناول نگاری کا آغاز کیا۔ مرزا ہادی رسوا نے ناول کو شور و ہنگامہ کے میدان سے علیحدہ کر کے زندگی کی سچی مرقع کشی اور گہری نفسیاتی کردار نگاری کی اونچی سطح پر پہنچا دیا۔ پچھلے پچاس برس میں افسانوی فن نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ حب الوطنی اصلاحِ معاشرت، داستان حسن و عشق، جاسوسی کرشمے، سیاسی، انسانی فکر و ذہن کا نفسیاتی مطالعہ، عوامی زندگی کے شب و روز کے مسائل۔ غرض ہمارے افسانوں میں موضوعات کی ایک دنیا اُبھر آئی ہے۔

اس صدی کے آغاز کے ساتھ ملک میں سیاسی بیداری کی جو لہر اُٹھی تھی وہ پریم چند کے فن میں ایک زبردست ادبی اعجاز بن گئی۔ پریم چند نے افسانہ کو عوامی زندگی اور عوامی نفسیات کے اتنے دلآویز اور فکر انگیز مرقعے دیئے ہیں کہ بہ آسانی اُس کا جواب ممکن نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں مختصر کہانی کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ مختصر کہانی لکھنے والوں نے ہندوستان کی موجودہ زندگی کی مرقع کشی نئے نئے رُخوں سے کی ہے۔ انگریزی، فرانسیسی اور روسی افسانہ کے اثرات نے ہمارے افسانوی ادب کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ شاعری اور تنقید کی طرح افسانہ بھی ترقی پسند تحریک کے دائرۂ عمل کی ایک خاص چیز ہے۔ اس تحریک کے اثر سے افسانہ نگاری

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے فن کو بڑی قوت ملی ہے۔

پچھلے ستر پچھتر برس کے عرصہ میں مزاحیہ ادب نے بھی بہت ترقی کی ہے۔ جدید دور میں طنز و مزاح کا سنگ بنیاد اودھ پنچ نے رکھا۔ اودھ پنچ کی ظرافت ذہن کی جلت پھرت اور ادبی چاشنی کا ایک انوکھا نمونہ تھی۔ اس میں سستی قہقہے بازی اور پھبتیوں کو کافی دخل تھا۔ سرشار کے خندہ نشاط انگیز میں ظرافت چنبیلی کے پھولوں کی طرح بکھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مغربی اثرات کو ذہنی احتیاط و سنجیدگی کے ساتھ حسن و دلکشی کے پیکر میں سمو کر میر محفوظ علی نے طنز کو ادبی وقار بخش دیا۔ پچھلے تیس برس میں طنز و ظرافت نے نمایاں ادبی انداز میں کمال آفرینی کی ہے۔ فرحت اللہ بیگ، پطرس اور رشید احمد صدیقی نے اپنے اپنے اسلوب فکر میں گہری ادبی نشتریت اور معنی خیز چابکدستی کے ساتھ طنزیہ ادب کی تخلیق کی ہے۔ عظیم بیگ چغتائی اور شوکت تھانوی کا فن لطف انگیز ہنسی کے لئے کافی سامان فراہم کرتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کنہیا لال کپور نے طنز کو ذہانت و فکر کی ندرت کے ساتھ سماج کے ظالم طبقوں کی روسیاہی کو بے نقاب کرنے کے لئے بڑی کامیابی سے برتا ہے۔

جدید اردو ادب کو غیر زبانوں کے ادبی، علمی اور فکری شہ پاروں کے ترجموں سے بڑی گراں بہا دولت ملی ہے۔ بعض بعض ترجمے زبان و بیان کی اتنی گہری بصیرت اور مہارت کے ساتھ ہوئے ہیں کہ ترجموں میں طبعزاد تصنیف کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ ان ترجموں سے نہ صرف اردو کو دوسری زبانوں کی دولت فکر و خیال ملی ہے بلکہ زبان و انشا میں بھی حسن و دلکشی کے نئے نئے خدوخال ابھرے ہیں۔ ترجمے بیشتر انگریزی کتابوں سے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی، جرمنی، سنسکرت، ہندی، عربی اور بنگالی وغیرہ سے بھی کافی فیض حاصل کیا گیا ہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں سید علی بلگرامی، عزیز مرزا، ظفر علی خاں، عبدالماجد، عنایت اللہ دہلوی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور ڈاکٹر سید عابد حسین کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اوپر کی سطروں میں ہم نے بہت اختصار کے ساتھ اور بہت سرسری طور پر ۱۸۵۷ء کے بعد سے آج تک اردو ادب کی رفتار ترقی پر تبصرہ کیا ہے۔ ذیل میں ہم جدید اردو ادب کے ممتاز شاعروں اور نثاروں کے ادبی کارناموں پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کریں گے۔ سہولت کی خاطر ہم نے اس حصہ کو ذیل کے عنوانات پر تقسیم کر دیا ہے۔

۱۔ جدید اردو ادب کے معمار۔ اس عنوان کے تحت ہم نے سرسید، آزاد، حالی، ذکاء اللہ، نذیر احمد اور شبلی نعمانی کے ادبی کارناموں کا جائزہ لیا ہے۔

۲۔ جدید اردو شاعری

الف۔ اردو نظم۔ اس عنوان کے تحت جدید دور کے ممتاز نظم گو شعراء کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ب۔ اردو غزل۔ یہ عنوان ممتاز غزل گو شعراء کے رنگ تغزل پر تبصرہ کے لئے سرنامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ جدید اردو نثر۔ جدید دور کے ممتاز نثاروں کی ادبی تخلیق کے جائزہ کے لئے ہم نے چار ذیلی عنوانات منتخب کر لئے ہیں۔

۱۔ ناول و افسانہ۔

۲۔ انشائیہ، مقالات، صحافت

۳۔ تحقیق و تنقید۔

۴۔ طنز و مزاح

ہمیں اس کا احساس ہے کہ تمام ممتاز شعراء اور نثار اس فہرست میں نہیں آسکے ہیں لیکن ایک مختصر سی تاریخ میں اس سے زیادہ گنجائش ممکن بھی نہیں تھی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

جدید اردو ادب کے معمار

سرسیّد احمد خاں

جدید اردو ادب کے محسنوں میں سب سے پہلا نام سرسیّد احمد خاں کا ہے۔ سرسیّد ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد کو شاہانِ مغلیہ کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ عالمگیر ثانی نے ان کے دادا کو جوادالدولہ کا خطاب بھی دیا تھا۔ سرسیّد کے والد میر متقی ایک درویش صفت انسان تھے۔ جب اکبر شاہ ثانی نے ان کو عہدۂ وزارت دینا چاہا تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ سیّد صاحب کی پرورش اور تربیت ان کی والدہ نے کی جو ایک دیندار اور پاکیزہ طبیعت خاتون تھیں۔ رواجِ زمانہ کے مطابق انھوں نے عربی فارسی اور علومِ دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور خاصی دستگاہ پیدا کر لی۔ سرسیّد کو دہلی کی اس سوسائٹی کو دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کا پورا موقع ملا جو علم و فن اور شعر و ادب کے اعلیٰ مذاق میں رچی ہوئی تھی۔ سید صاحب کی ملازمت کا آغاز ۱۸۳۸ء سے ہوا جب وہ دہلی سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۹ء میں نائب میر منشی اور ۱۸۴۱ء میں امتحان منصفی پاس کر کے منصف ہوئے۔ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۴ء تک دلی کے صدر امین رہے۔ ۱۸۵۵ء میں سید صاحب بجنور منتقل ہو گئے۔ سید صاحب بجنور ہی میں تھے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا۔ اسی دوران انھوں نے انگریزوں کی مختلف طریقوں سے مدد کی۔ ملازمت کا یہ دور جہاں ایک طرف سرسیّد کی اعلیٰ انتظامی قابلیت کو نمایاں کرتا ہے۔ وہیں اسی دور میں ان کی علمی تحقیقی اور تصنیفی استعداد بھی پورے طور پر روشن ہو جاتی ہے۔ ان کی سب سے

Courtesy Adv. Shawkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پہلی کتاب "جام جم" بزبان فارسی ۱۸۴۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی تصنیف ہے اور خاندان آل تیمور سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور علمی موضوعات پر رسالے بھی انھوں نے لکھے۔ اس دور کی سب سے معرکہ آرا کتاب "آثار الصنادید" ہے جس میں دلی کے مشہور مقامات اور آثار قدیمہ۔ نیز اپنے زمانے کے تمام کاملین فن فقراء اور علماء کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی اتنی شہرت ہوئی کہ انگریزی کے علاوہ فرانسیسی میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابوالفضل کی معرکہ آرا فارسی تاریخ آئین اکبری کی تصحیح بھی کی اور تاریخ فیروز شاہی کو ایڈٹ کیا۔ سرسید کی انتظامی قابلیتوں اور علمی و تصنیفی مشاغل پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ وہ بڑے بیدار مغز، ذہین، تحقیق و تجسس کا شوق رکھنے والے اور جفاکش انسان تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ انقلاب نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ غدر میں انقلابیوں کی بدنظمی، بے مقصد شورش اور بعد میں انگریزی سرکار کے کارندوں کے ہاتھوں ہندوستانیوں پر کھلے بندوں ظلم و جور، ہندوستانی شرفاء کی تباہی، آن کی آن میں صدیوں کی بنی بنائی ساکھ کا بگڑ جانا۔ یہ وہ چیزیں تھیں جنھوں نے سرسید کے دل کو شدید ٹھیس لگائی۔ وہ ہرگز اپنے قوم و وطن کی تباہی دیکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انگریز قوم ایک بہتر نظام حیات لے کر آئی ہے اور اس کی حکومت کو ختم کرنے کا جذبہ محض جنون ہے۔ ان خیالات نے سرسید کو ایک نئی حیثیت میں ملک کے سامنے پیش کیا وہ ایک مصلحانہ مقصد لے کر میدان میں آ گئے اور اس کے بعد انھوں نے اپنی ساری زندگی، قلم کا سارا زور، تحقیق کی ساری صلاحیت اور کام کرنے کی ساری اہلیت کو قوم کی اصلاح کے لئے وقف کر دیا۔ ان کی رائے میں اہل ہند اور خاص طور پر ان کے دینی بھائی مسلمانوں کی زندگی اور ترقی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ انگریزی حکومت کی اطاعت دل سے کریں۔ زمانے کے مزاج کو سمجھیں نئی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nagabhandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تہذیب کو خوش دلی کے ساتھ اپنائیں اور اس طرح نئے زمانے سے سازگار ہو کر کامرانی اور صلاح و فلاح کی صورت پیدا کریں۔ بحیثیت مصلح سرسید احمد کی زندگی کا آغاز، رسالہ "اسباب بغاوت ہند" سے ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں ہندوستانیوں اور مسلمانوں کے متعلق انگریزوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بڑی دلیرانہ کوشش کی گئی ہے غدر کے بعد ملازمت کے دور میں بھی انھوں نے اپنی اصلاحی کوششوں کو جاری رکھا۔ سرسید کے خیال میں اصلاح کا پہلا قدم نئی تعلیم حاصل کرنا اور نئے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کرنا تھا۔ ۱۸۶۱ء میں جب وہ مراد آباد میں تھے انھوں نے ایک انگریزی اسکول قائم کیا۔ ۱۸۶۳ء میں غازی پور کے قیام کے دوران میں وہاں بھی ایک اسکول کھولا۔ ۱۸۶۴ء میں انھوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ نئے علوم کی کتابیں اردو زبان میں شائع کی جائیں اور اس طرح مسلمان مغرب کی ترقی اور خیالات سے آگاہ ہوتے رہیں۔

۱۸۶۴ء میں سرسید کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا اور سوسائٹی کا دفتر بھی علی گڑھ آ گیا۔ یہیں سے ۱۸۶۶ء میں سوسائٹی کا ایک اخبار "علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے نام سے نکلا جس میں سرسید خود بھی مختلف مضامین لکھتے تھے اور انگریزی اخباروں سے بھی اچھے اچھے مضامین کے ترجمے شائع کراتے تھے۔

سرسید کے اصلاحی پروگرام کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مضبوط قسم کے سماجی روابط قائم کئے جائیں اس غرض کے لئے انھوں نے کتابوں کا بہت وسیع اور گہرا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کی روشنی میں مسلمانوں کے رائج الوقت مذہبی خیالات کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ اس موضوع پر سرسید نے مختلف حیثیتوں سے لکھا ہے اور بہت لکھا ہے۔ ۱۸۶۷ء میں ان کا تبادلہ بنارس ہو گیا۔ ان کا علمی و تحقیقی ذوق اور اصلاحی جذبہ جہاں کہیں بھی وہ جاتے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تھے زندگی کی کوئی نہ کوئی لہر پیدا کرتا تھا۔ یہاں انھوں نے سب سے پہلے ہومیوپیتھی کی حمایت میں ایک ایسوسی ایشن قائم کی اور اسی زمانے میں ایک ہندوستانی یونی ورسٹی قائم کرنے کے لئے گورنر جنرل کو اس مضمون کا ایک میمورئیل بھیجا۔ ۱۸۶۹ء میں اپنے بیٹے سید محمود کے ساتھ سفر انگلستان کیا۔ سرسید کا یہ سفر اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہے لندن میں ایک زبردست کام انھوں نے یہ کیا کہ سر ولیم میور کی مشہور کتاب لائف آف محمدؐ LIFE OF MUHAMMAD کا دلیرانہ جواب لکھا اور اسے انگریزی اور اردو میں شائع کرایا یہ جواب اُن کے ذوق تحقیق، مذہب سے ان کی سچی لگن اور ان کی طبیعت کی دلیری پر بہت صاف روشنی ڈالتی ہے۔ لندن میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے آکسفورڈ اور کیمبرج کے طرز کا ایک کالج ہندوستان میں کھولا جائے کیوں کہ وہ اس خیال پر سختی سے جم گئے تھے کہ مغرب کے اعلیٰ علوم کو پورے طور پر حاصل کئے بغیر مسلمان ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ لندن سے واپس آکر ۱۸۷۰ء میں انھوں نے اپنا مشہور رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا "تہذیب الاخلاق" نے اردو ادب میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ تہذیبی۔ سماجی۔ مذہبی تعلیمی موضوعات پر اس کے مضامین جو نئی فکر اور بالکل نئے اسلوب بیان سے بہرہ ور تھے، جدید اردو ادب کا سنگ بنیاد بن گئے۔ ۱۸۷۵ء میں سرسید کے خواب کی تعبیر مکمل اور علی گڈھ کالج کا باقاعدہ افتتاح ہوا ۱۸۷۸ء میں انھوں نے پنشن لے لی اور اپنی بقیہ زندگی کالج کی خدمت میں صرف کر دی۔ کالج کی خدمت کے ساتھ ساتھ انھوں نے مسلمانوں کی مذہبی و تہذیبی اصلاح کا کام بھی جاری رکھا اور اسی مقصد کے لئے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی جو نامکمل رہ گئی۔ قدامت پرستوں نے ان کے ہر خیال اور ہر کام پر پھبتیاں کسی تھیں۔ اور ان کی مخالفت کی تھی۔ تفسیر قرآن کے معاملے میں سرسید کو اسی برتاؤ سے سابقہ پڑا۔ سرسید بات کے دھنی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ے۔ ان میں چٹان کا سا عزم تھا۔ وہ آخر دم تک مخالفوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے
م میں لگے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

سرسید کے احسانات

ہندوستان کے چوٹی کے مصلحوں اور ریفارمروں میں سرسید احمد کا بہت ممتاز مقام ہے۔ ان کے وقت عزم و عمل نے مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا۔ انھوں نے مسلسل تبلیغ سے مسلمانوں کے اندر فکر و خیال کی آزادی پیدا کی، نئے علوم اور نئے زمانے کو اپنانے کا حقیقی جذبہ ابھارا۔ اور اس طرح ملکی زندگی پر بہت صحت مند اور نفع بخش اثر ڈالا۔ اصلاحی کارناموں سے قطع نظر اردو زبان و ادب پر ان کا مستقل احسان ہے جو رہتی دنیا تک کے لئے امر ہے۔

سرسید نے وہ شکنجے توڑ ڈالے جو ادب کو رسم پرستی اور تصنعات میں جکڑے ہوئے تھے ان کی کوششوں سے فطری اظہار خیال کے سوتے پھوٹ پڑے۔ اور دامن اردو بہار نظر بن کر لہلہا اٹھا۔ ان کی جادو بھری شخصیت نے اعلیٰ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے روشن خیال افراد کی ایک جماعت پیدا کر دی۔ حالی، شبلی، نذیر احمد، ذکاء اللہ محسن الملک، چراغ علی، وقار الملک، ادبی اور قومی زندگی میں چراغ راہ بن جانے والے یہ افراد سرسید کے دامن فیض کے پروردہ تھے۔ بجا طور پر ناقدین فن نے سرسید کو "فادر آف ماڈرن اردو پروز یا بانی نثر جدید" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

سرسید کی تصانیف اور اسلوب تحریر

سرسید کی کل تصنیفوں اور تالیفوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے آثار الصنادید، خطبات احمدیہ، تفسیر القرآن، مجموعہ ہائے لکچر و مضامین۔ ادبی حیثیت سے خاص مطالعے کے مستحق ہیں۔ اردو میں سرسید پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو نثر کو مختلف النوع مسائل و مضامین مثلاً تاریخی، تحقیقی، مذہبی، تعلیمی وغیرہ کے لئے خاص

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

علمی طور پر استعمال کیا۔ ان کی عبارت صاف ستھری، رواں ہوتی ہے اور ادائے مطالب پر پوری قدرت کا اظہار کرتی ہے۔ ہوائی بات کا سرسیّد کے یہاں گذر نہیں۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں استدلال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ بڑے مقصد کے ساتھ لکھتے ہیں اور پوری سچائی اور بے باکی کے ساتھ لکھتے ہیں یہ چیزیں مل جل کر عبارت میں متانت اور وقار کی ایک شان پیدا کر دیتی ہیں۔ جہاں کہیں طبیعت پر کوئی خاص کیفیت طاری ہو گئی ہے اور تاثرات میں ڈوب کر لکھا ہے، قلم میں مصور کے موقلم کی شان جھلک پڑی ہے۔ سرسیّد کی تحریروں نے علمی نثر نگاری کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔

محمد حسین آزاد

جدید اردو ادب کے بانیوں میں محمد حسین آزاد کا مرتبہ بہت بلند ہے زمانہ کی نئی روش کو پہچان کر اس کے مطابق اردو ادب کی اصلاح کے لئے آزاد نے سب سے پہلے قدم اٹھایا۔ وہ دہلی میں ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمد باقر دہلی کے معزز رئیس اور سخنور تھے۔ استاد ذوق سے ان کا گھرانہ یارانہ تھا اسی لئے آزاد کی ابتدائی تربیت ذوق کے زیر سایہ ہوئی۔ ذوق کی صحبتوں میں آزاد کو فن شعر کا علم حاصل ہوا اور ان کا مذاق شعر گوئی نکھرا۔ انھوں نے پرانے دلی کالج میں بھی تعلیم کی۔ آزاد کو فطرت سے ایک بہت تحقیق پسند، لطیف، نفاست طلب اور ستھری زنگینیوں میں رچا ہوا ذوق ملا تھا۔ دلی کی ادبی صحبتوں اور دلی کالج کے علمی ماحول میں اس ذوق کی بڑی شائستہ تربیت ہوئی۔ فارسی زبان آزاد کا اوڑھنا بچھونا تھی اور زندگی بھر ان کا خیال شیراز و اصفہان کی موج لطافت میں ڈوبا رہا ۱۸۵۷ء کے غدر نے آزاد کو بھی دلی چھوڑنے پر مجبور کیا پھرتے پھراتے لاہور پہونچے سررشتۂ تعلیم میں پندرہ روپیہ ماہانہ پر ملازم ہو گئے بہت جلد ان کی قابلیت کا ایسا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

شہرہ ہوا کہ پورے صوبہ پر ان کی علمی دھاک بیٹھ گئی۔ گورنمنٹ نے ان سے کئی ریڈریں لکھوائیں۔ تالیق پنجاب اور پنجاب میگزین کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے اخیر میں گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے۔ انھوں نے دو بار ایران کا سفر کیا۔ ایران کے سفر سے انھیں تحقیق زبان کے کاموں میں بڑی مدد ملی ۱۸۷۴ء میں انھوں نے انجمن پنجاب کے زیر اہتمام ایک نئے طرز کے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جس میں مقرر کئے ہوئے عنوانات پر شاعروں نے نظمیں کہیں اور اس طرح اردو شاعری میں ایک نئی راہ نکلی۔ انتقال سے بیس برس پہلے ان پر آثار جنون طاری ہونے لگے۔ ادبی کام ان سے بالکل چھوٹ گیا۔ اسی حالت میں ۱۹۱۰ء میں اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔

آزاد کی جودت فکر نے نظم و نثر دونوں کو یکساں سیراب کیا ہے ان کا ممتاز ترین ادبی وصف ان کی انشا پردازی ہے جو لطافت فکر اور لطافت بیان و زبان کا ایسا بلیغ امتزاج ہے کہ ذوق سلیم بے اختیار وجد کر اٹھتا ہے۔ آزاد کے خیال کی راہیں رنگ و نکہت میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ سرشاری اور مستی میں ساز دل سے وجد طرب کے ترانے ابل رہے ہیں۔ یہ ہے آزاد کا رنگ انشا۔ لفظوں کی جانچ پڑتال، زبان کے آب و رنگ کی پرکھ آزاد کے خاص شوق کی چیزیں تھیں۔ آزاد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے زباندانی کے جوہر کو انشا کی رعنائی میں تحلیل کر دیا ہے۔ آزاد کا سب سے بڑا نثری کارنامہ ان کی زندہ جاوید تصنیف "آب حیات" ہے یہ اردو شاعروں اور اردو شاعری کے ارتقا کا پہلا تذکرہ ہے جو باقاعدہ ترتیب کے ساتھ لکھا گیا۔ آب حیات میں اردو زبان کی پیدائش اور عہد بہ عہد ترقی پر اظہار خیال کر کے آزاد نے لسانی تحقیق کا ایک باب کھولا ہے۔ شمالی ہندوستان میں اردو شاعری کے ارتقا کو پانچ دوروں میں تقسیم کر کے ہر دور کے مزاج و خصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی گئی ہے۔ شاعروں کے حالات، ان کی سیرت کا بیان اور ان کی شاعری پر تبصرہ مختصر یہ کہ آب حیات معلومات اور تنقیدی جائزہ کا ایک گراں بہا ذخیرہ ہے۔ آب حیات میں کمزوریاں بھی بہت ہیں۔ اردو زبان کی ابتدا کا سراغ آزاد نے ناقص معلومات اور کہیں کہیں بہت زیادہ غیر مستند روایتوں کی بنیاد پر لگایا ہے شاعروں کے حالات میں بھی ذوقِ فسانہ سازی خوب خوب کھل کھیلا ہے۔

آزاد، وہ ٹوک بات کہنا نہیں جانتے تھے۔ ان کے یہاں خار بھی وجہ رونق گل ہے اور شام کی سیاہی بھی سلونے پن کی شبیہ، اسی لئے بحیثیت تنقید نگار آزاد کی رائیں اکثر و بیشتر مروت کی زخم خوردہ ہیں۔

زبان و ادب کے محققوں اور نقادوں نے آب حیات پر بہت لے دے کی لیکن آب حیات کی تاریخی اہمیت اور شرفِ اولیت سے انکار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ نئے طرز کی تذکرہ نگاری کے میدان میں آزاد کا قدم پہلا قدم تھا۔ یہ چیز بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے کہ آزاد کے زمانے میں وہ قدیم تذکرے جو شواہد لغت سے اور جہل تھے۔ پرانے تذکروں کے مطالعے اور بزرگوں سے سنی سنائی باتوں کو جمع کر کے باقاعدگی اور ترتیب کی لڑی میں پرو دینا آج آسان کام معلوم ہو لیکن آزاد کے زمانے میں یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ آب حیات کے وہ حصے بے انتہا دلچسپ ہیں جہاں شاعروں کی سیرت اور مختلف شعری وادبی فضاؤں کی ایسی زندہ عکاسی کی گئی ہے کہ زندگی بموجِ مستی رقص کناں معلوم ہوتی ہے۔ آزاد کے قلم کے جادو نے اس زندگی کو لفظوں کے دامن میں محفوظ کر دیا ہے۔

نیرنگ خیال بھی ایک خاص ندرت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں آزاد نے بڑی لطافت اور فن کی چابک دستی کے ساتھ (ALLEGORY) کو اردو میں ادبی پیکر عطا کیا ہے جذبات، خیالات اور غیر مرئی اشیا کی اتنی بہتر تخیلی مصوری کی گئی ہے کہ شعریت قدم قدم پر بکھری نظر آتی ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

"دربار اکبری" آزاد کی سوانحی تصنیف ہے۔ اس میں مغل شہنشاہ اعظم اکبر کی زندگی۔ کارنامہ طائے حیات۔ نت نئی دلچسپیوں، دربار کے احوال اور نورتن کے کوائف کا بڑے دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے "سخندان فارس" ایک لسانیاتی اور تحقیقی تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ آزاد کی اور بھی تصانیف ہیں مثلاً "نگارستان فارس" "سپاس دناک" "جانورستان" وغیرہ۔

شاعری میں آزاد کے کارنامے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے انگریزی ادب کے زیر اثر شاعری کو بیجا مبالغہ ضرورت سے زیادہ حسن کاری اور تخیل اور زبان کی بے محابا فراوانی سے آزاد کر کے فطری خیال آرائی اور فطری اسلوب بیان کے پیکر میں ڈھالا۔ آزاد کی نظمیں خیال کی لطافت اور زبان و بیان کی دلآویزی کا عمدہ نمونہ ہیں۔

الطاف حسین حالی

سرسید کے رفیقوں میں ادبی حیثیت سے خواجہ الطاف حسین حالی سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ حالی ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے۔ وہ انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد خواجہ ایزد بخش غربت و ناداری کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ حالی کا سن نو برس کا تھا کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی تعلیم و تربیت کا بار ان کے بڑے بھائی پر آ پڑا۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد انھوں نے عربی کی تعلیم شروع کی۔ ابھی تعلیم سے فراغت نہیں کر پائے تھے کہ سترہ برس کی عمر میں ان کی مرضی کے خلاف ان کی شادی ہو گئی لیکن حالی کے شوق علم کی یہ کیفیت تھی کہ شادی زنجیر پا نہ بن سکی وہ حصول علم کے لئے ۱۸۵۴ء میں دلی چلے گئے دلی میں انھوں نے عربی ادب، منطق عروض وغیرہ میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ ذوق شعر گوئی نے انھیں غالب کی خدمت میں پہونچایا اور اس طرح غالب سے حصول فیض کا موقع ملا۔ حالی نے دلی کی علمی و ادبی محفلوں کو اپنی آنکھوں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سے دیکھا تھا۔ ان کا اثر ایک گہرے نقش کی طرح ان کے دل و دماغ پر قائم ہو گیا۔ دہلی مرحوم پر حالی کی نوحہ خوانی بڑے سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ڈیڑھ برس کے بعد وہ اپنے وطن واپس آ گئے۔ ۱۸۵۶ء میں کلکٹری حصار میں ایک ملازمت کر لی مگر غدر کے ہنگامے کی وجہ سے پھر اپنے وطن واپس آ گئے۔ تین چار برس کے بعد حالی نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے یہاں ان کے لڑکوں کے معلم اتالیق کی حیثیت سے رہنے لگے۔ شیفتہ کی صحبتوں نے ذوق شعر گوئی اور ملکہ فہم شعر کو چمکا دیا۔ حالی کی تربیت ذہن میں غالب اور شیفتہ کا نمایاں ہاتھ ہے۔ شیفتہ کے پاس وہ قریب آٹھ برس رہے۔ اس کے بعد وہ لاہور آئے یہاں ان کو گورنمنٹ بکڈپو میں جگہ مل گئی جس میں ان کو سررشتہ تعلیم کی انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی عبارت دیکھنا اور درست کرنا پڑتی تھی۔ اس کام نے حالی کو بہت فائدہ پہونچایا۔ انھیں انگریزی ادب اور مغربی خیالات سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ اور وہ ذہن جو غالب و شیفتہ کی تربیت سے جدت لطافت اور تخیل کی فکر انگیزی کا خاص طور پر گرویدہ ہو چکا تھا اس نئے اثر سے اصلاحی جد و جہد کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ حالی نے انجمن پنجاب کے شاعروں میں جدید طریقے پر عمل پیرا ہو کر چار مثنویاں پڑھیں۔ برکھارت۔ نشاط امید، مناظرہ رحم و انصاف، حب وطن۔ ان مثنویوں میں خیال کی صداقت۔ جذبے کی انسانی تڑپ اور بیان کی سادگی اور پر تاثیر چاشنی نے مل جل کر ایک بہت ہی دلکش کیفیت پیدا کر دی۔ ان مثنویوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حالی لاہور میں زیادہ دنوں قیام نہ کر سکے۔ وہ دہلی آ گئے اور اینگلو عربک کالج میں ٹیچر ہو گئے۔ یہی وہ دور ہے جب سرسید سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حالی کو گویا مرشد مل گیا اور سرسید کو اپنی مشن کا سب سے بڑا ترجمان۔ سرسید کے ایما پر حالی نے اپنا مشہور مسدس مدوجزر اسلام لکھا۔ یہ مسدس شاعری کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے اس کی بدولت اردو شاعری میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

گویا انقلاب آگیا اور اردو نظم کے مخفی امکانات کچھ اس انداز سے روشن ہو گئے کہ ایک دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ حالی اپنی نظم و نثر سے تادم آخر سرسید مشن کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۱۵ء میں حالی کا انتقال ہوا۔

حالی کی خدمات نظم و نثر دونوں میدانوں میں یکساں امتیاز رکھتی ہیں۔ ان کی حیثیت ایک نئی راہ نکالنے والے کی ہے۔ شاعری میں انھوں نے اس لئے کہ کہیں زیادہ موثر انداز میں تیز کیا ہے جسے محمد حسین آزاد نے شروع کیا تھا انھوں نے شعر برائے شعر کی راہ کو ترک کیا۔ بندھے ٹکے موضوعات اور اسالیب بیان کو چھوڑا اور فکر کے مجتہدانہ عمل کے ساتھ زمانہ کی ضرورتوں اور مغرب کے ترقی یافتہ معیار ادب کے مطابق شعر گوئی کا فریضہ انجام دیا۔ مغربی علوم اور مغربی تعلیم کے اثر سے نیچرل شاعری کا جو تصور عام ہو رہا تھا۔ حالی نے فنی اجتہاد اور پختگی کے ساتھ اس کے نمونے پیش کر کے دکھا دیے۔ حالی کی نظموں میں وہ تاثیر ہے جو سچی انسانی تڑپ اور محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ حالی کو قوم اور وطن سے دلی محبت ہے اور یہ محبت ان کے تمام جذبات پر چھائی ہوئی ہے اسی محبت نے حالی جیسے خاموش طبیعت سنجیدہ مزاج انسان کو اصلاح کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ حالی کی طبیعت میں وہ سوز و گداز بھی ہے جو منظر عبرت کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ عزم سفر بھی ہے جو منزل کی کشش کو روح عمل بنا کر دل و دماغ میں اتار دیتا ہے حالی کی شاہکار نظم "مسدس" اسلام ان کے پورے ذہن کا آئینہ ہے۔ بغداد قرطبہ اور دلی کی تباہی پر بے اختیار حالی کے آنسو بہہ پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کے عروج و شوکت کے کارنامے اس نے بڑے احساس فخر کے ساتھ سنائے ہیں۔ ان کے علمی، سیاسی اور تہذیبی زوال و پستی کے اسباب پر بڑی سخت اور کڑی تنقید کی ہے اور زندگی اور ترقی کی منزل کی طرف بڑی درد کی اور للکار کے ساتھ ان کو پکارا ہے حالی کی طبیعت میں خلوص کا جو رچاؤ اس شان سے رچ گیا تھا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کہ ان کے ایک ایک لفظ سے اس کی تانبا کی ٹپکی پڑتی ہے۔ حالی نے جو مرثیے لکھے ہیں وہ اردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ خصوصاً اپنے استاد غالب کے جو مرثیہ انھوں نے لکھ دیا ہے اس میں جذبہ کی وہ نشتریت اور گیرائی ملتی ہے جو اردو ادب میں اپنی نظیر آپ ہے۔ حالی نے بھی اپنی شاعری کی ابتدا غزل کی آغوش میں کی تھی اور خود ان کے الفاظ میں انھیں بھی برسوں ایک خیالی محبوب کی تلاش میں صحرا نوردی کرنا پڑی تھی۔ لیکن دورِ اول میں بھی حالی کی غزل گوئی عام طرز سے بہت ممتاز ہے۔ اس میں متانت ہے۔ جذبے کی ہلکی ہلکی آنچ ہے۔ فکر کا ہموار عمل ہے۔ اصلاحی راہ اختیار کرنے کے بعد حالی کی غزل گوئی کا مزاج بھی بدل گیا۔ محبت کے روایتی تصور کی جگہ انسانی ہمدردی نے لے لی اور حالی کے یہاں وہ کیفیت پیدا ہوگئی جو گداز طبیعت رکھنے والے مفکر کے یہاں ہوتی ہے۔

نثر کے میدان میں حالی اعلیٰ معیار کی مجتہدانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں نے سادہ نگاری کی اس روایت کو مستحکم کر دیا ہے جسے سرسید احمد خاں نے شروع کیا تھا۔ ایک ادیب کی حیثیت سے ان کے دو پہلو بہت ممتاز ہیں۔ سوانح نگاری اور تنقید ان کی پہلی سوانحی تصنیف "حیاتِ سعدی" ہے جس میں گلستان و بوستاں کے مصنف شیخ سعدی شیرازی کی زندگی، کردار اور مزاجِ فکر و ادب کا بیان نہایت ہی بے تکلف لیکن بڑے موثر ادبی انداز میں کیا ہے۔ حیاتِ سعدی اردو ادب میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ اردو میں سوانح نگاری کا سنگ بنیاد حالی نے رکھا "یادگارِ غالب" کی دو حیثیتیں ہیں۔ وہ ایک سوانحی تصنیف بھی ہے اور ایک زبردست تنقیدی کارنامہ بھی ہے۔ حالی نے غالب کی شاعرانہ عظمت کے سمجھانے میں جو لطیف نکتے پیش کئے ہیں وہ ان کے اعلیٰ فہم شعری اور نفسیاتی بصیرت پر دلالت کرتے ہیں۔ "حیاتِ جاوید" ان کی سب سے ضخیم سوانحی تصنیف ہے اس کتاب میں انھوں نے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اپنے مرشد سرسید احمد خاں کے حالات زندگی اور مختلف النوع کارناموں کا بیان کیا ہے علامہ شبلی نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا "کتاب المناقب ہے اور وہ بھی نامکمل تبصرہ بالکل سطحی نہیں ہے۔ اس میں صداقت مفرد ہے لیکن یہ بھی اپنی جگہ واقعہ ہے کہ حیات جاوید اردو کی سب سے زیادہ معرکہ آرا سوانحی تصنیف ہے حالی کی تنقید نگاری کا کارنامہ ان کا "مقدمہ شعر و شاعری" ہے اس کے مطالعے سے بیک وقت دو متضاد نتیجے ابھرتے ہیں (۱) مغربی ادب اور فن تنقید کے متعلق حالی کی ناقص اور سطحی واقفیت (۲) شعر و فن کے بعض بنیادی اہم مسائل کے متعلق حالی کی پر بصیرت توجیہات۔ سرسید کی طرح حالی بھی مغرب سے مرعوب تھے اور اس مرعوبیت کی زد میں آکر بعض اوقات انھوں نے مشرقی ادب اور اردو شاعری پر بڑی بیجا تنقید کی ہے۔ مغربی ادب پر حالی کو کوئی عبور نہیں تھا اور انھوں نے اکثر مغربی نقطۂ نظر کی غلط ترجمانی کی ہے۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری کمزوریاں مقدمہ میں بالکل صاف طور پر نمایاں ہیں لیکن اس سے مقدمہ کی تاریخی اہمیت پر کوئی اہم اثر نہیں پڑتا مقدمہ پہلی تنقیدی تصنیف ہے جس میں مشرقی شاعری کا بحیثیت مجموعی جائزہ لے کر مستقبل کی ترقی کے لئے اعلیٰ شاعری کے واضح اصول اور معیار مقرر کئے گئے ہیں۔ اسی سلسلے میں حالی نے اردو شاعری کے مختلف اصناف پر جو تبصرہ کیا ہے وہ بہت جاندار ہے۔ شاعری اور زندگی کے ربط پر بھی حالی کی خامہ فرسائی قابل لحاظ ہے۔ حالی بہت بے لاگ طبیعت رکھنے والا آدمی ہے وہ بالکل کھلے ڈلے انداز میں دو ٹوک بات کہتا ہے۔ مروت کی خاطر لگی لپٹی رکھنا اسے نہیں آتا۔ اردو شاعری میں جو زبردست انقلاب ہوا ہے اس میں حالی کے مقدمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ذکاء اللہ

ذکاء اللہ ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ رسم زمانہ کے مطابق بچپن میں عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی بارہ برس کے سن میں دہلی کالج میں داخل ہو گئے بچپن سے بڑے ذہین اور حصول علم کے معاملے میں بڑے محنتی اور جفاکش تھے ریاضی سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ ذکاء اللہ کا آغاز ملازمت بحیثیت پروفیسر ریاضی دلی کالج میں ہوا یہاں زیادہ قیام نہیں رہا آگرہ کے کالج میں فارسی اور اردو کے معلم رہے ۱۸۵۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ ایک برس بعد دہلی نارمل اسکول کے مدرس اعلیٰ ہوئے۔ اخیر میں میور سنٹرل کالج الہ آباد میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں پندرہ برس بڑے امتیاز کے ساتھ کام کر کے پنشن لی اور بقیہ عمر تصنیف و تالیف میں گذار دی۔

ذکاء اللہ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ریاضیات، سائنس، جغرافیہ، تاریخ سیاسیات، انھوں نے مختلف علوم پر وافر مقدار میں لکھا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۴۳ ہے وہ بڑے ضابطے کے آدمی تھے اور اپنا بیشتر وقت نہایت پابندی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے۔ ان کی تصانیف میں ترجمہ کا حصہ زیادہ ہے۔ تاریخ ہندوستان جو دس ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے ذکاء اللہ کی سب سے بڑی کتاب ہے ان کی یہ تصنیف قدر کی مستحق ہے۔ ذکاء اللہ نے علمی خدمت کا جتنا وسیع دائرہ اپنے لئے مقرر کیا تھا وہ بہ اعتبار ذہن اس کے لئے موزوں نہیں تھے۔ وہ بڑے محقق تھے۔ نہ بڑے مورخ اور نہ صاحب طرز انشا پرداز ان کی تحریر میں سادگی اور روانی ضرور ہے لیکن ادبی رس بیشتر مفقود ہے ادب کی تاریخ میں ان کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے نئے علوم کی اشاعت اور سرسید کی سادہ نگاری

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تحریک کو تقویت پہونچانے میں بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ وہ علی گڈھ تحریک کے بڑے
حامی تھے اور ان کی قلمی کوششوں سے اس تحریک کو بڑا فائدہ پہونچا۔

سرسیّد کے دو ممتاز رفیق
محسن الملک اور چراغ علی

سرسیّد کے رفیقوں میں ان ارباب ادب کے علاوہ جن کا تذکرہ ہم نے عنوانات کے تحت کیا ہے چند اور نام ہیں جو مطالعہ کے مستحق ہیں۔ پہلا نام سرسید کے دست راست نواب محسن الملک کا ہے۔ محسن الملک سرسید کی طرح بہت آزاد خیال انسان تھے ان کے مضامین، ان کی وسیع علمیت، تیزی فکر۔ استدلال پسندی اور صاف ستھرے سلجھے ہوئے ذہن کا روشن آئینہ ہیں۔ عبارت بہت سلیس اور شگفتہ ہوتی ہے اور کہیں کہیں اس میں دلکش رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بڑے معرکہ کے خطیب بھی تھے ان کے خطبے زور بیان۔ طنز لطیف، جولانیٔ ذہن اور عزم و ہمت کے مرقعے ہیں تہذیب الاخلاق کو محسن الملک کے قلم نے بڑی قوت پہونچائی۔ انھوں نے علمی مذہبی سیاسی اور تعلیمی موضوعات پر فکر کی پوری آزادی کے ساتھ بڑے زوردار مضامین لکھے ہیں۔ سرسیّد کے وہ عاشق اور فدائی تھے ان کی کوششوں سے علی گڈھ کالج کو بہت فائدہ پہونچا۔ سرسید کے بعد وہ کالج کے سکریٹری بھی رہے۔

سرسید کے ہاتھوں جس نئی مذہبی فکر اور نئے علم الکلام کی بنیاد پڑی تھی اس کے سب سے بڑے وکیل مولوی چراغ علی تھے انھوں نے انگریزی اور اردو میں مذہبیات پر بہت لکھا ہے۔ سرسید کی طرح وہ بھی ایک آزاد فکر اور عقلیت پسند آدمی تھے۔ انھوں نے اسلامی حقائق و مسائل کی عقلی توجیہہ بڑے مدلل انداز میں کی ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ان کی تحریر میں کوئی خاص دلکشی نہیں ہے لیکن ان کی یہ خدمت کہ انھوں نے آزاد فکر کی نے کو بہت آگے بڑھایا نہایت مستحسن ہے

نذیر احمد

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد ۱۸۳۶ء میں بمقام ریہڑ ضلع بجنور پیدا ہوئے ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی شوق علم کی پیاس بجھانے کے لیے دہلی آئے۔ یہاں کچھ دنوں مکتب میں پڑھتے رہے پھر دلی کالج میں داخلہ ہو گیا۔ ان کی قابلیت روز اوّل سے مانند شعاع مہر روشن تھی۔ دلی کالج کے بہت ہی نامور طلبا میں ان کا شمار تھا۔ تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تلاش معاش میں کئی راہیں بدلیں کچھ دنوں ضلع گجرات میں مدرس رہے پھر کان پور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے یہ سلسلے عارضی تھے۔ عذر کے بعد وہ الہ آباد کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے یہیں انھوں نے انگریزی زبان سے واقفیت حاصل کی۔ الہ آباد کے دوران قیام میں انہیں اپنی قابلیت نمایاں کرنے کا اچھا موقع ملا۔ گورنمنٹ اس زمانہ میں تعزیرات ہند کا ترجمہ کرا رہی تھی۔ نذیر احمد بھی اس کام میں شریک کیے گئے۔ ان کا کام اعلیٰ حکام نے اس قدر پسند کیا کہ انھیں کان پور میں تحصیلدار بنا کر بھیجا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ اس دور کے تمام نامور ادیبوں کے مقابلہ میں نذیر احمد کو دینوی وجاہت اور معاشی خوشحالی زیادہ حاصل ہوئی۔ انکی قابلیت سے متاثر ہو کر نظام حیدر آباد کی سرکار نے انھیں اپنے یہاں ایک بڑی تنخواہ پر بلا لیا حیدر آباد میں انھوں نے بڑی ترقی کی۔ آخر میں پنشن لے کر دہلی آ گئے اور تادم آخر علمی و ادبی کام اور قوم کے اصلاحی مشاغل میں مصروف رہے ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر نذیر احمد ایک کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ مذہبی اور اصلاح معاشرت ان

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے سب سے زیادہ خاص موضوعات ہیں۔ عربی کے وہ بہت زبردست عالم تھے اور اسلامی علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔ انھوں نے مختلف حیثیتوں سے ادب کی خدمت کی ہے۔ نذیر احمد کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے ترجمہ کو ادبی خاصہ کی چیز بنا دیا ان کا ترجمہ قرآن دہلی کی بامحاورہ ٹکسالی زبان کا ایک شاندار ادبی کارنامہ ہے، تعزیرات ہند کے ترجمہ میں ان کے اختراع ذہن کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا بہت دلکش ظہور ہوا ہے مشکل سے مشکل اور نازک انگریزی کی قانونی اصطلاحات کا ترجمہ اردو کے ایسے ترشے ہوئے الفاظ میں ہوا ہے گویا وہ صدیوں سے ڈھلے چلے آرہے تھے۔ ان کے زورِ بیان اعلیٰ عربی دانی اور لسانی طلاقت کا مظاہرہ مذہب و اصلاح معاشرت پر اظہار خیال میں ہوا ہے جو ان کی تصانیف کا سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع ہے اور جس سے ان کے طویل خطبات بھرے پڑے ہیں۔ عربی پرستی کے جوش میں وہ کہیں کہیں بہت ثقیل اور کٹھن الفاظ برت جاتے ہیں۔ کبھی کبھی بات بھی ضرورت سے زیادہ طویل ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت الجھنے لگتی ہے لیکن عام حالتوں میں نذیر احمد کی تحریر میں بلا کی سادگی شگفتگی اور جان ہے۔ محاوروں کے استعمال پر انھیں وہ قدرت حاصل تھی جو کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آسکی۔

ان کا ایک اہم کارنامہ وہ قصے ہیں جو انھوں نے اصلاح معاشرت کیلئے لکھے نذیر احمد ناول نگاری کی ٹکنیک سے واقف نہیں تھے اور نہ انکا یہ مقصد تھا کہ وہ ناولیں لکھیں لیکن غیر شعوری طور پر ان کے یہاں دہلی کی معاشرت کا اتنا جاندار اور شگفتہ بیان ملتا ہے اور ان کے کرداروں میں نفسیاتی فن کاری کا وہ کمال روشن ہے کہ ان کے یہ قصے ناول ہی کے دائرہ میں آتے ہیں۔ کلیم۔ ظاہر دار بیگ ابن الوقت مبتلا اصغری۔ اکبری۔ اور اسی طرح نہ جانے کتنے کردار ہیں جن کے آئینہ میں نذیر احمد نے دہلی کی معاشرت اور زندگی کے مسائل کو جیتا جاگتا پیش کر دیا ہے نذیر احمد

Courtesy Adv. Shawkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے قصوں کے بعض حصے اردو کے افسانوی ادب کے اعلیٰ فتوحات میں ہیں۔

نذیر احمد کی اہم تصنیفات حسب ذیل ہیں۔ الحقوق والفرائض۔ ترجمۂ قرآن کریم ترجمہ قانون تعزیرات ہند۔ ترجمہ قانون شہادت۔ مراۃ العروس۔ بنات النعش توبۃ النصوح۔ ابن الوقت۔ فسانۂ مبتلا۔

شبلی نعمانی

سرسیّد کی فیض بخشیوں سے استفادہ کرنے والوں میں علامہ شبلی نعمانی کا علمی وقار سب سے زیادہ بلند ہے وہ حالی۔ آزاد۔ نذیر احمد وغیرہ سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔ شبلی نے تصنیف و تحریر کے میدان میں قدم اس وقت رکھا۔ جب ہندوستان ان بزرگوں کے کارناموں کے غلغلوں سے معمور تھا۔ یہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا کمال تھا۔ کہ چند ہی سالوں میں وہ صف اوّل میں ممتاز ہو گئے۔ شبلی ۱۸۵۷ء میں بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اس دور کے مشہور زمانہ عالم مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے عربی کی منتہی کتابیں پڑھیں شوق علم میں وہ رام پور، لکھنؤ۔ سہارنپور اور لاہور پہونچے۔ اور وقت کے ستند اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ انیس برس کے سن میں انھوں نے بڑے روحانی ذوق وسرور کے عالم میں حج بیت اللہ کیا۔ کسب معاش کی راہ میں کئی تجربے کرنے پڑے کچھ دن امین رہے۔ وکالت بھی کی لیکن شبلی کے ادبی ذوق کو ایسی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ خوش قسمتی سے ۱۸۸۲ء میں انھیں علی گڑھ کالج میں فارسی پروفیسری مل گئی۔ علی گڑھ کے قیام سرسیّد کی فیض رسانی اور پروفیسر آرنلڈ کی صحبتوں نے شبلی کے علمی۔ ادبی ذوق کو چمکا دیا۔ اور ان کے سامنے

Courtesy Adv. Showkat Hussain, Naqshbandi Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے سب سے زیادہ خاص موضوعات ہیں۔ عربی کے وہ بہت زبردست عالم تھے اور اسلامی علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔ انھوں نے مختلف حیثیتوں سے ادب کی خدمت کی ہے۔ نذیر احمد کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے ترجمہ کو ادبی خاصہ کی چیز بنا دیا ان کا ترجمہ قرآن دہلی کی بامحاورہ ٹکسالی زبان کا ایک شاندار ادبی کارنامہ ہے، تعزیرات ہند کے ترجمہ میں ان کے اختراع ذہن کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا بہت دلکش ظہور ہوا ہے مشکل سے مشکل اور نازک انگریزی کی قانونی اصطلاحات کا ترجمہ اردو کے ایسے ترشے ہوئے الفاظ میں ہوا ہے گویا وہ صدیوں سے ڈھلے چلے آرہے تھے۔ ان کے زورِ بیان اعلیٰ عربی دانی اور لسانی طلاقت کا مظاہرہ مذہب و اصلاح معاشرت پر اظہار خیال میں ہوا ہے جو ان کی تصانیف کا سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع ہے اور جس سے ان کے طویل خطبات بھرے پڑے ہیں۔ عربی پرستی کے جوش میں وہ کہیں کہیں بہت ثقیل اور کٹھن الفاظ برت جاتے ہیں۔ کبھی کبھی بات بھی ضرورت سے زیادہ طویل ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت الجھنے لگتی ہے لیکن عام حالتوں میں نذیر احمد کی تحریر میں بلا کی سادگی شگفتگی اور جان ہے۔ محاوروں کے استعمال پر انھیں وہ قدرت حاصل تھی جو کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آسکی۔

ان کا ایک اہم کارنامہ وہ قصے ہیں جو انھوں نے اصلاح معاشرت کیلئے لکھے نذیر احمد ناول نگاری کی ٹکنیک سے واقف نہیں تھے اور نہ انکا یہ مقصد تھا کہ وہ ناولیں لکھیں لیکن غیر شعوری طور پر ان کے یہاں دہلی کی معاشرت کا اتنا جاندار اور شگفتہ بیان ملتا ہے اور ان کے کرداروں میں نفسیاتی فن کاری کا وہ کمال روشن ہے کہ ان کے یہ قصے ناول ہی کے دائرہ میں آتے ہیں۔ کلیم۔ ظاہر دار بیگ ابن الوقت مبتلا اصغری۔ اکبری۔ اور اسی طرح نہ جانے کتنے کردار ہیں جن کے آئینہ میں نذیر احمد نے دہلی کی معاشرت اور زندگی کے مسائل کو جیتا جاگتا پیش کر دیا ہے نذیر احمد

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے قصوں کے بعض حصے اردو کے افسانوی ادب کے اعلیٰ فتوحات میں ہیں۔

نذیر احمد کی اہم تصنیفات حسب ذیل ہیں۔ الحقوق والفرائض۔ ترجمۂ قرآن کریم ترجمہ قانون تعزیرات ہند۔ ترجمہ قانون شہادت۔ مراۃ العروس۔ بنات النعش توبۃ النصوح۔ ابن الوقت۔ فسانۂ مبتلا۔

شبلی نعمانی

سرسیّد کی فیض بخشیوں سے استفادہ کرنے والوں میں علامہ شبلی نعمانی کا علمی وقار سب سے زیادہ بلند ہے وہ حالی۔ آزاد۔ نذیر احمد وغیرہ سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔ شبلی نے تصنیف و تحریر کے میدان میں قدم اس وقت رکھا۔ جب ہندوستان ان بزرگوں کے کارناموں کے غلغلوں سے معمور تھا۔ یہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا کمال تھا۔ کہ چند ہی سالوں میں وہ صف اوّل میں ممتاز ہو گئے۔ شبلی ۱۸۵۷ء میں بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اس دور کے مشہور زمانہ عالم مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے عربی کی منتہی کتابیں پڑھیں شوق علم میں وہ رام پور، لکھنؤ۔ سہارنپور اور لاہور پہونچے۔ اور وقت کے ستند اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ انیس برس کے سن میں انھوں نے بڑے روحانی ذوق و سرور کے عالم میں حج بیت اللہ کیا۔ کسب معاش کی راہ میں کئی تجربے کرنے پڑے کچھ دن امین رہے۔ وکالت بھی کی لیکن شبلی کے ادبی ذوق کو ایسی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ خوش قسمتی سے ۱۸۸۲ء میں انھیں علی گڑھ کالج میں فارسی پروفیسری مل گئی۔ علی گڑھ کے قیام سرسیّد کی فیض رسانی اور پروفیسر آرنلڈ کی صحبتوں نے شبلی کے علمی۔ ادبی ذوق کو چمکا دیا۔ اور ان کے سامنے جاوداں ادبی خدمات کی راہیں کھول دیں۔ علی گڑھ میں شبلی کا قیام قریب ۱۰ سال

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

رہا یہیں سے ان کی قومی شاعری کا آغاز ہوا۔ اور یہیں بیٹھ کر انھوں نے تاریخی تصانیف کے اس سلسلہ کو شروع کیا جو شبلی کے تاج وقار کا سب سے گراں بہا موتی ہیں سرسید کے انتقال کے بعد شبلی نے علی گڑھ سے تعلق منقطع کر لیا علی گڑھ کے دوران قیام میں انھوں نے روم و مصر و شام کا سفر بھی کیا تھا۔ علی گڑھ سے ترک تعلق کے کچھ دنوں کے بعد وہ بسلسلۂ ملازمت چار پانچ برس حیدرآباد رہے ندوۃ العلماء کے معاملات نے انھیں حیدرآباد چھوڑنے اور لکھنؤ میں قیام کرنے پر مجبور کر دیا ندوۃ العلماء ۱۸۹۴ء میں اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ عربی مدرسوں کے لیے ضرورت زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے ایک مفید نصاب تعلیم بنایا جائے۔ شبلی۔ روز اول سے ندوہ کے معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔ حیدرآباد سے ترک ملازمت کے بعد انھوں نے اپنا سارا وقت ندوۃ العلماء کی اصلاح و ترقی کے لیے وقف کر دیا۔ شبلی کی ساری تدبیریں خاک میں مل گئیں۔ اس لیے کہ ندوہ قدامت پرست علماء کی زور آزمائی کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ ندوہ سے بد دل ہو کر وہ ۱۹۱۳ء میں اعظم گڈھ چلے گئے۔ اور اس مشہور علمی و دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو دار المصنفین کے نام سے موسوم ہے اور جس نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں اسلامی علوم اور اردو زبان کی گرانمایہ خدمت انجام دی ہے ۱۹۱۴ء میں شبلی نے اس دار فانی کو خیرباد کہہ دیا۔

شبلی کی شخصیت میں مختلف النوع حیثیتیں بڑے حسن امتزاج کے ساتھ جمع ہو گئی ہیں۔ وہ محقق۔ موزخ۔ ناقد فن۔ عالم دین۔ شاعر، مصلح۔ واعظ۔ غرض حیرت انگیز مجموعۂ کمالات تھے۔ سرسید۔ آزاد۔ حالی اور دوسرے معاصرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مذہبیات، مسائل تعلیم، تاریخ، تحقیق، تنقید، زبان و ادب، سوانح نگاری اور شاعری میں جو راہیں نکالی تھیں۔ شبلی نے ان کے اندر اپنی عظیم شخصیت کے لافانی نقوش قائم کر دیے وہ عربی کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے بڑے متبحر عالم تھے۔ فارسی حسن خیال بن کر ان کے مزاج میں رچ بس گئی تھی تحقیق کا ان میں زبردست مادہ تھا ان کی بلند فطرت نے مغربی مرعوبیت کے طلسم کو توڑ دیا اور انھوں نے جذبۂ افتخار کے ساتھ مسلمانوں کی تہذیبی حیاتِ نو کے لیے جدوجہد کی۔

اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں شبلی کا دائرہ خدمت بہت وسیع ہے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو میں صحیح تاریخی ذوق کی بنا رکھی اور نہایت مستند اور محققانہ تاریخی تصانیف انتہائی ادبی دل آویزیوں کے ساتھ پیش کیں المامون الفاروق۔ سیرۃ النعمان اس پائے کی کتابیں ہیں جو تاریخی ادب کے بہترین تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ تنقید ادب کے سلسلہ میں شبلی کی "شعر العجم" اردو ادب میں اپنی نوعیت کی ایک نہایت اہم تصنیف ہے۔ شعر العجم میں شبلی نے شاعری کے اصولوں اور معیار حسن و کمال پر کلام کیا ہے۔ فی الحقیقت شعر العجم فارسی شاعری کی تاریخ ہے شبلی نے شاعری کے ان اصولوں کو جنھیں حالی نے پیش کیا تھا۔ زیادہ وضاحت حسن توازن اور رعنائی خیال و بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شعر العجم میں تحقیقی غلطیاں بھی ہیں لیکن اس سے شعر العجم کے ادبی وقار میں کوئی فرق نہیں آتا "موازنہ انیس و دبیر" شبلی کا ایک دوسرا تنقیدی کارنامہ ہے۔ اور ان کے اعلیٰ ذوق شعر فہمی کا نمونہ ہے۔ شبلی نے علمی۔ ادبی۔ تہذیبی اور تمدنی مسائل پر جو مضامین لکھے ہیں وہ جوہر تحقیق اور حسن انشا سے مالا مال ہیں۔ مذہبیات میں انھوں نے سرسید کی فکر کو سجل۔ نرم اور شگفتہ بنا کر پیش کیا ہے جدید علم الکلام کی بنیاد رکھنے والوں میں شبلی کی حیثیت بہت بلند ہے ان کی آخری تصنیف "سیرۃ النبی" ہے جو انکے ہاتھوں مکمل نہ ہو سکی۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ کتاب شبلی کے ہاتھوں پوری ہو جاتی تو یہ انکی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم الشان کارنامہ ہوتا۔ شبلی کی تحریروں میں وقار

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تمکنت، شگفتگی اور رعنائی خیال کا بڑا دلکش امتزاج ملتا ہے، وہ نہ آزاد کی طرح رنگ و نکہت میں اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ رنگ و نکہت ہی حاصلِ نظر بن کر رہ جائے اور نہ حالی کی طرح رنگ و نکہت سے بے نیاز گزر جاتے ہیں۔ وہ ایک ایک لفظ بہت تول تول کر لکھتے ہیں اور بڑے ریاض سے حسن بیان کا نگار خانہ بناتے ہیں۔ شبلی کے اسلوب بیان نے اردو زبان کو ادبیت کا حقیقی جوہر بخشا ہے۔

شبلی ایک بلند نظر شاعر بھی تھے۔ ان کی فارسی غزلیں تغزل کے اعلیٰ ترین کیف کی حامل ہیں۔ شبلی کا اردو کلام ان کی قومی نظموں پر مشتمل ہے ان میں ایک باہمت خوددار اور سچی دینی تڑپ رکھنے والے مرد مومن کے نعرہ زندگی کی گونج ملتی ہے۔ شبلی کا شاعرانہ طنز زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے کم اثر نہیں رکھتا۔ سرکار پرستوں پر جو نظمیں انھوں نے لکھی ہیں وہ لطیف ادبی طنز کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔

جدید اردو شاعری

اردو نظم

اکبر الہ آبادی

آزاد اور حالی کے بعد جدید اردو نظم میں سب سے پہلا نام اکبر الہ آبادی کا ہے انھوں نے ایک نیا رنگ پیدا کیا اور ایک نئی راہ نکالی۔ اکبر ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مکتب اور سرکاری اسکولوں میں پائی ۱۸۶۶ء میں مختاری کا امتحان پاس کر کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے کچھ دنوں بعد وکالت کا امتحان پاس کیا اور

Courtesy Adv. Shovkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

قریب آٹھ برس وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء میں منصف مقرر ہو گئے۔ بتدریج ترقی کرتے ہوئے ۱۸۹۴ء میں عدالت خفیفہ کے جج ہوئے۔ اسی عہدہ سے پنشن لے کر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں انتقال فرمایا۔

اکبر بڑے پاکیزہ طبیعت۔ صاف دل اور محبت پسند آدمی تھے۔ شاعری کا شوق ان کی فطرت میں ودیعت تھا اور انھوں نے بڑے شوق و ریاض سے اس شوق کو نکھارا تھا۔ اس کی تربیت کی تھی۔ انھوں نے بھی شاعری کی ابتدا غزل سے کی اور برسوں معاملات حسن و عشق کے میدان میں حسن نظر، حسن خیال اور حسن بیان کے جادو جگاتے رہے۔ طبیعت میں روحانی مذاق کی گرمی اور تڑپ تھی۔ اور عمر کے ساتھ اس ذوق کو پختگی حاصل ہوتی گئی۔ اکبر کی غزلیات فنی چابکدستی اور شعری لطافت کا حسین مرقع ہیں لیکن ان کی لازوال شہرت کا دارومدار انکے طنز و ظرافت کے کلام پر ہے جس نے اکبر کو امام الفن کی حیثیت بخش دی ہے۔ اکبر کا طنزیہ کلام کیا بہ اعتبار فکر اور بہ اعتبار فن بہر جہت گہرے مطالعہ کا مستحق ہے۔ اکبر کے دور میں مشرق و مغرب کے درمیان جو تہذیبی تصادم ہوا تھا اس میں وہ مشرق کے حمایتی تھے۔ مغربی افکار کا سیلاب ان کے خیال میں مشرق کی تباہی کا پیام تھا مغرب کے سائنس۔ فلسفہ، علوم ہر شے میں انھیں ادبیت کی کارفرمائی نظر آتی تھی جو مشرق کے روحانی جوہر کی قاتل تھی تہذیبوں کو سمونے اور ان کے جاندار اور توانا اجزا کو باہم گرچہ کر کے نئی تہذیبی اور تمدنی قدریں قائم کرنے کے لیے جس متفکرانہ بلند خیالی کی ضرورت ہے اکبر اس سے محروم تھے۔ اگر سرسید اور حالی پر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ مغرب پرستی کی رو میں ضرورت سے زیادہ آگے نکل گئے تھے تو اکبر بھی مورد الزام ہیں کہ وہ خالص جذباتی قسم کی مشرق پرستی کا شکار ہو گئے۔ اکبر کو حکیم، مصلح، فلسفی کے بلند آہنگ القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ مخلصانہ سہی لیکن یہ سراسر نیازمندی کی باتیں ہیں۔ اکبر

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی حقیقی حیثیت ایک فن کار کی ہے وہ بڑے ذہین، تیز نظر، چست طبیعت اور شگفتہ مزاج صاحب فن تھے مغرب کے بڑھتے ہوئے تہذیبی سیل نے انکی شرقیت کو ٹھیس لگائی۔ درد و کرب جذباتی تحلیل کی پر پیچ راہوں سے گزر کر قہقہوں کے روپ میں ڈھل گیا۔ ایک کامیاب طنزیہ فقرہ، سنجیدہ وکالت کے ہزار جملوں پر بھاری ہو جاتا ہے۔ اکبر کا شعری طنز، مغرب پسندوں کے خلاف سب سے زیادہ کارگر حربہ سمجھا گیا۔ اسے زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہنسی ہنسی میں اکبر نے مغربی تہذیب اور نئی اصلاحی تحریک کو مایہ تمسخر بنا کر رکھ دیا۔ اکبر کا فن ایک اونچے معیار کی اپج اور اجتہادی شان رکھتا ہے۔ انھوں نے اکبری زبان و بیان کا ایک نیا آئین بنا دیا تمثیلوں کی ایک دنیا آباد کر دی۔ فن کو سماجی اصلاح کے لیے جس موثر انداز میں اکبر نے برتا ہے وہ کم لوگوں سے ہو سکا ہے۔ سید، مجمن۔ بدھو۔ ڈاسن۔ اکبر کے یہاں مفرد انسان نہیں خیال کے مختلف دھاروں کے چلتے پھرتے پیکر ہیں۔ اکبر کی ظرافت زبان اور خیال دونوں کے عمل سے پیدا ہوتی ہے چست فقرے، برمحل قہقہے، کمزوریوں کی برملا مصوری۔ اکبر کے یہاں معمولی پھبتی سے لے کر دل کی انتہائی گہرائیوں میں پیوست ہو جانے والے نشتروں تک سبھی کچھ ملتا ہے۔ اکبر سے پہلے اردو میں طنز و مزاح کا جو سرمایہ ملتا ہے وہ بالکل ناقابل لحاظ نہیں ہے۔ سودا کی ہجویات بعض حیثیتوں سے بہت اہم ہیں، انشا کے تمسخر میں بھی رونق مجلس کا اچھا سامان ملتا ہے۔ اکبر کا کمال یہ ہے کہ اس نے بالکل نئی راہوں میں اپنے ذہن کے زبردست تخلیقی عمل سے اس فن کو برتا اور اسے ایک عظیم الشان فن بنا دیا۔

اکبر اس گروپ کے بڑے ممتاز رکن تھے جو سرسید اور علی گڑھ تحریک کے خلاف صف آرا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مرکز لکھنؤ اور سب سے زیادہ دلیر ترجمان اودھ پنچ تھا۔ اکبر کی طبیعت نے اودھ پنچ کی ہلکی پھلکی ظرافت کو جو اپنے طبعی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اگر صاف طور پر یہ نہ کہا جائے کہ مشرق و مغرب کے درمیان خوشگوار توازن اور اعتدال کے لیے زمین ہموار کرنے والے عناصر میں اکبر کے فن کو بہت بڑا دخل ہے۔ انھوں نے بیجا مغرب پرستی کی رو کو کمزور کر دیا۔ اور دماغوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

اسمٰعیل میرٹھی

میرٹھ میں ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں سررشتہ تعلیم کی ملازمت اختیار کی ۱۸۸۸ء میں سنٹرل نارمل اسکول آگرہ کو تبدیل ہو گئے جہاں بارہ برس قیام کر کے ۱۸۹۸ء میں پنشن لی پنشن کے بعد اپنے وطن چلے آئے اور تادم آخر تالیف و تصنیف میں لگے رہے ان کا سال انتقال ۱۹۱۷ء ہے اسمٰعیل میرٹھی کا نام جدید اردو ادب کے سلسلہ میں بچہ بچہ کی زبان پر آجاتا ہے۔ انکی درسی ریڈریں بہت مشہور ہوئیں۔ اسمٰعیل مرحوم بچوں اور طالب علموں کی نفسیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسی لیے انکی ریڈروں میں مقبولیت اور دلکشی کا وافر سامان موجود ہے۔ انکی اس خدمت سے اردو زبان کی عمومی ترویج و اشاعت کو بڑا فائدہ پہنچا۔

نثر کی طرح شاعری میں سادگی ان کا نمایاں وصف ہے، وہ فن کے استاد تھے اور جدید رنگ زمانہ سے آشنا۔ طرز جدید اور طرز قدیم دونوں پر انھوں نے طبع آزمائی کی ہے اور بڑے ہمہ گیر انداز میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ مولوی صاحب کی طبیعت میں ذوق تصوف بھی تھا اور اخلاقیات سے انھیں بڑی گہری دلچسپی تھی۔ اخلاقی موضوعات پر ان کی نظمیں بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہیں انکی شاعری کا ایک حصہ بچوں کیلیے مخصوص ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ اسکے مطالعہ سے صحیح زبان کا تصور بڑی دل آویزی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے اور کارآمد اخلاقی نتائج بڑے دلنشین انداز میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ غزلوں میں انھوں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

نے استاد غالب کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے اور جو کچھ کہا ہے بڑے ستھرے انداز میں کہا ہے۔ معاشرت۔ تمدن اور سیاست کے مسائل پر بھی مولانا کی نگاہ تھی اور ان موضوعات پر بھی ان کے کلام میں دلچسپ چیزیں ملتی ہیں۔ قلعہ آگرہ کے متعلق ان کی ایک مشہور نظم ہے۔ اس میں انھوں نے مسلمانوں کی ترقیوں کی داستان بڑے موثر انداز میں سنائی ہے اور آئندہ ترقی کے راستے بتائے ہیں۔

اسمٰعیل میرٹھی فطرتاً معلم تھے اور ان کی یہ حیثیت ہر جگہ بہت نمایاں ہے ان کی کتابوں اور شاعری کے مطالعہ سے زبان کے گر اور قلم کی ہنر مندی کے آداب بڑی اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی نے سر سیّد آزاد اور حالی کی اصلاح ادب کی تحریک کو بڑی تقویت پہونچائی۔

نظم طباطبائی

سید علی حیدر نام نظم تخلص تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے عربی و فارسی علوم بڑے ذوق اور ریاض سے حاصل کیے۔ علمیت اور ہمہ دانی کا ایسا شہرہ ہوا کہ نواب واجد علی شاہ نے مٹیا برج بلا کر شہزادوں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد نظم نظام کالج حیدر آباد میں پروفیسر ہو کر آگئے اور تقریباً بیس سال اس کالج میں رہے۔ کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ ولی عہد کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے اور یہ فریضہ بڑی حسن و خوبی سے انجام دیا عثمانیہ یونیورسٹی کے قائم ہونے پر نظم دار الترجمہ میں شامل کر لیے گیے۔ اور ناظر ادبی کی حیثیت سے اپنے علمی فیضان سے دار الترجمہ کو سیراب کرتے رہے ۱۹۳۳ء ۲۳ مئی کو نظم کا شیرازہ ہستی بکھر گیا۔ اور وادی شعر و سخن کا یہ رسیا، رہرو راہ عدم ہو گیا۔

نظم اعلیٰ درجہ کی قوت شعر گوئی سے بہرہ ور تھے۔ ان کا علمی تجربہ بڑے پایہ کا تھا

Courtesy Adv. Shawkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

انھوں نے دورِ قدیم کی گود میں آنکھ کھولی پرانے ماحول میں تعلیم و تربیت پائی لیکن یہ ان کی زمانہ شناسی اور بصیرت کا روشن ثبوت ہے کہ انھوں نے انگریزی ادب اور خیالات کو سمجھنے کی کوشش کی اور جدید قسم کی نظم نگاری سے نئے طرزِ سخنوری کو بیش قیمت فائدہ پہونچایا۔ نظم کا نام اردو ادب میں ٹامس گرے کی مشہور نظم "ایلجی" کے ترجمہ سے امر ہو گیا ہے۔ نظم نے گرے کی ایلجی کا ترجمہ "گورِ غریباں" کے نام سے کیا ہے۔ اس نظم کا کمال یہ ہے کہ اس میں انگریزی شاعر کے خیالات کو خالص اردو کے تہذیبی و ادبی ماحول میں مشاقی فن اور تاثیر کلام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ گورِ غریباں کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے اندر انگریزی نظم کی بیرونی ساخت (FORM) کا صحیح چربہ اتارا گیا ہے۔ گورِ غریباں ترجمہ کی حیثیت سے ایک بلند آئیڈیل کی شان رکھتی ہے۔ نظم نے مختلف موضوعات پر دادِ سخن دی ہے۔ علمیت قوتِ نظم۔ مشاقی فن کا ثبوت ہر جگہ صاف نظر آتا ہے۔ قصیدے بڑی جدت سے کہے ہیں۔ نظم کے ساقی نامہ کو بھی بڑی شہرت ہوئی۔ غزل کے میدان میں بھی طبع رواں کو سیر کرائی ہے لیکن یہاں پیر اکھڑے اکھڑے نظر آتے ہیں۔ ان کی حقیقی حیثیت ایک نظم گو شاعر کی تھی اور اس حیثیت سے وہ بہت بلند تھے۔

سرور جہاں آبادی

جدید طرز کے سخنوروں میں منشی درگا سہائے سرور کی شاعرانہ خدمات بڑے قدر و اعزاز کی مستحق ہیں۔ سرور نے حسنِ توازن اور اعتدالِ نظر کے ساتھ جدید رنگ کو اپنایا اسی لیے ان کے کلام میں قدیم اور جدید رنگ کی خوبیاں بڑے سلیقہ کے ساتھ سمو گئی ہیں ۱۸۵۰ء میں جہاں آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے شاعرانہ ذوق ماں کے پیٹ سے لیکر آئے تھے۔ کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جو تمام تر شعریت میں ڈوبے ہوئے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہوں۔ سرور کے تمام افعال و اقوال۔ حرکات و سکنات گہری شاعرانہ کیفیت کے حامل تھے۔ بڑے آزاد مزاج اور رند طبیعت آدمی تھے تعصب تنگ خیالی اور پست ہمتی کا ان کے قریب کہیں گزر بھی نہیں تھا۔ ظاہر داری اور نمائش سے گریزاں تھے ایسے سچے رند تھے کہ عیب بھی ہنر بن کر چمکتا تھا۔ شراب کے بڑے رسیا تھے اور اسی کی موج مستی میں نقد جاں لٹا بیٹھے ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر صرف ۳۷ سال تھی۔

سرور کی شاعری اس دور کا آئینہ ہے جب شعر و ادب کی پرانی قدریں ٹوٹ رہی تھیں اور فکر و خیال کی نئی طرحیں پڑ رہی تھیں۔ اس عبوری دور میں بہت سے شاعر اور ادیب تعصب اور ناروا آزاد منشی کے سبب حقیقی جادے سے بہت دور جا پڑے۔ سرور کا کمال یہ ہے کہ نہ وہ طرز قدیم سے لپٹے رہے اور نہ جدید کی رو میں خس و خاشاک بن کر بہے۔ سرور سچے وطن پرست تھے۔ ان کے دل میں ہمہ گیر محبت کی حقیقی تڑپ تھی۔ اور انکے مزاج میں مستی و سرشاری کی والہانہ کیفیت تھی۔ ان کے کلام میں درد و اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اسی لیے انکا کلام جذبات نگاری کا بہت جاندار مرقع ہے۔ ان کی ایک اہم خصوصیت حب الوطنی ہے۔ ان کی وطن پرستی اعلیٰ انسانی تصور کی ترجمان ہے اور اس میں تنگی نگاہ اور تنگیٔ فکر کی کوئی محدودیت نہیں ان کی قوم پرستانہ نظمیں بڑے معرکہ کی ہیں اور سب حب وطن کے سچے جوش اور اعلیٰ خیالات سے بہرہ ور ہیں۔ سرور کی تاریخی اور مذہبی نظمیں شاعرانہ خوبیوں سے قطع نظر اس لحاظ سے بڑی قدر و عزت کی مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوؤں کے تاریخی واقعات اور مذہبی تصورات کو سخنوری کے اعلیٰ کمال کے ساتھ جامعہ شعر پہنایا ہے۔ اس سلسلہ میں انکا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ اور ہندوانہ تلمیحات کو بڑی مشاقی فن کے ساتھ اردو میں کھپایا ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سرور کی ذہانت اور شاعرانہ صلاحیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے انگریزی کا محدود علم رکھتے ہوئے بھی انگریزی نظموں کے بڑی فنکاری کے ساتھ آزاد ترجمے کیے ہیں جن کلام ان کا جوہر تھا۔ اور ہر جگہ نمایاں ہے۔

چکبست

پنڈت برج نرائن چکبست کشمیری برہمنوں کے ایک ممتاز خاندان میں بمقام فیض آباد ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد کا وطن لکھنؤ تھا پہلے۔ انکی پرورش ہوئی ۱۹۰۵ء میں کیننگ کالج سے بی اے پاس کیا اور ۱۹۰۸ء میں قانون کی ڈگری لی۔ چکبست بڑے ذہین۔ دراک طبیعت مستعد اور خوش اخلاق انسان تھے انھیں صفات کی بدولت انھیں بہت جلد پیشۂ وکالت میں عروج حاصل ہوگیا اور ان کا شمار صف اول کے وکلا میں ہونے لگا۔ ان کے ذہنی اور ادبی کمالات کا سکہ اہل نظر کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا۔ اور ملک و قوم نے انکی ذات کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ نظام قدرت میں کسے دخل ۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء کو جب انکی زندگی کا آفتاب پورے نقطۂ عروج پر تھا۔ موت کی ابدی تاریکیوں نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نگاہ سے روپوش کر دیا۔ اور اردو زبان ایک عالی ظرف محسن۔ رمز شناس ترجمان اور باحوصلہ فنکار سے محروم ہو گئی۔

چکبست کو قدرت نے ایک لطیف نکھرا ہوا ذوق دیا تھا۔ ان کی طبیعت میں غضب کی نفاست اور بلند پروازی تھی۔ توازن اور اعتدال انکے مزاج کا جوہر تھا۔ وہ سنجیدگی اور متانت لیے ہوئے آزاد خیالی کے قائل تھے۔ وطن کی ترقی خوشحالی کے وہ دل سے خواہاں تھے اور بیداری وطن کے ترانوں میں انھیں روحانی سرور ملتا تھا۔ ہندوستان کے قدیم تہذیبی اور ادبی سرمایہ پر وہ جان

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

چھڑکتے تھے۔ اور فکر امروز میں یا دِ ماضی سے بے نیاز ہو جانا انھیں گوارا نہیں تھا شاعری کا انھیں بچپن سے شوق تھا۔ انہوں نے پہلی غزل نو برس کے سن میں کہی چکبست نے قدیم استادوں کے کلام کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا انیس۔ آتش اور غالب کے کلام سے وہ بہت متاثر تھے۔ جدید زمانے کے تقاضوں کو انھوں نے بیدار مغزی کے ساتھ سمجھا تھا۔ ان کے یہاں قدیم و جدید کا بہت حسین توازن ملتا ہے۔

چکبست نے جو ادبی روایتیں بنائیں وہ صالح ملکی ادب کے لیے صحیح بنیاد فراہم کرتی ہیں چکبست نے غزلیں بھی کہیں ہیں اور نظمیں بھی۔ اور ہر جگہ اپنی وطن پرستی سچی انسانی محبت اور طبیعت کی حکیمانہ شان کو نمایاں رکھا ہے انکی نظمیں سیاست، اصلاح معاشرت۔ مذہبی واقعات۔ مناظر قدرت غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ہیں۔ وہ نظم گوئی کی تکنیک پر بڑی مشاقانہ قدرت رکھتے تھے۔ اور ہر موضوع کو لطافت خیال کے ساتھ شاعری کے پیکر میں ڈھال دیتے تھے ان کے کلام میں بڑی تری اور شادابی ہے۔ مناظر قدرت پر جو نظمیں انھوں نے لکھی ہیں وہ شاعرانہ مصوری کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہیں۔ چکبست کی مرثیہ گوئی ادبی حیثیت سے بڑے معرکہ کی چیز ہے۔ انھوں نے قومی لیڈروں کے بھی مرثیے لکھے ہیں اور اپنے احباب کے بھی۔ ہر مرثیہ میں درد و غم کا انداز بالکل جدا ہے جن لوگوں پر چکبست نے مرثیے لکھے ہیں ان کی سیرت اور انفرادی کمالات کو حسن تاثیر کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے مرثیوں کے مطالعہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چکبست حقیقی جذبات کو شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ اور شعر برائے شعر کے قائل نہیں ہیں اردو شاعری پر چکبست نے گہرا اثر چھوڑا ہے۔ ان کی بلند حیثیت ادبی طور پر اردو ادب میں قائم ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

چکبست ایک اچھے نثر نگار بھی تھے۔ ان کا مطالعہ بہت ٹھوس تھا۔ اور نظر بہت وسیع۔ انھوں نے جو مضامین لکھے ہیں۔ وہ فکر کی سنجیدگی بیان کے وقار اور استدلال کے زور و قوت کا بہت خوشگوار مرقع ہیں۔ مثنوی گلزار نسیم کے سلسلہ میں جو بحث چلی تھی اس میں چکبست نے اپنی فن دانی۔ پرانی شاعری کے بھید بھاؤ سے اپنی گہری واقفیت اور پر زور طریقہ بحث کا اعلیٰ ثبوت دیا ہے۔ ان کی ادبی تخلیق کے اعتبار سے کم ہے۔ لیکن اس کے وقار میں کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔

اقبال

اردو کو بین الاقوامی شہرت دینے والوں میں اقبال کا نام سرفہرست ہے وہ ہمارے دور کے ایک زبردست فلسفی گراں پایہ حکیم اور شاعر تھے۔ اقبال نے ایک پورے دور کا مزاج بنایا ہے۔ ان کے فلسفہ نے مشرق کے بنیادی روحانی تصورات کو آج کے علوم کی روشنی میں نئی زندگی اور نئی قوت دی ہے۔ اور ان کے عمل و جہاد کے نظریے نے اردو ادب میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ مشرق اور مغرب کے درمیان آج سے پچاس سال پہلے جو تہذیبی تصادم ہو رہا تھا۔ اقبال کے یہاں وہ فلسفہ کی بلند سطح پر پہنچ گیا۔ اور اس کے نتیجے میں کچھ مخصوص اقبالی تصورات ابھر آئے جن میں کہیں کہیں مشرق و مغرب ایک وحدت میں سمو گئے ہیں اور کہیں کہیں تضاد اور بڑھ گیا ہے اقبال کا مطالعہ ایک حیثیت سے اس پورے دور کا مطالعہ ہے۔

اقبال ۱۸۷۶ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی پھر انگریزی اسکول میں داخل ہوئے۔ اپنے ساتھ والوں میں ہمیشہ ممتاز رہے اور برابر انعام اور اسکالرشپ پاتے رہے۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس امتیاز کے ساتھ کیا کہ عربی اور انگریزی میں امتیاز خصوصی حاصل کیا اسکے بعد جب ایم اے کا امتحان دیا تو یونیورسٹی بھر میں اول آئے۔ طالب علمی کے دور میں اقبال پر سب سے گہرا اثر عربی اور فارسی کے مشہور عالم علامہ سید میر حسن اور فلسفہ کے مشہور پروفیسر آرنلڈ کا پڑا۔ میر صاحب نے شعر و شاعری اور ادبیات کے ذوق کو ابھارا اور آرنلڈ نے فلسفیانہ تجسس کی آنچ کو تیز تر کر دیا۔ اس زمانہ میں پورا ہندوستان ایک طرف اصلاح و ترقی اور وطن دوستی کے نعروں سے گونج رہا تھا اور دوسری طرف استاد داغ کے عشقیہ ترانے جان تمنا بنے ہوئے تھے۔ شاعری کا آغاز اقبال نے بھی غزل گوئی سے کیا۔ اور استاد داغ سے اصلاح بھی لی لیکن بہت جلد ان کی توجہ قومی اور منظریہ شاعری کی طرف مائل ہونے لگی انکے انداز شعر گوئی میں روز ازل سے اپج اور آپ اپنی راہ نکالنے کا حوصلہ نمایاں تھا۔

تعلیم کے بعد اقبال پہلے اورینٹل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے اس دوران میں ان کے کلام کی مقبولیت برابر بڑھتی جا رہی تھی اور یہ تبصرہ عام تھا کہ اقبال کے کلام میں فکر و اسلوب بیان کا نادر اچھوتا پن ہے۔ ہمالہ، نیا شوالہ اور ترانۂ ہندی اس دور کی بہت کامیاب نظمیں ہیں۔ اقبال نے ان نظموں میں حب الوطنی کے اعلیٰ ترین جذبات کو نمایاں کیا۔ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے یورپ کا سفر کیا یورپ میں ان کا تین برس قیام رہا۔ اس دور میں انھوں نے بڑے انہماک سے مغربی فلسفہ اور تہذیب کا مطالعہ کیا جو کچھ انھوں نے پڑھا اور جو کچھ انھوں نے یورپ کی زمین پر دیکھا۔ اس نے انھیں اس نتیجہ پر پہونچایا کہ قومیت انسانوں کے درمیان فساد پیدا کرتی ہے اور وہ پائیدار اتحاد کی بنیاد نہیں بن سکتی سچے اتحاد کے لیے ایسے عقائد کی ضرورت ہے جو کائنات کی وحدت۔ انسانی اخوت اور زندگی کے لامحدود امکانات پر سچا اعتماد پیدا کریں۔ یہ چیز۔ صرف مذہب ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ مذہب زندگی کے روحانی جوہر کو اصل قرار دیتا ہے اور پورے نظامِ حیات کو اُس کا تابع اور فرماں بردار بنا دیتا ہے۔ مذہب کی کامل ترین صورت اُنھیں پیغمبرِ اسلام کی زندگی اور تعلیمات میں نظر آئی یہیں سے اُن کے اُس فلسفہ کی بنیاد پڑی جس نے آگے چل کر ایک واضح، متعین اور پُروقار صورت اختیار کر لی۔ یورپ کے دورانِ قیام میں اقبال نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ہندوستان واپس ہونے کے بعد اُنھوں نے لاہور میں پریکٹس شروع کر دی لیکن اُن کا بیشتر وقت شاعری اور فلسفہ کے لئے وقف رہا۔ اُنھوں نے نت نئے دلآویز شاعرانہ پیکروں میں زندگی، حوصلہ مندی، ذوقِ عمل کا پیام دینا شروع کیا۔ اپنے پیام کو عالمگیر کرنے کے لئے انھوں نے فارسی کو وسیلۂ اظہار بنایا اور ۱۹۱۵ء میں اُن کی پہلی فارسی مثنوی "اسرارِ خودی" شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اقبال نے اس تصور کو پیش کیا جو اُن کے فلسفہ کا سنگِ بنیاد ہے اور جس کو وہ خودی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ہر وجود ایک جوہر رکھتا ہے اور ہر جوہر نمود چاہتا ہے یہی ذوقِ نمود ذات کی خودی ہے۔ باقاعدہ ترتیب سے اس میں فاتحانہ شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اقبال کے سارے کلام میں فلسفۂ خودی بکھرا ہوا ہے۔ "اسرارِ خودی" کے بعد اقبال کی توجہ فارسی کی طرف زیادہ ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بہت دنوں کے لئے اُردو اُن سے قریب قریب چھوٹ گئی رہی۔ اُردو کا اس دور کا کلام "شکوہ" و "جوابِ شکوہ" "شمع و شاعر" "خضرِ راہ" اور "طلوعِ اسلام" جیسی ولولہ انگیز نظموں پر مشتمل ہے۔ فارسی میں اقبال کے کئی مجموعے شایع ہوئے۔ "پیامِ مشرق" "زبورِ عجم" اور "جاوید نامہ"۔ ہر مجموعے میں اقبال کی فکر زیادہ نکھرتی، سنورتی اور پختہ ہوتی گئی۔ یہ اُردو کی خوش نصیبی تھی کہ ایک بار پھر وہ اُس کی بزم میں آئے اور "بالِ جبریل" جیسا تحفہ لے کر آئے جو شریعت اور فلسفہ کا اتنا حسین امتزاج ہے کہ اس سے بہتر تصور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے یہاں سچی خدا پرستی خود ی سے پیدا ہوتی ہے۔ اُن کی دنیا حوصلہ اور امید کی دنیا ہے۔ مایوسی اُن کے مذہب میں کفر ہے۔ بے عملی سے اُنھیں نفرت ہے۔ اُن کا بیشتر خطاب مسلمانوں سے ہے لیکن اُن کی شاعری کا حقیقی خطاب انسانیت سے ہے۔ کلامِ اقبال کا وہی حصہ بہترین ہے جہاں اقبال کی صحیح انسانی حیثیت اُبھر آئی ہے۔ اقبال نے اُردو شاعری کو مغز دیا، فلسفیانہ بلند آہنگی دی، اُمیدوں اور حوصلوں کی دنیا دی اور وہ پیام دیا جو زندگی کی طناب کو ابدیت سے جا ملاتا ہے۔

جوش ملیح آبادی

سالِ پیدائش ۱۸۹۴ء

جوش ملیح آبادی شاعرِ انقلاب کے لقب سے اُردو دنیا میں منفرد امتیاز اور شہرت کے مالک ہیں۔ شبیر حسن خاں جوش ۱۸۹۴ء میں اودھ کے تاریخی قصبہ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان بلند علمی اور سپہ گرانہ روایتوں کا حامل رہا ہے۔ اُن کے پردادا فقیر محمد خاں گویا دبستانِ لکھنؤ کے ایک خوش فکر شاعر اور صاحبِ فن نثار تھے۔ جوش نے خاندانی روایتوں کو اپنے شاعرانہ فن میں انفرادی نمودِ کمال کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ اُن کے فکر و ذہن کی تعمیر میں دبستانِ لکھنؤ کی شاعرانہ لطافتیں، ٹیگور کے روحانی نغمے، اقبال کا فلسفۂ خودی اور پیامِ عمل، اشتراکیت کی مزدور دوستی اور عوام پسندی۔ غرض قدیم و جدید فکر و فن کے بہت سے عوامل سرگرمِ کار رہے ہیں۔ نئی نسل پر جوش کی شاعری نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

جوش کے یہاں جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ اُنھوں نے عشقیہ ترانے بھی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

میں نہیں آتا۔ بالِ جبریل کا ماحول فکر کی اُن بلندیوں کی دنیا ہے جہاں عقل اور جذبہ ایک دوسرے سے دست و گریباں نہیں رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے میں سمو کر وجدان کا ایک لطیف ترین تجربہ بن جاتے ہیں۔ "بالِ جبریل" میں صرف چند غزلیں ہیں لیکن اُن میں اقبال کے مخصوص فلسفیانہ خیالات، جذبہ کی ایسی تڑپ، طبیعت کی ایسی سرشاری اور نگاہ کی ایسی گرمی کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں کہ غزل کے میدان میں بھی اقبال کی راہ سب سے الگ ہو گئی ہے۔ بالِ جبریل کی نظموں میں اقبال کے تمام فلسفیانہ خیالات کا نچوڑ ملتا ہے۔ اس کا بیشتر حصّہ ممالک یورپ کے دوسرے سفر کے دوران میں کہا گیا ہے۔ سفر کے تجربات پر فلسفہ نے صیقل دی ہے اور شاعری نے انھیں شمشیر برہنہ کا جوہر بنا دیا ہے۔ اسپین کی مسجد قرطبہ میں بیٹھ کر اقبال نے جو نظم لکھی ہے اُسے اقبال کی نظموں کا سرتاج سمجھنا چاہیئے۔ "بالِ جبریل" کے بعد "ضربِ کلیم" شایع ہوئی۔ اسے حکیمانہ اقوال کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ "ضربِ کلیم" کے بعد اقبال کا اُردو کلام بہت تھوڑا ہے لیکن اُس میں بھی ایک پائدار شہرت کی چیز نکل آئی ہے۔ وہ ہے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ"۔ زندگی کا آخری زمانہ اقبال نے بیماریوں میں گزارا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اُنھوں نے اس دنیا کو خیرباد کہہ دیا۔

اُردو میں کلامِ اقبال کے تین مجموعے ہیں (۱) بانگِ درا (۲) بالِ جبریل (۳) ضربِ کلیم۔ اس کے علاوہ کچھ چیزیں اور ہیں جو "ارمغانِ حجاز" میں شائع ہوئی ہیں۔ اُوپر کی سطروں میں اقبال کے کلام پر کافی تبصرہ ہو گیا ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال ایک صاحبِ پیام فلسفی شاعر تھے۔ مادیت کے مقابلے میں وہ رُوحانیت کے علمبردار تھے۔ لیکن اُن کی رُوحانیت ترکِ دنیا اور گوشہ نشینی سے عبارت نہیں تھی۔ رُوحانیت سے اُن کی مراد اپنے جوہرِ وجود کی پہچان اور اُس [illegible] اقبال

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے یہاں سچی خدا پرستی خودی سے پیدا ہوتی ہے۔ اُن کی دنیا حوصلہ اور امید کی دنیا ہے۔ مایوسی اُن کے مذہب میں کفر ہے۔ بے عملی سے اُنھیں نفرت ہے۔ اُن کا بیشتر خطاب مسلمانوں سے ہے لیکن اُن کی شاعری کا حقیقی خطاب انسانیت سے ہے۔ کلامِ اقبالؔ کا وہی حصہ بہترین ہے جہاں اقبالؔ کی صحیح انسانی حیثیت اُبھر آئی ہے۔ اقبالؔ نے اُردو شاعری کو مغز دیا، فلسفیانہ بلند آہنگی دی، امیدوں اور حوصلوں کی دنیا دی اور وہ پیام دیا جو زندگی کی طناب کو ابدیت سے جا ملاتا ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی

سالِ پیدائش ۱۸۹۴ء

جوشؔ ملیح آبادی شاعرِ انقلاب کے لقب سے اُردو دنیا میں منفرد امتیاز اور شہرت کے مالک ہیں۔ شبیر حسن خاں جوشؔ ۱۸۹۴ء میں اودھ کے تاریخی قصبہ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان بلند علمی اور سپہ گرانہ روایتوں کا حامل رہا ہے۔ اُن کے پردادا فقیر محمد خاں گویاؔ دبستانِ لکھنؤ کے ایک خوش فکر شاعر اور صاحبِ فن نثار تھے۔ جوشؔ نے خاندانی روایتوں کو اپنے شاعرانہ فن میں انفرادی نمودِ کمال کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ اُن کے فکر و ذہن کی تعمیر میں دبستانِ لکھنؤ کی شاعرانہ لطافتیں۔ ٹیگور کے روحانی نغمے، اقبالؔ کا فلسفۂ خودی اور پیامِ عمل، اشتراکیت کی مزدور دوستی اور عوام پسندی۔ غرض قدیم و جدید فکر و فن کے بہت سے عوامل سرگرمِ کار رہے ہیں۔ نئی نسل پر جوشؔ کی شاعری نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

جوشؔ کے یہاں جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ اُنھوں نے عشقیہ ترانے بھی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nadshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

لاپے ہیں اور انقلابی نظمیں بھی کہی ہیں۔ ان کی غزلوں میں دل کی سرشاری اور
گھن کی لطافت انگیز مستیاں ملتی ہیں۔ کہیں کہیں دل کی گہری چوٹ بھی نظر آجاتی
ہے۔ جوش کی غزل گوئی اچھے معیار کی چیز ہے۔ لیکن ان کا حقیقی کمالِ شاعری نظم
کے میدان میں ظاہر ہوا ہے۔ اُنھیں الفاظ کے وسیع خزانہ پر حاکمانہ تصرف حاصل
ہے۔ وہ بہت سجا کر شعر کہتے ہیں۔ نئی نئی اور دلآویز تشبیہات و استعارات کے
مشاقانہ صرف سے جوش اپنے کلام میں طلسم خانے آباد کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان
کے لہجہ میں گھن گرج ہے۔ اسلوب بیان میں کوندتی ہوئی بجلیوں اور اُمنڈتے ہوئے
سیلاب کا عالم ہے۔ جوش کی سیاسی اور انقلابی نظموں میں بڑے بھرم کی مجاہدانہ للکار
ملتی ہے۔ اُن کے یہاں فلسفیانہ مغز و فکر کی تلاش بے کار ہے۔ وہ کاروانِ زندگی کے
حدی خواں ہیں، فلسفیِ حیات نہیں ہیں۔ جہالت، غلامی اور مذہبی تنگ نظری کے
بندھنوں کو توڑ کر ترقی و کامرانی کی نئی نئی راہوں پر گامزن ہونا یہ ہے جوش کی شاعرانہ
تبلیغ کا ماحصل۔ جوش کی نظم گوئی کا کمال یہ ہے کہ اُن کے یہاں شعلۂ مستی شبنم کے
خنک قطرے میں تحلیل ہو کر سایۂ بہارِ چمن بھی بن جاتا ہے۔ لطافتِ خیال کی راہوں
میں اُن کی فکر اثر دلربائی کے جادو جگاتی ہوئی نمایاں ہوتی ہے۔ جوش کو زبان بیان
پر بجا اعجاز قدرت ہے۔ اُن کے بیان کی شوکت و لطافت نے اُردو شاعری کو
فنی آرائش کے نئے نئے سامان دیئے ہیں۔

نظم گو شاعروں میں اقبال کے بعد جوش کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ان کے
کلام نے موجودہ نسل کے نوجوانوں کی ذہنی تربیت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ پچھلے
پچیس تیس برس کی شاعری میں جوش کے اسلوبِ فکر اور اندازِ شعر گوئی کے بہت
نمایاں اثرات جھلکتے ہیں۔ اُنھوں نے رہبرانہ حیثیت سے نئے دور کے نظم گو شعرا اور
[illegible]

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nagshbandi, Srinagar. Digitization e Gangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

فکر و نشاط۔ حرف و حکایت۔ آیات و نغمات۔ عرش و فرش۔ سنبل و سلاسل اُن کے مشہور مجموعہ ہائے کلام ہیں۔

سیماب اکبرآبادی

ولادت ۱۸۸۰ء — وفات ۱۹۵۲ء

سیماب اکبرآبادی نے اُستادانہ حیثیت سے خدمتِ شعر و ادب کر کے اپنے لئے ایک ممتاز جگہ پیدا کر لی ہے۔ اُنھوں نے حُصولِ فن پر بڑا ریاض صرف کیا تھا اُن کا کلام بقول آتش ع "شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا" شاعرانہ فن کے اعلیٰ ترین معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اُن کی طبیعت میں غضب کی روانی تھی اور پُرگوئی اُن کا ایک خاص وصف تھا۔ بیان کی شوکت، الفاظ کی بندش، تشبیہہ اور استعارے کی ندرت و پرکاری کا وہ بہت اہتمام کرتے ہیں اور یہ چیز اُن کے کلام میں وزن و وقار پیدا کر دیتی ہیں۔ سیماب نے غزل اور نظم دونوں میدانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ سیماب ایک سچے وطن پرست اور عظمتِ مشرق کے سچے دلدادہ ہیں۔ اُن کے شعری ترانوں میں وطن پرستی کے جذبات اعلیٰ انسانی تصور میں ڈوب کر ظاہر ہوتے ہیں۔ سیماب وطنیت اور انسانیت کو ایک رشتۂ وحدت میں پرو دیتے ہیں اور پاکیزہ اخلاقی تصورات کی روشنی میں اپنے دردِ انسانیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کے یہاں سیاسی رجز ہے لیکن جوش کی ہمنوائی نہیں۔ اُن کی فکر میں سنجیدگی ملتی ہے۔ لطیف نکات وہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے بدِ مقابل وہ ایک جہانِ نو کی تعمیر کر رہے ہیں۔ سیماب نے اپنی فکر کی راہ ایک واضح شعور کے ماتحت بنائی ہے اور ادبی رنگ آمیزیوں سے اُسے باغ و بہار کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ملک کی ادبی فضا میں اُن کی علمیت اور شخصیت کا بڑا اثر تھا اور ان کے شاگرد بڑی تعداد میں ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حفیظ جالندھری

ولادت ۱۹۰۰ء

دورِ جدید کے شاعروں میں حفیظ جالندھری کا امتیاز کئی حیثیتوں سے قابلِ لحاظ ہے۔ اُن کی یادگار تصنیف "شاہنامۂ اسلام" اُردو میں اپنے طرز کی بہت اہم کتاب ہے۔ اسلام کی عظیم اور تابناک تاریخ کو اُنھوں نے شاہنامہ میں بیان رکے رواں تسلسل، فکر کی گرمی اور جذبہ کی تڑپ کے ساتھ منظوم کر دیا ہے۔ حفیظ کی یہ خوبی خاص طور پر قابلِ تعریف ہے کہ اُنھوں نے تاریخ کی واقعیت کو شعر کی رعنائی کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے ہم آہنگ کر لیا ہے نظموں میں قوم، وطن اور انسانیت کی محبت کا سچا درد ملتا ہے۔ اُن کے یہاں جذبہ کی تڑپ، الفاظ اور بیان کے ترنم میں جادو بن کر جاگ اُٹھتی ہے۔ حفیظ کی طبیعت میں موسیقیت کا بہت نتھرا اور رچا ہوا مذاق موجود ہے۔ اُن کی نظم، لطیف سرشاری کے تأثرات میں ڈوب کر اُبھرتی ہے اور اثر و محویت کا ایک سماں باندھ دیتی ہے۔ وہ بڑی لطیف راہوں سے قاری کے دل و دماغ میں گھر کر لیتے ہیں اور پروازِ خیال میں اُسے ہمسفر بنا لیتے ہیں۔ اُن کے گیتوں میں بڑا رس اور من موہنے والی شان ہے۔ فارسی لطافت کو وہ ہندی ترنم میں بڑی خوبصورتی سے سمو دیتے ہیں۔ حفیظ کی زبان نہایت میٹھی، نرم اور پُر اثر ہے۔ اُن کی غزلوں میں محبت کی ایک درد بھری تڑپ ملتی ہے جو سادہ بیانی کے قالب میں ڈھل کر ایک مؤثر شان اختیار کر لیتی ہے۔ شاہنامۂ اسلام اور مجموعہ ہائے نظم کے علاوہ اُنھوں نے افسانے بھی لکھے ہیں جو کتابی صورت میں شایع ہو چکے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

افسر میرٹھی

ولادت ۱۸۹۸ء

اُردو شاعری میں نئے تجربات کرنے والوں میں حامد اللہ افسر میرٹھی کی کوششیں بہت قابلِ لحاظ ہیں۔ اُنھوں نے رسمی شعر گوئی کی راہ سے انحراف کرکے وطن پرستی کے جذبات اور مناظرِ قدرت کی جانب خاص توجہ کی۔ وہ بہت سادہ زبان برتتے ہیں اور لطیف روحانی آمیزش کے ساتھ وطن پرستی کے ترانے الاپتے ہیں۔ عروض کے میدان میں بھی اُنھوں نے کشادگی کی نئی راہیں نکالی ہیں اور شعر و موسیقی کے وسیع تر معیار پر مروجہ بحروں کی نئی نئی شکلوں کو رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ خیال کی سادگی، زبان کی دلکشی اور شعر کے ترنم پر اُن کی خاص توجہ رہتی ہے۔ اُن کی بعض نظمیں سادہ اور مؤثر جذبات نگاری کا بڑا عمدہ نمونہ ہیں۔ مثلاً "دنیا میں جنت میرا وطن ہے" مناظرِ فطرت سے اُنھیں گہری دلچسپی ہے۔ اُن کی حُسن آفریں نظر فطرت کے سادہ سے سادہ منظر میں دلکشی کے پہلو اُبھار دیتی ہے۔

اختر شیرانی

دورِ جدید کی رومانوی شاعری میں اختر شیرانی کے دلآویز نغمے، موجِ لطافت بن کر اُبھرے اور کیف و سرشاری کی فضا پیدا کر گئے۔ محبت پرست اختر نے خیال کی ایک جنت آباد کی تھی۔ جہاں دوشیزگی کا نکھار جادو جگاتا تھا۔ اور مست و سرشار شیرانی محبت کے رنگین کیف بار نغمے الاپتا تھا۔ شیرانی کا فن دل کی موج سے اُبھرتا ہے اور سرشاری و سپردگی پر اُس کی تان ٹوٹتی ہے۔ شیرانی نے جس موضوع کو بھی لیا ہے۔ حسین تخیل اور لطیف غنائی پیکر میں منتقل کر دیا ہے۔ اس کے اعلیٰ ترین

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کلام میں خیال کی لطافت اور لفظوں کا ترنم ایسے دلآویز حُسن کے ساتھ سمو گئے ہیں کہ ایک لطیف شاعرانہ ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ رومانوی فن خیال کے بہکنے کی راہیں بہت آسانی سے کھول دیتا ہے۔ ایسے مقامات پر اختر کے یہاں تکلف اور لفظی مینا کاری کے پہلو زیادہ اُبھر آتے ہیں۔ غزلوں اور نظموں کے علاوہ اختر کے یہاں گیتوں کا بھی ایک کافی سرمایہ موجود ہے۔ زبان میں تراش خراش اور نت نئی صنعت گری کا اُنھیں بھی شوق ہے۔ صبحِ بہار۔ نغمۂ حرم۔ اخترستان وغیرہ اُن کے مشہور مجموعہ ہائے کلام ہیں۔

ساغر نظامی

سیماب اکبرآبادی کے دبستانِ شعری سے نمودِ کمال حاصل کرنے والوں میں ساغر نظامی کا نام سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ ساغر نے وطنیت کے ترانے جدّت پسندی اور دل کی لہک کے ساتھ سُنائے ہیں۔ وہ ایک خوش گو، پُرگو اور طبیعت دار شاعر ہیں۔ وطنی کلچر کو اپنی شاعری میں سمونے کی اُنھوں نے کامیاب کوشش کی ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں اور ہندو مشاہیرِ وطن پر اُنھوں نے بڑی مؤثر نظمیں لکھی ہیں۔ سیماب کی طرح ساغر بھی اسلامیت اور وطنیت کو ایک خوشگوار وحدت میں سمو گئے رہتے ہیں۔ ساغر کے خیال کی کارفرمائی مختلف النوع موضوعات پر رہتی ہے۔ ان کی قوتِ شعر گوئی بہکتے انداز میں ظاہر ہوتی ہے اور اُن کے تأثرات کو بعض اوقات بہت حسین خیال آفرینی اور بہت طرح دار اسلوب بیان کے پیکر میں رونما کر دیتی ہے۔ شعری ترنم کی خاطر انھوں نے بھی بحروں میں بعض بڑی خوشگوار جدّتیں کی ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

چند ممتاز ترقی پسند شاعر

اوپر ہم نے غدر کے بعد سے زمانۂ موجودہ تک کے صاحبِ امتیاز شعراء کے کلام پر فرداً فرداً مختصر تبصرہ کیا ہے۔ یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اس تبصرہ میں تمام ممتاز لوگوں کے نام نہیں آسکے ہیں۔ دورِ حاضر کی شاعری میں ترقی پسند اسکول نے اپنے لئے ایک خاص جگہ پیدا کرلی ہے۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ترقی پسند تحریک ادب کے مقاصد اور ادبی کارنامے کیا ہیں، یہاں ہم اختصار کے ساتھ اُن چند شاعروں کے کلام پر تبصرہ کریں گے جنھوں نے ترقی پسند تحریک کے دامن میں تربیت پاکر نمود و شہرت حاصل کی۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حالی کے دور سے ادب اور زندگی کے درمیان واضح تعلق کا تصور شاعروں میں نمایاں ہو چکا تھا۔ اقبال نے اس تصور کو بڑی بلند نظری کے ساتھ اعلیٰ فلسفیانہ حیثیت میں پیش کیا۔ یوں بھی تمام وہ شاعر اور ادیب جنھوں نے ادب سے اصلاحی کام لیا ہے۔ اس تصور کو عملاً پیش کرتے رہے ہیں۔ ترقی پسند ادب نے ادب اور زندگی کے تعلق کی ایک نئے انداز سے تفسیر کی ہے۔ اور ترقی پسند شاعروں کے کلام میں اس کی بہت واضح تصویر ملتی ہے۔ ہم اس موقع پر چند بہت ممتاز ترقی پسند شاعروں کو تبصرہ کے لئے منتخب کئے لیتے ہیں۔ اسرار الحق مجاز، معین احسن جذبی، علی سردار جعفری، اختر جونپوری اور فیض احمد فیض۔ اس تبصرہ سے ترقی پسند شاعری کے مزاج اور ترقی پسند شاعروں کے اندازِ سخنوری پر قدرے وضاحت روشنی پڑ جائے گی۔

اسرار الحق مجاز مجاز اُس ادبی گروپ کے ممتاز فرد ہیں جس نے ۱۹۳۵-۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر اُردو ادب میں نئے انداز سے نغمہ سرائی کے سلسلہ کا آغاز کیا۔ مجاز کی طبیعت میں بہت لطیف شعری جوہر موجود ہے۔ اُس کے یہاں زندگی کی حوصلہ مندی، نگاہ کی مستی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہے، قدم کے فاتحانہ انداز ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے طبیعت کی سرشاری کے ساتھ کہتا ہے اسی لئے اُس کا شاعرانہ فن تبلیغ اور پروپیگنڈہ سے مجروح نہیں ہونے پایا۔ مجاز نے نظمیں بھی کہی ہیں اور غزلیں بھی۔ اس کے یہاں فن کا وہ رچاؤ۔ زبان کی وہ چاشنی، فکر کی وہ گھلاوٹ اور جذبہ کی وہ سرشاری موجود ہے جو غزل کو نگاہِ خاص کی چیز بنا دیتی ہے۔ مجاز کی نظموں میں ہمت اور مردانگی کا ایک خوشگوار آہنگ ہے۔

معین احسن جذبی جذبی ترقی پسند تحریک سے متاثر نہ ہوئے ہوتے تو میر کی راہ پر گامزن ہوتے۔ اُن کی طبیعت میں ایک خاص گداز اور فکر میں محو ہو جانے والی کیفیت ہے۔ سماج کا ظلم اور سرمایہ دارانہ نظام کی ناانصافیاں جذبی کے یہاں سوزِ دل میں ڈوبی ہوئی فریاد بن کر اُبھرتی ہیں۔ اُس کے جذبات میں بغاوت کی جو آگ ہے وہ بھڑکتی کم ہے سلگتی زیادہ ہے۔ جذبی فن کا بہت ستھرا مذاق رکھتے ہیں۔ ایک مسلک سے متعلق ہونے کے باوصف اُن کی انفرادیت شعوری احساس کے ساتھ نمایاں رہتی ہے وہ کم کہتے ہیں لیکن جو کچھ کہتے ہیں گہری فکر میں ڈوب کر کہتے ہیں

علی سردار جعفری علی سردار عملی سیاست کے مردِ میدان ہیں، بڑے ذہین صاحبِ تدبیر، اچھے مقرر اور بڑے دل و جگر کے آدمی ہیں۔ اُنھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اور بہت کھلے ہوئے انداز میں مارکسی نظریۂ ادب کی توضیح کی ہے اور اپنے کلام میں ترقی پسند انداز شعر گوئی کے بعض ممتاز عناصر کو بڑی خوبی اور فنی حوصلہ مندی کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ جعفری کے یہاں وہی خطیبانہ بلند آہنگی ملتی ہے جس نے جوش کو شاعرِ انقلاب بنا دیا ہے نعرۂ انقلاب جعفری کے یہاں سرودِ مستانہ کے پیکر میں نہیں ڈھلتا۔ خونِ زندگی کو تیز سے تیز تر کرنے والے رجز میں ظاہر ہوتا ہے۔ جعفری شاعری کی رمزیت اور

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اشاریت کے کچھ زیادہ موافق معلوم نہیں ہوتے۔ وہ بات کو کھل کر کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ترقی پسند ادب ابھی ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔ مستقبل بتائے گا کہ ادب میں جعفری کی رجزیہ للکار زیادہ دیرپا اثر رکھتی ہے یا مجاز کا انگاروں میں بجھا ہوا نعرۂ مستانہ۔

وامق جونپوری وامق کی شاعری ترقی پسند ادب کے تصورات کی بڑے حسین انداز میں ترجمانی کرتی ہے۔ وامق کی طبیعت میں اعلیٰ درجہ کی موسیقیت ہے اور وہ بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ اپنے مقصد کو ایک سلجھے ہوئے مربوط فطری پیکر میں غنائی دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وامق نے آزاد اور پابند دونوں قسم کی نظمیں کہی ہیں اور غزلوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مربوط اور غنائی طبیعت کی کارفرمائی ہر جگہ یکساں نظر آتی ہے اور ان کے سیاسی مقاصد بھی ہر جگہ بالکل واضح رہتے ہیں۔

فیض احمد فیض فیض احمد فیض کو ترقی پسند شاعری میں روز بروز ایک خاص فوقیت اور برتری حاصل ہوتی جارہی ہے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر فیض کی فکر یوں ہی ترقی کے مدارج طے کرتی رہی تو وہ بہت جلد ترقی پسند تحریک کے میر کارواں بنے ہوئے نظر آئیں گے۔ فیض کے یہاں فکر و گفتار کا ایک بلند انفرادی انداز ہے۔ فکر و جذبہ کو وہ اتنی لطافت سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور فن کی بلیغ حسن کاری کے ساتھ ایسے سجل پیکر میں پیش کرتے ہیں کہ خیال کی گہرائیوں میں ایک جنبش سی محسوس ہوتی ہے۔ ایسا کلام جو حقیقی لطف کے لئے فکرِ مزید کی دعوت دیتا ہو بڑے اونچے درجہ کا کلام ہوتا ہے اور فیض کے یہاں ایسے اجزا ملتے ہیں جو کلام کے اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ فیض بات کو بہت بھرپور انداز میں پیش کرنے کا بہت ماہرانہ سلیقہ رکھتے ہیں اسی لئے ان کے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کلام میں فلسفیت کی ایک جھلک ملتی ہے۔

۱۸۷۴ء میں مولانا محمد حسین آزاد نے زندگی کے نئے ماحول میں نئے طرز کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی۔ یہ جدت تاریخ ادب میں ایک طویل انقلابی عمل کی تمہید بن گئی۔ حالی نے اسے واضح اصلاحی مقصدیت سے آشنا کیا۔ چکبست، سرور، اقبال اور جوش کے یہاں یہ مقصدیت زیادہ وسیع، زیادہ اثر انگیز اور زندگی کے حالات و مسائل سے زیادہ مربوط ہوتی گئی۔ حصولِ آزادی سے پہلے اس کا مطمحِ نظر تھا، سامراج سے جنگ، فکری، روحانی سیاسی حریت، مشرقیت اور ہندیت کے نوجیون کی جدوجہد ۔۔۔ آزادی کے بعد حالات سے پیدا ہونے والی مایوسی، جھلاہٹ، انگاروں سے بجھی ہوئی تنقید سے قطع نظر اس کے سامنے ہے۔ مستقبل کی تعمیر کا ذوق و شوق، اُس منزل کی تلاش جو جنگِ آزادی کے دور میں جنت تصور بنی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں اُن شاعروں کے علاوہ جن کا ہم نے مختصر ذکر کیا ہے آنند نرائن مُلّا، شفیق جونپوری، جاں نثار اختر، جگناتھ آزاد، مخدوم محی الدین اور اختر الایمان کے نام خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

اُردو غزل

شاد عظیم آبادی

شاد ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اُن کی تعلیم و تربیت بڑے علمی و ادبی ماحول میں ہوئی۔ تاثیر زبان اور فصاحت و بلاغت کے رمز بہت ابتدا سے ان کے ذہن پر نقش ہوتے گئے۔ اور خاطر خواہ تربیت اور فطری ذہانت کی بدولت

Courtesy Adv. Shawkat Hussain Maqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

برابر نکھرتے گئے۔ عربی و فارسی کی تحصیل کے بعد شاد نے کچھ دنوں انگریزی بھی پڑھی لیکن یہ سلسلہ بہت تھوڑے عرصہ رہا۔ ادبیات اور فنونِ شاعری کے حصول کے لئے انھوں نے کئی اُستادوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ لیکن شعری تربیت کی تکمیل سید شاہ الفت حسین فریاد کے ہاتھوں ہوئی جو خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔ شاد کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اسلامی علوم کے علاوہ اُنھوں نے مسیحی، پارسی اور ہندو مذہبیات کا بھی وافر مطالعہ کیا تھا۔

شاد نے بہت طویل عمر پائی اور ساری عمر شعر و ادب کی خدمت میں صرف کردی۔ اُنھوں نے بڑی کامیابی اور فنی مشاقی کے ساتھ خدائے سخن میر اور خواجہ میر درد کی قائم کی ہوئی شعری روایات کی پیروی کی۔ زبان کی سادگی اور صفائی پر وہ خاص توجہ صرف کرتے ہیں۔ اُن کے کلام میں غضب کی کیفیت اور اثر ہے یہ اثر ذہن کے برجستہ عمل اور زبان کی فکری سادگی سے پیدا ہوتا ہے۔ شاد کی طبیعت میں غور و فکر کا استغراق بھی تھا اور مذہب کی تڑپ بھی۔ مذاہب کے مطالعہ نے فراخ مشرب محبت کو ان کی طبیعت کا جوہر بنا دیا تھا۔ ان کے کلام میں اخلاقی، فلسفیانہ اور عارفانہ پہلو بہت نمایاں ہیں۔

شاد بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُنھوں نے مختلف اصنافِ شعر پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن اُن کے خاص میدان غزل اور مرثیہ ہیں۔ مرثیہ میں وہ میر انیس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور اُنھوں نے خیال و زبان میں وہی لطافت، چاشنی اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو میر انیس کا طرۂ امتیاز ہے۔ غزل میں شاد کے پُراثر نغمے اُردو کے شعری گلدستے میں سدا بہار پھول بن گئے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

حسرت موہانی

پیدائش
سنہ ۱۸۷۵ء

وفات
سنہ ۱۹۵۱ء

جدید دور میں اُردو غزل کو نئی زندگی دینے والوں میں حسرت کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ سید فضل الحسن نام تھا۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں قصبہ موہان ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ بی۔ اے علی گڑھ سے پاس کیا۔ شعر و ادب کا شوق بچپن سے تھا۔ تعلیم نے اُس کو اور نکھار دیا۔ حسرت کی زندگی ایک حسین مجموعۂ اضداد تھی۔ مذہباً وہ پکے مسلمان اور سختی سے پابندِ شریعت تھے۔ رُوحانی ذوق نے اُنھیں تصوف کی چاشنی کا گرویدہ بنا دیا۔ سیاست کے میدان میں وہ بغاوت اور انقلاب کے علمبردار تھے۔ اُنھوں نے جس مجاہدانہ عزم، دلیری اور پامردی کے ساتھ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔ وہ بعض حیثیتوں سے اُنھیں تمام چوٹی کے لیڈروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ قوم نے بجا طور پر اُنھیں رئیس الاحرار کے لقب سے سرفراز کیا۔ اُن کی زندگی میں غضب کی سادگی اور درویشانہ مشربیت تھی۔ خیالات میں وہ انتہا پسند نظریوں سے تمام و کمال ہم آہنگ تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص نے پائیدار سکونِ دل کے ساتھ اتنی متضاد چیزوں کو اپنی ذات میں کیسے جمع کر لیا تھا۔ یہی اُن کی شخصیت کا کمال ہے اور اسی میں اُن کی انسانی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

اُردو کے قدیم ذخیرۂ ادب کی حسرت کی نگاہ میں بڑی قدر و قیمت تھی۔ برسوں کے ریاض، محنت اور مطالعہ سے اُنھوں نے اُردو شاعری کے ذخیرہ کو کھنگال ڈالا۔ ادب پر اُن کا ایک نہ مٹنے والا احسان یہ ہے کہ اُنھوں نے پُرانے شعراء کے کلام کا انتخاب شائع کر کے پُرانی اُردو شاعری کے مطالعہ کے لئے ایک نئی راہ کھول دی اور نہ جانے کتنے صاحبِ فن کہنے والوں کو سطحِ شہرت پر نمایاں کر دیا۔ اُردو شاعری پر حسرت کی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

نظر بہت وسیع اور گہری ہے اور اس حیرت انگیز مطالعہ نے اُن کے فطری ذوق شعر میں سمو کر اُن کی طبع شاعرانہ کو طلسمات بنا دیا ہے۔

وہ تسلیم کے شاگرد اور اس واسطہ سے خاندانِ مومن سے متعلق تھے لیکن وہ کسی ایک رنگ کے آدمی نہیں تھے۔ وہ رہرو ہزار راہ تھے۔ مختلف استادانِ فن کے چمن سے اُنھوں نے یکساں خلوص و محبت کے ساتھ خوشہ چینی کی ہے۔ اس ذوق تقلید نے اُن کے کلام کے ایک حصّہ کو تصنع اور آورد کی چیز بنا دیا ہے۔ حسرت محض مقلد نہیں تھے۔ تقلید کی راہوں سے اُنھوں نے اعلیٰ معیار کے تخلیقی جوہر کو ہویدا کیا ہے جذبہ کا خلوص، اظہار کی بیباک رجستگی، شعری ماحول کا لطیف نکھار اور اسلوب کی جادو بھری پُر تاثیر سادگی۔ یہ ہیں حسرت کے فن کے ممتاز اوصاف۔ اُنھوں نے غزل کو خیالی مینا کاری۔ بے نتیجہ مبالغہ آرائی اور ضرورت سے زیادہ ظاہر پرستی سے آزاد کر کے اس کی فطرت کے مطابق اسے جذبات و وارداتِ دل اور تصوراتِ کیف و مستی کے اظہار کا مؤثر وسیلہ بنا دیا۔ سادگی اور بے ساختگی کی روایت اُن کی غزل گوئی کا سب سے تابناک جوہر ہے۔ دورِ جدید میں حسرت اس روایت کے خالق اور اس راہ کے امام ہیں۔ وہ سخنِ دل کو دل کی زبان میں پیش کرنے کے قائل ہیں۔ اُن کے کلام میں نہ فلسفہ کی گہری پرچھائیاں ہیں نہ تصوف کی شدید وجدانی محویت۔ مذہب، تصوف، سیاست، شکوۂ احباب، لذتِ آزارِ التفاتِ نگہِ یار جو کچھ بھی ہے زندہ و توانا جذبات کی تڑپ اور سرمستی لئے ہوئے ہے موجِ غم خندۂ نشاط دونوں یکساں اُن کی مستی طبع میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ شاعری میں محتاط جدید اصلاح کے ساتھ وہ پیروئ میر و مومن پر نازاں تھے۔ غزل اُن کا میدان تھا۔ انھوں نے نظم کے نئے تجربوں کی طرف کبھی توجہ نہ کی اور سیاست میں ڈوبے رہنے کے باوصف بھی اسے باقاعدہ موضوعِ شاعری نہ بنایا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ناقب

صفی لکھنوی

سالِ پیدائش ۱۸۶۲ء سالِ وفات ۱۹۵۰ء

سید علی نقی صفی کے کلام میں فکر و فن کی ستر سالہ مہارت اور نمود و جوہر کی ایک شاندار داستان ملتی ہے۔ صفی بڑے علمی وقار کے آدمی تھے۔ فن پر ان کو مشاقانہ قدرت تھی۔ رنگِ قدیم سے پورے طور پر وابستہ رہنے کے ساتھ اُن کے یہاں جدید کو اپنانے کی ایک مخلصانہ تمنا بھی تھی۔ شاعری کے مختلف اصناف میں اُن کا کلام موجود ہے۔ نعت میں منقبت میں اُن کے معرکہ آرا قصائد استادانہ مہارتِ فن کا بہت اچھا نمونہ ہیں۔ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ان کا رجحان قومی اور وطنی شاعری کی طرف بھی ہو گیا۔ اس میدان میں بھی صفی نے جولانی طبیعت کی بہار خوب خوب دکھائی۔ صفی نے اپنی طولانی نظموں میں بڑی کامیابی کے ساتھ تغزل کا رنگ پیدا کیا ہے۔ اُن کی نظموں کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان میں ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں کے تاریخی و جغرافیائی حالات اور تہذیبی آثار کو بڑے دلکش انداز میں منظوم کیا گیا ہے۔ صفی نے نئے زمانے کے تیور کو پہچان کر اُردو غزل میں اصلاح کے لئے قدم اُٹھایا۔ ان کے عاشقانہ کلام میں وہ جلا ملتی ہے۔ جو فن کی مہارت اور ذہنِ سلیم کے باوقار شعری عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

عزیز لکھنوی

سالِ پیدائش ۱۸۸۲ء سالِ وفات ۱۹۳۵ء

اصلاحِ شعر کی تحریکات کے سلسلہ میں عزیز لکھنوی کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عزیز لکھنوی کے ایک ذی علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دینی علوم میں ان کی نظر بہت گہری تھی اور مشرقی ادبیات سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ عزیز نے قدیم دائرۂ سخن میں رہتے ہوئے قصیدہ اور غزل کے میدان میں حالی کی اصلاحی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کی ایک خاص حیثیت سے بہت ممتاز کوشش کی۔ نئی تعلیم

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور نئے زمانے کے اثرات نے میر اور غالب کے عظمت فن کو ایک نئے انداز سے اُجاگر کیا ہے۔ غدر کے بعد کے بیشتر شاعر میر اور غالب کی راہوں کو اپنے اپنے انداز سے اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عزیز کے یہاں بھی یہ شعوری کوشش نمایاں ہے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری کے الفاظ میں "ان کی غزل کی بنیاد غالب کے نئے تغزل پر رکھی گئی"۔ عزیز تمام وکمال اپنے آپ کو لکھنؤ کے ماحول سے آزاد نہ کر سکے لیکن ان کی یہ خوبی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ان کے کلام میں موثر جذباتی نگاری اور سادہ بیانی کے وہ عناصر ملتے ہیں جو آگے چل کر ادب کی ایک شاندار روایت بن گئے۔

ثاقب لکھنوی

غالب کے رنگ فکر کو ثاقب نے قابل لحاظ انفرادیت کے ساتھ اپنے کلام میں بڑی شائستگی اور ادبی وقار کے ساتھ اُبھارا ہے۔ ثاقب غالباً نقد شعر کا اچھا ذوق نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے ان کے کلام میں پست و بلند اور رطب و یابس سب ایک ساتھ بھرا پڑا ہے۔ منتخب اشعار میں خیالات کو بلند کرنے کی شعوری کوشش بڑے حسین انداز میں نمایاں ہے۔ خودداری اور انفرادیت پسندی کا ثاقب کے یہاں ایک واضح تصور موجود تھا۔ اسی وصف نے ان کی غزل گوئی کو ایک امتیاز بخش دیا ہے۔ ثاقب کی قوت نظم گوئی بڑے اعلیٰ معیار کی ہے۔ زبان کو وہ نگاہ کی گہری لطافت اور اعلیٰ معنوی حسن آفرینی کے ساتھ برتتے ہیں۔ حسن و عشق کی لطیف واردات کو ثاقب نے نازک شعری پیکروں میں تخلیل کر دیا ہے اُردو غزل کے باطنی جوہر نے دور جدید میں نئے رنگ روپ اور نکھار کے ساتھ راہِ زندگی میں قدم رکھا ہے اسی سلسلے میں ثاقب کے کلام سے بھی بڑے اچھے شواہد فراہم ہوتے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

فانی بدایونی

پیدائش ۱۸۷۹ء — وفات ۱۹۴۱ء

جدید اُردو غزل کو معنوی رفعت دینے والوں میں شوکت علی خاں فانی کا نام بہت ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ فانی ۱۸۷۹ء میں قصبہ اسلام نگر ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے ۱۳ برس کی عمر تک عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی شروع کی۔ ۱۹۰۱ء میں بریلی کالج سے بی، اے پاس کیا۔ پانچ برس خاموشی کی زندگی گزاری۔ پھر قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ کالج میں داخل ہوگئے۔ ۱۹۰۸ء میں ایل، ایل، بی کا امتحان پاس کیا۔ عرصے تک لکھنؤ اور بریلی میں وکالت کرتے رہے۔ فانی کی طبیعت کو وکالت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اسی لیے اس پیشے سے ان کو نہ کوئی امتیاز حاصل ہوا اور نہ مالی منفعت۔ خاکِ حیدر آباد کی کشش اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کی توجہ نے انھیں ارض دکن پہونچا دیا۔ جہاں وہ تادم آخر مقیم رہے۔

فانی کی غزل گوئی سنجیدہ اور نکھرے ہوئے فلسفیانہ مذاق کی آئینہ دار ہے انھوں نے فکر و فن کی پرانی روایتوں کو بلیغ انداز میں آب و رنگ عطا کیا ہے۔ اور تازگی بخشی ہے۔ زندگی کی مجبوری اور ناسازگار حوادث کی بدولت درد و الم، فانی کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ اُردو شاعری میں شکوۂ تقدیر۔ نالۂ نارسا کا ماتم اور جفائے محبوب پر فریاد و فغاں کی روایتیں بہت مقبول رہی ہیں۔ اس لحاظ سے فانی کے موضوع میں کوئی خاص تازگی نہیں ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے فلسفیانہ دقت نظر کے ساتھ اس موضوع پر صرفِ ذہن کیا ہے۔ اور اپنی شاعری میں نزاکت فن کے پورے پاس و لحاظ کے ساتھ خیالات و جذبات کو سطحِ نمود پر نمایاں کر دیا ہے۔ غالب کے بعد فانی کے یہاں فکر شاعرانہ کے فلسفیانہ عمل کا ایک بہت واضح اور انفرادی نمونہ ملتا ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تجربے فانی کے یہاں نہیں ملتے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ فانی نے اپنے محدود دائرے میں بلند انفرادی امتیاز پیدا کر لیا ہے۔ فانی زبان و بیان کی آرائش اور رچاؤ کا بہت لطیف تصور رکھتے تھے۔ انھوں نے لطافتِ زبان کی قدیم روایتوں کو حسنِ نظر کے ساتھ اپنی شاعری میں برقرار رکھا ہے۔ ان کے اسلوب بیان میں ذوقِ گفتار کی بلیغ حسن آفرینی ملتی ہے۔ فانی کے یہاں ذوقِ نظر کی بلندی ایک ہموار انداز میں قائم رہتی ہے اور وہ بڑی مشاقیِ فن کے ساتھ فکر بیان کو لطافت کے پیکر میں سمو دیتے ہیں۔ فانی یاسیات کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں نغش و کفن کے مظاہرے بکثرت ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ان مظاہر کا اثر زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ فانی کے جذبات و خیالات کی صداقت آورد و تصنع کے داغ سے بالکل پاک ہے۔ ان کے کلام میں عام طور پر سنجیدہ فکر اور رعنائی بیان کی لطیف آمیزش ملتی ہے۔ منتخب اشعار میں جذبہ کا سوز و گداز، گرمیِ فکر میں اس شانِ بلاغت کے ساتھ تحلیل ہو گیا ہے کہ قیامت کی نشریت ابھر آئی ہے۔

ریاض خیرآبادی

ریاض خیرآبادی کا کلام شگفتگی۔ زندہ دلی اور لطافتِ زبان و بیان کا ایک حسین مجموعہ ہے۔ ان کی طبیعت میں غضب کا بانکپن تھا۔ وہ فکر کی جاندار ترنگ میں ڈوب کر شعر کہتے ہیں اور خیال کی شوخی اور زبان کی لطافت سے۔ لطف طبیعت کا ایک عالم پیدا کر دیتے ہیں شراب اور شراب سے متعلق طرب انگیز مضامین کو ریاض نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے کبھی پی نہیں۔ جولانی فکر کے بل پر میکدہ کی نشاط و سرمستی کو اپنی شاعری میں گل و گلزار بنا دیا ہے۔ شیخ و زاہد پر ریاض کی شاعرانہ چوٹیں خندۂ لطیف کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ ریاض کو محاوروں پر ملا کی قدرت حاصل ہے الفاظ و محاورات کے محل صحیح سے اپنے کلام میں

Courtesy Acc. Shaukat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

قیامت کا بانکپن پیدا کر دیتے ہیں۔ ریاض کی دنیا بڑے تو انا لیکن حدود میں رہنے والے تھوں کی دنیا ہے یاس و الم کا ان کے قریب گزر نہیں۔ مستیوں میں وہ اس قدر ڈوبے نہیں کہ ہوش و نظر سے محروم ہو جائیں۔ ریاض نثر بھی بہت رنگین لکھتے تھے ان کا ریاض الاخبار برسوں ملک کے ادبی حلقوں میں دھوم مچائے رہا۔ ان کا مجموعۂ کلام "ریاض رضوان" کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

جلیل مانکپوری

امیر مینائی کی شاعرانہ روایات کو زندہ رکھنے اور لطافتِ بیان کی نت نئی رنگینیوں سے اس شعری اسلوب کو چمکانے والوں میں استاد جلیل کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ۲۰ برس کے سن میں استاد امیر کے شاگرد ہوئے۔ اور امیر کے آخر دم تک دفتر امیر اللغات کے سکریٹری رہے۔ استاد کے ساتھ دکن چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ موجودہ نظام دکن کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ اور عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزاری۔

جلیل نے نہایت صاف ستھری، عام فہم زبان میں حسن و عشق کی واردات کو پیش کیا ہے۔ الفاظ کے ترنم سے کلام میں تاثیر پیدا کرنے کا انھیں بہت اچھا سلیقہ حاصل تھا۔ جذباتِ عشق اور اظہارِ الفت ان کا خاص موضوع تھا۔ یوں اخلاق تصوف اور ناصحانہ مضامین۔ سب ہی نظم ہو گئے ہیں جلیل نے کوئی نئی راہ نہیں نکالی۔ حسن نظر سے پرانی راہوں میں خوب خوب گلکاریاں کی ہیں۔ زبان و محاورے کی صحت اور کلام کی سادگی ان کے خاص اوصاف ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سال پیدائش
۱۸۸۴ء

اصغر گونڈوی

سال وفات
۱۹۳۶ء

ذہنی کسب و ریاض اور شوق و محنت سے انسان اپنے ذوق و وجدان کی کتنی ستھری اور پاکیزہ تربیت کر سکتا ہے، اصغر کی زندگی میں اس کی ایک بہت روشن مثال ملتی ہے۔ اصغر کو باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کی کچھ دنوں انگریزی پڑھی لیکن خانگی پریشانیوں کی وجہ سے انٹرنس کا امتحان نہ دے سکے۔ ذاتی مطالعہ کتب بینی اور اپنی خداداد قابلیت سے انھوں نے ایک نہایت شائستہ نکھرا ہوا شعری مذاق اور نجی تلی نکتہ سنج نظر پیدا کر لی۔ اصغر ایک ضابطہ پسند متین طبیعت، خوش اخلاق اور بہت ستھرے آدمی تھے زندگی میں مذہبیت کی بڑی لطیف شان تھی۔ تصوف کی روحانی سرشاری نے مزاج میں شگفتگی زندہ دلی اور رنگینی پیدا کر دی تھی۔

جدید اُردو غزل میں اصغر ایک اہم امتیاز کے مالک ہیں۔ ان کے کلام میں غزل گوئی کا فن لطافت اور نکھار کے انتہائی سلجھے روپ میں ظاہر ہوا اس لحاظ سے اصغر کا کلام ایک خاص بلندی رکھتا ہے۔

اصغر بہت کم گو تھے۔ فکر کے وہ لمحات جب احساسات و واردات موج دل میں ڈوب کر نغمہ کا قالب اختیار کر لیں، ان کے یہاں ذرا مشکل سے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بڑے لطیف وجدانی اہتمام کے ساتھ آتے تھے۔ حسین مرغزار میں ماہ انجم کا بارانِ نور اس شان کے ساتھ کہ روح کے دریچے کھل جائیں، ذہن معطر ہو جائے اور زندگی پر ایک باطنی سرشاری کی کیفیت طاری ہو جائے، یہ ہے اصغر کا شعری ماحول۔ ان کے کلام میں ایک ایسے بیدار ذہن کا عمل ملتا ہے جو فکر کی لہروں کو وجدان کے ترنم کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ اصغر کی شاعری لطافت خیال اور نغمگی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nakshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اسلوب کا ایک حسین مجموعہ ہے۔ ان کا ذخیرۂ کلام مقدار میں کم ہے لیکن سراپا انتخاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصغر کا طرز ایک حیثیت سے ان پر ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ فکر و زندگی کی بلیغ لطافت قدرت کا عام فیضان نہیں۔ اصغر کے یہاں روحانی نشاط و سرشاری کی ایک کیفیت ملتی ہے۔ جو گھٹنوں فکر کو محو تصور رکھتی ہے۔ رمزیت و اشاریت غزل کے سب سے زیادہ نازک حربے ہیں اور اصغر نے ان کو بڑی مشاقی فن کے ساتھ برتا ہے۔ اصغر نے جو نثری مضامین لکھے ہیں ان میں بھی خیال کی لطافت، طبیعت کا حسنِ انتظام اور اعتدالِ وقار کے ساتھ بات کہنے کی کوشش صاف جھلکتی ہے۔ "نشاطِ روح" اور "سرودِ زندگی" اصغر کے کلام کے مجموعے ہیں۔

جگر مرادآبادی

پیدائش ۱۸۹۰ء۔ تاریخ وفات ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء

نغمۂ دل اور لحن دلنواز، قدرت نے جگر کو ان دونوں اوصاف سے بہرہ ور کیا۔ جو عوامی مقبولیت کا جادو جگاتے ہیں۔ جگر نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جو شعری نغموں سے معمور تھا۔ ان کے والد مولوی نذر علی صاحب دیوان شاعر تھے۔ جگر کی ذہنی تربیت میں کتابوں اور مدرسوں کا حصہ بہت کم ہے۔ فیضانِ صحبت اور فطری نمود جوہر نے ان کی شعری صلاحیتوں کو چمکا کر فردوسِ نظر کر دیا۔ جگر کو داغ اور تسلیم کے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ وہ بڑے رنگین طبیعت۔ زندہ دل۔ احباب پرست اور شگفتہ مزاج آدمی تھے۔ حسن کی تلاش و طلب اور حضورِ حسن سرشاری جذبات کا وجد انگیز عالم اور نغمہ آفریں کیفیت جگر کی زندگی میں یہ پہلو سب سے زیادہ روشن و روح افزا نظر آتا ہے۔ جگر کی شاعری کا یہ قابل قدر پہلو ہے کہ جگر نے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nakshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

برسوں مجاز کی سیر گاہوں میں دیدارِ حسنِ یار کیا ہے۔ اور جوشِ مستی میں بھرپور ترانے الاپے ہیں۔ راہ طلب آگے چل کر حقیقت معنی کے میدان میں ضم ہو گئی ہے۔ اور اب جگر ہیں اور محویتِ قلب کے وجدانی لطیف سروں میں ڈوبے ہوئے نغمے۔ جگر کی دنیا رنگ و نکہت کی دنیا ہے رقص و نغمہ کی دنیا ہے ایسی کیف و سرشاری کی دنیا ہے جو قمری کی صورت میں صنوبر کی شاخوں پر جھوم جھوم جاتی ہے۔ جگر کے جہانِ فکر میں افسردگی، مایوسی اور دل کی موت کا کہیں گزر نہیں ہے اس کے جذبات ہمہ عالم فاتحانہ مستی کی موج میں ڈوبے رہتے ہیں۔ یار کی توجہ شبِ فراق میں بھی نیند بن کر اس کی آنکھوں کو پیامِ راحت پہونچاتی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جگر کے یہاں عمیق تر فکر کی ضوفشانی بڑھتی گئی۔ اور نکاتِ لطیف کی فراوانی عام ہو گئی ہے۔ ان کے کلام پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض اوقات وہ اس قدر جذبوں میں ڈوبے رہتے ہیں کہ الفاظ شعر کا مفہوم پیش کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ جگر کے ابتدائی دور کے کلام میں نمایاں خامیاں ملتی ہیں لیکن وقت نے ان سب کو افسانۂ پارینہ بنا دیا۔ جگر نے جس بھرپور وجد انگیز اور نشاط پرور عالم میں سرشاریٔ دل کے ترانے سنائے ہیں وہ انھیں کا حصہ ہیں۔ جگر کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر سرّوری لکھتے ہیں۔

"داغ کے بعد ان کے رنگ میں بہت سے شاعروں نے لکھنے کی کوشش کی لیکن وہ تقلید سے آگے نہ بڑھ سکے جگر اسی راستے پر گامزن ہو کر ایک نئی راہ کھول لیتے ہیں جو زبان کی حد تک داغ کی سادگی کا نچوڑ ہے لیکن خیال و صناعی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ جگر کی شاعری عاشقانہ ہوتے ہوئے بھی داغ کے مادی تلمذ سے پاک ہے۔ اس میں ایک روحانیت کی جھلک ہے۔"

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge/Srinagar Collection

آرزو لکھنوی

سال وفات ۱۹۵۲ء

سید انور حسین آرزو جدید دور کے اربابِ فن میں ایک یادگار امتیاز کے ساتھ مشہور ہوئے۔ دبستان لکھنؤ کے سربرآوردہ شعرا نے اصلاح شاعری کی جو کوششیں کیں ان کے سلسلے میں آرزو کے کارنامے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آرزو بہت ستھرا علمی۔ ادبی اور شعری مذاق رکھتے تھے جلال لکھنوی کے فیض نے انھیں فنِ عروض کی نزاکتوں اور موثر شعر گوئی کے رمز و فن سے بخوبی آشنا کر دیا تھا۔ آرزو کی ایجاد پسند طبیعت نے حوصلۂ نمود کے ساتھ میدان شعر گوئی میں قدم رکھا۔ اور بہت جلد ان کی مشاقی فن اہل نظر کے نزدیک مسلم ہو گئی۔ آرزو نے مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اور جوہر زبان دانی بہر پہلو خوب خوب نمایاں کیا ہے۔ غزل کے میدان میں ان کی شعر گوئی کی پوری قوت اور تاثیر ظاہر ہوئی ہے۔ آرزو کے کلام میں درد محبت کی ایک میٹھی کسک ہے جو لطیف کیف سخن بن کر نمایاں ہو جاتی ہے۔ آرزو کی زبان نہایت سادہ شیریں اور موثر ہوتی ہے۔ نکھرے ہوئے جذبے کہیں کہیں ایسی رواں پُرکار اور موثر زبان میں ظاہر ہو گئے ہیں کہ برجستگی کی تاثیر جادو بن کر جاگ اٹھی ہے ہندی الفاظ کے برتنے کا انھیں خاص سلیقہ حاصل ہے۔ اصلاح زبان کے سلسلے میں آرزو کی خاص اردو کا تذکرہ خاص اہمیت رکھتا ہے ان کی مشہور شعری تصنیف "سریلی بانسری" خاص اردو میں ہے۔ اس میں یہ اہتمام ہے کہ عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کو خارج کر کے ٹھیٹ اردو زبان میں دل کی بات ایسے دلنشین اور پُرتاثیر انداز میں کہی گئی ہے کہ زبان پر آرزو کے حاکمانہ تصرف کے ساتھ ساتھ ان کی قوتِ شعر گوئی کا بڑا شاندار ثبوت ملتا ہے۔ اردو قواعد کے متعلق ان کی تصنیف "نظام اردو" اپنے موضوع کی بہترین اہم اور مستند کتاب ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اثرؔ لکھنوی

سال پیدائش ۱۸۸۵ء

نواب مرزا جعفر علی خاں اثرؔ کی زندگی طویل شعری و ادبی خدمت کا ایک روشن باب نگاہوں کے سامنے کھول دیتی ہے۔ اثرؔ لکھنؤ کے ایک ممتاز خاندان کے فرد ہیں فہم و فراست، سلیقہ مندی اور فکر کی جودت و مستعدی نے انھیں اعلیٰ پایہ کی دنیوی اور علمی وجاہتوں سے سرفراز کیا۔ اثرؔ مشرقی شعر کا بہت ستھرا چلتا ہوا مذاق رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی علوم اور رمز شعر و سخن پر بہت اچھی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی حوصلہ مند قوتِ فکر نے ماضی کے روشن نقوش کو حال کی ضو نشانیوں میں سمو دینے کی بڑی کامیاب کوشش کی۔ وہ غالبؔ اور میرؔ سے خاص طور پر متاثر رہیں۔ اور ان شعراء کے عمیق مطالعے نے حسنِ خیال اور اجتہادِ فکر کا ایک بہت واضح اور شائستہ تصور ان کے یہاں نمایاں کر دیا ہے جو لکھنؤ کے ادبی کلچر کی نفاستوں میں ڈوب کر ایک خاصہ کی چیز بن گیا ہے۔ میرؔ کی تقلید میں انھوں نے زبان کی صفائی۔ اسلوب کی پُرکاری اور جذبے کی نشتریت پر خاص توجہ صرف کی ہے اور اپنی شعری انفرادیت کے جوہر کو علوئے تخیل اور پاکیزگیٔ زبان و بیان کے حسین قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اثرؔ کی قوتِ شعر گوئی کا ایک ممتاز کمال ان کی نظموں کے مجموعہ "رنگ بست" میں ظاہر ہوتا ہے۔ انھوں نے اس مجموعہ میں غیر زبانوں کے چند شعری شاہکاروں کو لطیف ادبی بلاغت کے ساتھ اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔ کشمیر کے مناظر رنگین پر ان کے شعری نغمے۔ فکر و بیان کی لطافتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ ایک شائستہ مذاق ادبی ناقد بھی ہیں اور انھوں نے اُردو ادب کے رمز جمال کو بڑے نکھرے انداز میں نمایاں کیا ہے۔ ان کی گرانمایہ شاعرانہ حیثیت اور ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے انھیں پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یگانہ چنگیزی

دورِ جدید کی شاعری میں، یگانہ چنگیزی کا فن بڑے دلچسپ مطالعے کی چیز ہے۔ وہ اس دور کے حوصلہ مند اربابِ فن میں بلند انفرادی امتیاز کے مالک ہیں انھوں نے شعوری طور پر اپنی انفرادیت کے خدوخال کو شاعری میں نمایاں کرنے کی بہت دیر آ کوشش کی۔ اور اپنے اسلوبِ فکر کو جدید اُردو غزل گوئی کے عام رجحان سے واضح طور پر ممتاز کر لیا۔ یگانہ آرٹ کے بعض عناصر، ادبی حیثیت سے گہری توجہ کے مستحق ہیں۔ انھیں فن پر حاکمانہ عبور حاصل تھا۔ وہ خیال کو بڑی صداقت اور بے باکی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں خودداری کا بہت واضح اور فکر میں گرمی و توانائی پیدا کرنے والا تصور ملتا ہے۔ یگانہ آلامِ حیات سے منہ موڑنا نہیں جانتے۔ وہ شانِ مردانگی کے ساتھ مخالف زمانہ سے نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اُردو غزل کو انفعالیت اور جذبات کی پژمردگی کے عناصر سے پاک کرنے میں مسلسل کوشش کی۔ یگانہ نے بڑی مشاقی کے ساتھ غزل کو توانا اور جاندار خیالات و جذبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ یگانہ کی طبیعت میں بلا کی انانیت تھی۔ ان کی خودی بڑی آسانی سے خود پرستی کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ یہی ان کے فکر و فن کی کمزوری ہے۔

فراق گورکھپوری

ولادت ۱۸۹۶ء

نئے دور کے اُردو شاعروں میں فراق گورکھپوری کا فن کئی حیثیتوں سے خاص مطالعے کی چیز ہے۔ انھوں نے اپنے شاعرانہ ذہن کی تعمیر میں مغربی فن و ادب کے اثرات اور ہندی کلچر کے رمز و روح کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اور بڑے فکر انگیز انداز میں سمویا ہے۔ ان کے یہاں ایک اعلیٰ معیار کے فن کار کی بھرپور انفرادیت ملتی ہے۔ فراق

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے تصور کی دنیا میں حسن کے اثرات اور زندگی کے مسائل لطیف ندرتوں اور جذبے کو جگانے والی شان کے ساتھ ابھرتے ہیں۔ ان کا ذہن حسین بیناکاری کے ساتھ جذبوں کو شعر کے قالب میں منتقل کرتا ہے۔ انسان کی عظمت اور کمال کو انھوں نے بڑے دلکش پیرایوں میں ظاہر کیا ہے۔ ان کے کلام میں گہرائی۔ رس اور ترنم کی لطیف جھنکار غرض وہ اجزا نمایاں شان کے ساتھ موجود ہیں جو شاعری میں دلنواز کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ انھوں نے غزل۔ نظم۔ رباعی۔ مختلف اصنافِ شعر میں قوتِ شعر گوئی کے جوہر کو نمایاں کیا ہے۔ ان کا حقیقی شاعرانہ کمال غزل کے میدان میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے کہ بھرپور، انتہائی طور پر لطیف اور جذبہ انگیزیات کے لیے غزل ہی موزوں ٹھہرتی ہے۔ اور فراق کو وجدانی طور پر ایسے ہی انداز سخن سے ذوق و شوق ہے۔ ہندی ادب و تہذیب کے مزاج و روح میں فراق کو گہری بصیرت حاصل ہے اور انھوں نے اُردو زبان و ادب کو اپنی بصیرت سے بڑا فائدہ پہونچایا ہے۔ فراق کی تنقید نگاری میں بھی انفرادیت کی ایک آن ہے جو علمی وزن و وقار کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یگانہ کی طرح فراق کی خودداری بھی بہت آسانی سے خود پرستی بن جاتی ہے۔ فراق کے کلام کے یہ مقامات زیادہ خوشگوار نہیں معلوم ہوتے۔

تحقیق و تنقید

وحید الدین سلیم

ولادت ۱۸۶۰ء — وفات ۱۹۲۸ء

زبان کی اصلاح و ترقی کے لیے ٹھوس تعمیری کام کرنے والوں میں پروفیسر وحید الدین سلیم بہت ممتاز جگہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کو ایک مشن، نظام اور

CC-0. Courtesy Adv. Shokat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization: eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

لے فرد تھے۔ عربی و فارسی کی تکمیل کے ساتھ انھوں نے انگریزی میں بھی خاصا درک حاصل کیا تھا۔ مولانا حالی کی ان پر خاص نگاہ کرم تھی۔ ہندوستان کے بعض مشہور اخبارات کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں انھوں نے امتیاز و کمال کے ساتھ نام پیدا کیا آخری عمر انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اردو گزاردی۔

سلیم اردو زبان کے مزاج اور ساخت کا بہت واضح تصور رکھتے تھے انھوں نے اپنی تحریروں کو عربی و فارسی کے ثقیل الفاظ سے بوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ ہندی کے میٹھے اور سریلے الفاظ نہایت بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے سادہ طرز نگارش کو رواج دینے میں بڑی قابل قدر کوشش کی۔ سلیم بہت وسیع نگاہ اور بہت ٹھوس علم رکھتے تھے۔ "تلسی داس کی شاعری" اور "عربوں کی شاعری" کے عنوان سے جو مضامین انھوں نے لکھے وہ مستقل تصنیف کی شان رکھتے ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "وضع اصطلاحات" ان کے اعلیٰ تحقیقی مرتبے اور علمی شان و کمال کا کھلا ہوا ثبوت پیش کرتی ہے۔ سلیم اچھے پایہ کے شاعر بھی تھے اور انھوں نے اپنے کلام میں صداقتِ جذبہ اور حسنِ بیان دونوں کا نہایت لطیف امتزاج پیش کیا ہے۔

پایۂ اردو

سال پیدائش ۱۸۶۹ء — وفات ۱۹۶۱ء

مولوی عبدالحق

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی زندگی، خدمتِ زبان و ادب کا ایک شاندار مرقع نگاہوں کے سامنے لے آتی ہے۔ ان کی ساری زندگی محنت و جانفشانی اور من کی لگن کے ساتھ اردو کی خدمت میں گزری۔ ان کی کوششوں نے انجمن ترقی اردو کو ایک زبردست علمی و ادبی ادارہ بنا دیا۔ تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ دم آخر تک وہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے قیام و ترقی میں

Courtesy Adv. Showkat Hussain Nadsnbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو پر ڈاکٹر عبدالحق کے احسانات امٹ ہیں۔ ان کی کوششوں سے قدیم اُردو ادب کی بہت سی نایاب کتابیں منظر عام پر آگئیں۔ ان کتابوں کی اشاعت سے نہ صرف اُردو کے ادبی ذخیرے میں قیمتی اضافہ ہوا ہے بلکہ اس کے ساتھ زبان و ادب کی ارتقائی رفتار پر بے بہا معلومات فراہم ہوگئیں۔ مولوی صاحب نے کسی موضوع پر کوئی مستقل اور سیر حاصل تصنیف نہیں پیش کی لیکن ان کے مقدمے۔ خطبے اور ادبی و تنقیدی مضامین اونچے معیار کی تصنیفی شان رکھتے ہیں۔ اُردو زبان کے مزاج و ساخت پر مولوی صاحب کی نگاہ بہت گہری تھی۔ اور ادب کے وسیع مطالعے نے انھیں مسائل شعر و ادب میں ایک اچھی بصیرت عطا کر دی تھی۔ ان کا تحقیقی مذاق بہت منجھا ہوا تھا۔ انھوں نے بڑی مشاقی کے ساتھ ہمہ گیر انداز میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ماہرانہ سلیقہ مندی کے ساتھ زبان و ادب کے مسائل پر بیش قیمت معلومات پیش کی ہیں۔ مولوی صاحب بہت بے لاگ انداز میں تنقید کرتے ہیں انھوں نے حالی کی سادہ نگاری کو بلند فطری شان کے ساتھ اپنایا ہے۔ وہ بہت سادہ اور بے تکلف زبان میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ گرے پڑے الفاظ کو اٹھا کر ادبی سطح پر پہونچا دینے کا انھیں خاص سلیقہ حاصل ہے۔ عربی و فارسی الفاظ کے بکثرت استعمال اور غریب و نامانوس تراکیب و طرز انشا سے اُردو زبان کو محفوظ رکھنے میں مولوی عبدالحق کی خدمت بہت ممتاز ہے۔

مسعود حسن رضوی

سال پیدائش ۱۸۹۴ء

پروفیسر مسعود حسن رضوی کی ساری عمر مشرقی شعر و ادب کے بہت سنجیدہ مطالعے میں گزری ہے۔ انھوں نے بڑے ریاض و محنت سے اُردو شاعری کے حسن باطن تک رسائی حاصل کی ہے اور گہری ہمدردی کے جوش میں ڈوب کر اسے بے نقاب

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

یا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "ہماری شاعری" ان کی اعلیٰ شعر فہمی، نکتہ آفریں ذہن
ور گہرے ادبی انداز فکر پر پوری طرح دلالت کرتی ہے۔ مسعود صاحب تحقیق کا بہت
ائستہ اور اعلیٰ مذاق رکھتے ہیں۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں بڑے گرانقدر ادبی نوادر
وجود ہیں۔ فائض دہلوی کے دیوان کو مرتب کر کے انھوں نے شمالی ہند میں ادب کے
غاز پر ایک نئی روشنی ڈالی ہے "آب حیات کا تنقیدی مطالعہ" گو ایک مختصر کتاب
ہے لیکن تحقیق کی سچی شان سے بہرہ ور ہے۔ مسعود صاحب شائستگی سنجیدگی۔ لطافت اور
حسنِ خیال کو اسلوب نگارش کے بڑے حسین پیکر میں سمو کر پیش کرتے ہیں ان کی طرز تحریر میں
ان کی طبیعت کی پوری نفاست جھلکتی ہے۔

کلیم الدین احمد

"اُردو شاعری پر ایک نظر" اور "اُردو تنقید پر ایک نظر" کے مصنف پروفیسر
کلیم الدین احمد جدید دور کے تنقید نگاروں کی صف میں ایک بالکل علیحدہ مسلک رکھتے
ہیں۔ اور بعض حیثیتوں سے بالکل انوکھا مقام بھی انھوں نے ایک چونکا دینے والے
انداز میں اُردو شعر و ادب پر اظہار خیال کیا ہے۔ کلیم الدین کو انگریزی ادب کے رمز
جمال اور روح بلاغت میں بہت گہری بصیرت حاصل ہے۔

کلیم الدین کا ذہن انگریزی اثرات میں گہرے طور پر رچا بسا ہوا ہے۔ اپنے
خاص نقطۂ نظر سے انھوں نے اردو شاعری کا جائزہ لیا، تو انھیں بہت مایوسی ہوئی
یہی حال ان کے نزدیک اُردو کے تنقیدی سرمایہ کا بھی ہے۔ ایک خاص حیثیت سے
کلیم الدین صاحب کی یہ خدمت قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے ہمارے ذخیرۂ شعر و
ادب کے نقائص اور خامیوں کو بہت اہمیت اور امتیاز کے ساتھ اُجاگر کیا
ہے۔ اور اس طرح اصلاح و ترقی کی راہ اختیار کرنے والوں کی مدد کی ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

لیکن بنیادی طور پر پروفیسر کلیم الدین کا نقطۂ نظر اُردو ادب کے مزاج و طبیعت سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ ان کے یہاں اس ہمدردی کی نمایاں کمی ہے جو ایک منصف مزاج ناقد میں ہونا چاہیئے۔ ہر ادب ایک خاص مزاج ایک خاص افتاد اور ایک خاص پیرایۂ ظہور رکھتا ہے۔ جب تک ان سب پر گہری نظر حاصل نہ ہو جائے، ادب کے رمز جمال اور حسنِ باطن تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر کلیم الدین اپنے زبردست علمی تبحر، اعلیٰ معیار کی تنقیدی صلاحیت اور دلیرانہ صاف گوئی کے باوصف اُردو ادب کے مغز اور روح سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ہوتے۔ اُردو تنقید کے متعلق جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ بہت حد تک صحیح ہوتے ہوئے بھی منزل کی صحیح رہبری نہیں کرتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُردو میں فکر و نظر کی نئی راہیں کھل رہی ہیں اور جائزۂ شعر و ادب کے نئے نئے اور روشن امکانات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے ادب نے آزاد۔ حالی اور شبلی کے بعد نئی راہوں میں نئے انداز سے کارِ تنقید انجام دیا ہے۔ اور ہمیں اس بارے میں کسی خاص نگاہِ ندامت کی ضرورت نہیں۔

پروفیسر کلیم الدین کی کتابوں میں دلیرانہ اظہار کا ایک خاص جوہر ملتا ہے یہ بجائے خود ایک بہت اچھا وصف ہے۔ اور کلیم الدین اس کے لیے بہر انداز قابلِ ستائش ہیں۔

آلِ احمد سرور

دورِ جدید میں آلِ احمد سرور نے دلکش ادبی وقار کے ساتھ اُردو کے تنقیدی ذخیرے میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ سرور، شعر و ادب کا بہت نتھرا اور رچا ہوا مذاق رکھتے ہیں، انھوں نے جدید علوم و فنون کی بصیرت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے ادبی مطالعے میں سمویا ہے۔ ان کے یہاں حسنِ اعتدال کی ایک روشنی ملتی ہے۔ جو بہت دلکش

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization @Gangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اور جاذب توجہ ہے۔ وہ لطیف جنبشِ قلم کے ساتھ زیرِ بحث مسئلے سے حجابات اٹھاتے ہیں۔ اور سرور طبیعت کے عالم میں سخنِ دل دلکش پیرایہ میں کہہ جاتے ہیں۔ سرور شعر و ادب کے نفسیاتی تجزیہ میں بھی فکر و بیان کی لطافت بڑے اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں۔ وہ ادبی نکات کو فنی چابکدستی سے اُبھارتے چلے جاتے ہیں اور لطیف انداز میں اپنا مطمحِ نظر واضح کر دیتے ہیں۔ ترقی پسندی کے اصول و روایات کو انھوں نے طبیعت کے گہرے رچاؤ کے ساتھ قبول کیا ہے۔

انھوں نے ہمارے شعر و ادب کے بعض چوٹی کے ارباب فن کی شخصیت، ذہن اور ادبی اقدار کا بہت دلآویز نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کی تنقید میں ادبی چاشنی بڑے نکھرے ہوئے انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ بات کو بڑے رچاؤ، آرائش اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے کے عادی ہیں "تنقید کیا ہے"، "نئے اور پرانے چراغ"، "تنقیدی اشارے" ان کے تنقیدی مضامین کے مشہور مجموعے ہیں۔

سرور اچھے نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بہت لطیف مذاق رکھتے ہیں ان کی نظموں اور غزلوں میں فکرِ سنجیدہ کی ہلکی ہلکی آنچ میں تپے ہوئے تصورات دلکش پیرایۂ بیان میں ظاہر ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی گرمیٔ فکر سے شاعرانہ رعنائی بیان کو ایک نیا نکھار بخشا ہے۔

سیّد احتشام حسین رضوی

سید احتشام حسین رضوی دورِ جدید کے ادبی نقادوں میں ایک خاص امتیاز کے مالک ہیں۔ انھوں نے علمی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ بہت سلجھے ہوئے انداز میں ترقی پسند نقطۂ نظر کو ادبی تنقید میں سمویا ہے۔ احتشام حسین صاحب کی تجزیاتی صلاحیت بہت توانا اور بڑے معیار کی ہے وہ اپنے خاص نقطۂ نظر سے زیرِ بحث موضوع کا بہت بے لاگ جائزہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

لیتے ہیں اور دل نشیں انداز میں استدلال کی واضح منطقی ترتیب کے ساتھ اپنے مطالعہ و فکر کو پیش کرتے ہیں۔ احتشام صاحب نے تنقید کی اس روایت کو بڑی قوت پہونچائی ہے جو رنگ و بو سے بے نیاز ہو کر مسئلہ کو اس کے صحیح خد و خال میں دیکھتی ہے اور تاثر کی رنگینیوں میں ڈوبے بغیر خالص علمی و تنقیدی انداز میں اخذ نتائج کر لیتی ہے۔ ادب اور تنقید کا ترقی پسند نقطۂ نظر اپنی مقبولیت کے باوجود اردو میں بھی ایک نئی چیز ہے اس کی صحیح تشریح و تعبیر اور خاطر خواہ وضاحت اصولوں کے بیان کرنے سے زیادہ مہارت فن کے ساتھ عملی تنقید میں ان اصولوں کے برتنے سے ہوگی "تنقیدی جائزے" "روایت و بغاوت" "ادب اور سماج" "تنقید اور عملی تنقید" احتشام حسین کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں ان کے تنقیدی تصورات بھی پورے وضاحت کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ اور اس امر کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے تصورات کی روشنی میں بڑی مشاقی، دیدہ وری اور چابکدستی کے ساتھ کار تنقید انجام دے سکتے ہیں۔ احتشام صاحب کی تنقیدوں نے ہمارے ادب کے بعض گوشوں کو فکر و معنی کے نئے پس منظر میں نمایاں کیا ہے۔

انشائیہ، مقالات، صحافت

سید علی بلگرامی

پیدائش ۱۸۵۱ء — وفات ۱۹۱۱ء

سید علی بلگرامی کے علمی کمالات پورے طور پر تصنیف و تالیف کے پیکر میں ظاہر نہیں ہونے پائے۔ وہ اس پایہ کے عالم تھے کہ ان کی فکر کے لوگ ذرا مشکل سے پیدا ہوتے ہیں انھیں مشرق و مغرب کی بہت سی زبانوں میں عالمانہ بصیرت حاصل تھی ذہن

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اعلیٰ درجہ کے اختراعی ملکہ سے بہرہ ور تھا۔ انھوں نے کوئی طبع زاد تصنیف نہیں چھوڑی لیکن ان کے ترجمے ادبی دنیا میں ان کی لازوال علمی شہرت کی ضمانت بن گئے ہیں۔ سید علی بلگرامی نے فرانسیسی مورخ ڈاکٹر موسیو لیبان کی عربی اور ہندی تہذیب پر مشہور عالم تاریخی تصانیف کا ترجمہ "تمدن عرب" اور "تمدن ہند" کے نام سے ایسی مشاقی فن اور زبان و بیان پر اس قدر حاکمانہ تصرف کے ساتھ کیا ہے کہ ترجموں میں مستقل تصنیف کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ دو ضخیم علمی کتابوں کا ترجمہ اس انداز سے کہ کہیں ایک جملہ میں بھی ترجمہ پن نہ آنے پائے اور عبارت کی روانی، زبان کی دلکشی اور اسلوب نگارش کا علمی وقار از اول تا آخر یکساں ہمواری کے ساتھ برقرار رہے۔ ادبی حیثیت سے ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تمدن عرب اور تمدن ہند کی بدولت سید علی بلگرامی کا نام اردو ادب کی تاریخ میں امر ہو گیا ہے۔

وفات — مہدی افادی — سنہ ۱۹۲۱ء

مہدی افادی کی شخصیت میں ادبی جدت طرازی اور کمال آفرینی کا ایک نہایت ستھرا اور لطیف نمونہ ملتا ہے۔ مہدی نے چند مضامین لکھ کر ادبی دنیا میں نہ مٹنے والا نام پیدا کر لیا ہے۔ مہدی ادب کا بہت رچا ہوا اور شگفتہ مذاق رکھتے تھے۔ ان کے ذہن میں اعلیٰ درجہ کا اختراعی ملکہ تھا۔ وہ نئی ترکیبیں بھرپور ادبی انداز میں ڈھال لیتے ہیں۔ مہدی انشا کی لطافت پر خاص نگاہ رکھتے ہیں اور حسن آفریں روانیٔ قلم کے ساتھ اپنے خیال کو ایسے دلکش اور ترشے ہوئے پیرایۂ بیان میں منتقل کرتے ہیں کہ ادبیت موج نسیم کی طرح رقصاں ہو جاتی ہے۔ یورپ کی رومانوی تحریک کا مہدی کے اوپر بہت گہرا اثر تھا۔ اور یہ اثر ان کے رنگ انشا میں بڑے سجل روپ میں توانا ہوا ہے۔ جدید اردو ادب کے بانیوں کے متعلق مہدی نے جو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مضامین لکھے وہ گہرے مطالعہ اور سنجیدہ فکر کا نچوڑ ہیں۔ ان کی رائے بہت محکم اور بہت جچی تلی ہوئی ہے۔ "افاداتِ مہدی" ان کے مضامین کا مجموعہ ہے اس میں چند پارہ ہائے ادبِ لطیف اور چند ادبی اور تنقیدی جائزے ہیں۔ لطافت فکر و انشا کی بدولت افاداتِ مہدی کا شمار اردو نثر کے منتخب شہ پاروں میں ہوتا ہے مہدی کے خطوط بھی ادبی خاصہ کی چیز ہیں۔

ظفر علی خاں

پیدائش ۱۸۷۸ء — وفات ۱۹۵۶ء

صحافت کی راہ سے ادب کی یادگار خدمات کرنے والوں میں مولانا ظفر علی خاں کا نام بہت ممتاز ہے۔ موجودہ صدی میں سیاسی بیداری اور انقلابی جد وجہد کی جو لہر اٹھی تھی اس میں مولانا ابوالکلام کے "الہلال" محمد علی مرحوم کے "کامریڈ" اور "ہمدرد" کی طرح مولانا ظفر علی خاں کے مشہور عالم روزنامہ "زمیندار" کی حیثیت بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔ نثر اور نظم دونوں ان کی جولانی قلم سے یکساں سیراب ہوئے وہ بے انتہا ذہین اور اعلیٰ درجہ کی اختراعی قوت کے مالک تھے۔ ان کو مشاقی قلم کا وہ جوہر حاصل ہے جو معمولی سی بات کو باوقار اور پر تاثیر انشا کے پیکر میں پیش کر سکتا ہے۔ سیاسیات ملکی زندگی کے مختلف النوع مسائل علمی و فلسفیانہ مباحث اور افسانے ظفر علی خاں نے مختلف موضوعات پر یکساں مہارت فن کے ساتھ قلم اٹھایا۔ انھیں عربی و فارسی الفاظ و ترکیبوں کے برتنے میں خاص قدرت حاصل ہے۔ وہ جولانی فکر کو لطیف حسن کاری کے ساتھ قلم کی روانی میں منتقل کرتے ہیں ظفر علی خاں نے انگریزی سے جو ترجمے کئے ہیں وہ ان کی قابلیت اور قدرت زبان و بیان کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ ڈرے پر کی معرکۃ الآرا تصنیف کا ترجمہ ظفر علی خاں نے معرکہ مذہب و سائنس" کے نام سے اس درجہ قدرت فن کے ساتھ کیا ہے کہ کتاب بالکل ان کے ذہن

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ سیاسی مسائل پر ظفر علی خاں کے قلم کی آتش باریاں شعلہ جوالہ کا منظر نگاہ کے سامنے پیش کر دیتی ہیں۔ وہ بہت جذباتی قسم کے آدمی تھے اور جذبات کی شدتیں ان کے نوک قلم پر رواں رہتی تھیں۔ ظفر علی خاں ایک مشاق فن شاعر بھی تھے زود گوئی ان کی طبیعت کا خاص وصف تھی۔ وہ شعر اس قدر تیزی اور روانی سے کہتے جیسے آمد سخن میں آدمی بات میں بات نکالتا جاتا ہے۔ ظفر علی خاں کو الفاظ، محاورہ ایک اور تراکیب کے بہت وسیع دائرے پر حاکمانہ تصرف حاصل تھا۔ ایسے ایسے ثقیل غریب اور نامانوس قافیے جن کا دشعار میں نظم کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، ظفر علی خاں نہایت بے تکلفی اور روانی کے ساتھ نظم کر جاتے ہیں۔ عالم اسلامی، ہندوستان کے مسائل آزادی، تمدنی سوالات، برطانوی سامراج، کانگرس اور مسلم لیگ ظفر علیخاں کے خاص موضوعات فکر رہے ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام جوش طبیعت اور لطافت فکر کا آئینہ دار ہے۔

ظفر علی خاں کا بیشتر کلام وقتی مسائل سے متعلق ہے اور اسی لئے اس میں ابدیت کی کوئی شان نہیں ہے۔ کاش ظفر علی خاں تجمعی اور سکون طبیعت کے ساتھ شعر و ادب کی طرف اپنی توجہ صرف کرتے تو اردو ادب کا خزانہ کہیں زیادہ آبدار موتیوں سے مالا مال ہوتا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

وفات سیّد سلیمان ندوی ۱۹۵۳ء

علامہ شبلی کے فیض تربیت سے نمود و کمال حاصل کرنے والوں میں سید سلیمان ندوی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ وہ اس دور کے بہت بڑے محقق گراں پایہ ادیب صاحب طرز انشا پرداز اور امور دینیات کے بہت بڑے عالم تھے انھوں نے اپنی پوری زندگی بلند علمی وقار و متانت کے ساتھ ادب اور دین کی خدمت میں گزار دی۔ سید سلیمان نے سیرت، سوانح، تاریخ، مسائل زبان اور ادب اور مذہبی مباحث پر اعلیٰ سنجیدہ تحقیق شان کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ ان کا لازوال ادبی کارنامہ سیرت النبی ہے جس کی شبلی نے ابتدا کی تھی۔ سید سلیمان نے بے انتہا محنت اور جاں فشانی سے اس تصنیف کو اس انداز میں مکمل کیا کہ وہ اس موضوع پر دنیا کے ادب میں صف اول کی کتاب ہو گئی ہے۔ سیرت عائشہ ان کی ایک اعلیٰ معیار کی سوانحی تصنیف ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات عربوں کی جہاز رانی اور خیام وہ کتابیں ہیں جن میں وافر مطالعہ اعلیٰ تحقیق اور زور قلم کا ایسا نمونہ ملتا ہے جس کی مثالیں اردو میں شاذ و نادر ہی مل سکتی ہیں۔ حیات شبلی کے نام سے انھوں نے اپنے استاد علامہ شبلی کی ضخیم سوانح عمری بڑی محنت اور مہارت فن کے ساتھ لکھی۔ اردو زبان و ادب پر ان کے مقالات اور خطبے تحقیقی بصیرت کے قیمتی موتی نگاہوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ سید سلیمان کی انشاء میں ایک بیدار فکر، محتاط عالمانہ ذہن اور نہایت ستھری اور لطیف طبیعت کا جوہر بکھرا ہوا ملتا ہے۔ وہ بہت متانت اور سنجیدگی سے قلم اٹھاتے ہیں اور از اول تا آخر ادبی بلاغت کا معیار قائم رکھتے ہیں۔

سید سلیمان کی ادارت میں اردو کے مشہور ادبی و مذہبی ماہنامہ معارف کو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

زیر دست عروج و فروغ حاصل ہوا۔ ان کی قیادت اور ان تھک کوششوں نے دار المصنفین کو شبلی کے خواب کی حسین و جمیل تعبیر بنا دیا۔

خواجہ حسن نظامی

ولادت ۱۸۷۸ء — وفات ۱۹۵۵ء

دور جدید کے انشا پردازوں میں خواجہ حسن نظامی کو ایک ممتاز مرتبہ حاصل ہے خواجہ صاحب کی طبیعت میں ایک دلنواز انوکھا پن ہے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے اور بڑے مزے سے چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے کار آمد نتیجے نکال لیتے ہیں۔ اور انتہائی انوکھے اور نرالے انداز میں اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے قلم نے دہلی مرحوم کو ایک نرالی شان کے ساتھ زندہ کر دیا ہے۔ عبرتناک مناظر کی منظر کشی وہ نہایت موثر انداز میں قلم کی ہلکی ہلکی جنبشوں سے کر دیتے ہیں۔ غدر میں دہلی کی تباہی کی داستان خواجہ صاحب کے قلم کا ایک یادگار کارنامہ ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب صاف ستھری موج لطافت میں ڈوبی ہوئی دہلی کی ٹکسالی زبان لکھنے پر بھی اعجاز قدرت رکھتے ہیں۔ ان کا یہ وصف اس قدر ممتاز ہے کہ کوئی دوسرا دیباچہ نگاری میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ بلا ہر غیر اہم عنوانات پر ان کی لطیف خیال آرائی تخیل کا کرشمہ معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کے چھوٹے چھوٹے بلیغ اور معنی خیز فقرے نشتر بن کر دل میں اتر جاتے ہیں اور ان کا اثر بھرپور ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب بہت زود نویس تھے۔ انھوں نے تصانیف کا انبار لگا دیا ہے خواجہ صاحب کے اخبارات و رسائل نے اردو زبان کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔

ابوالکلام آزاد

وفات ۱۹۵۹ء

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshabandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

رکھتے ہیں ان کے علم کی وسعت اور فکر کی گیرائی اس درجہ کی ہیں کہ ان کے مخصوص میدانوں میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ ملک کی جنگ آزادی میں مولانا نے نمایاں امتیاز و وقار کے ساتھ حصہ لیا اور اکثر نازک مرحلوں پر ان کے ناخن تدبر کا اعجاز ظاہر ہوا۔ علامہ شبلی نے اسلامی علوم کو از سر نو زندہ کرنے اور مسلمانوں میں دینی و قومی خودداری اور عظمتِ ماضی کے احساس کو شانِ نمود کے ساتھ ابھارنے کا جو تاریخ آفرین کام شروع کیا تھا اسے مولانا ابوالکلام نے بے مثال خطیبانہ بلند آہنگی اور حیرت انگیز علمی تبحر کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان کا مشہور رسالہ "الہلال" ملت اسلامی اور مشرق کے لئے نئی زندگی کا خوش آیند پیام بن کر ظاہر ہوا۔ الہلال کے صفحات پر خطیبانہ انشا پردازی کے وہ بلیغ کمالات نمایاں ہوئے کہ سارا ملک الہلال کے غلغلوں سے گونج اٹھا۔ ابوالکلام کو قرآنی علوم اور عربی ادب میں زبردست بصیرت حاصل ہے۔ فارسی کے مغز روح میں ان کی طبیعت پیری ہوئی ہے۔ عربی اور فارسی کے نت نئے لوازم آرائش سے مرصع کر کے انھوں نے اپنی انشا کو بھرپور معنویت، ادبی وزن و وقار اور بلند فکر کا وہ آہنگ عطا کیا جو اپنی نظیر آپ ہو کر رہ گیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مولانا کی تحریروں میں شگفتہ روانی اور پرتاثیر سادگی کا جوہر بڑے امتیاز کے ساتھ نمایاں ہو گیا ہے۔ ان کی تفسیر قرآن نہ صرف اپنے زبردست علمی اجتہاد و نکتہ آفرینی بلکہ بلیغ و پرتاثیر سادہ نگاری کے اعتبار سے جدید اردو ادب میں ایک شاندار اضافہ ہے۔ ابتدائی دور میں ان کی ایک خود نوشت سوانح عمری "تذکرہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی "الہلال" میں علمی، سیاسی اور مذہبی موضوعات پر ان کے جو مضامین نکلے وہ مختلف مجموعوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا کے کارناموں میں "غبارِ خاطر" کو ایک اہم امتیاز حاصل ہے۔ غبارِ خاطر مولانا کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے [illegible] جنگ عظیم کی نظربندی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے دوران میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم کو لکھے۔ غبار خاطر لطافت انشا اور بلیغ خیال آرائی کے اعتبار سے اردو ادب میں اپنے طرز کی بہت بلند پایہ چیز ہے۔

عبدالماجد دریابادی

پیدائش سنہ ۱۸۹۳ء

دور جدید کے انشا پردازوں میں مولانا عبدالماجد دریابادی ایک خاص طرز انشا کے مالک ہیں۔ مشرقی اور مغربی علوم پر ان کی نگاہ بہت وسیع ہے مولانا نے بوستان لکھنؤ کی ادبی لطافتوں کو بڑی بلند نظری اور نکھرے ہوئے علمی مذاق کے ساتھ اپنایا ہے۔ انھوں نے طبیعت کے بڑے ریاض اور ریاضت کے ساتھ اپنے طرز انشا کی تعمیر کی ہے۔ وہ لطف طبیعت کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں اور فکر و بیان کے لطیف تسلسل اور روانی کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہیں۔ عبدالماجد کو فن ترجمہ پر بھی حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ خشک فلسفیانہ موضوعات پر انھوں نے قلم کی اس شگفتگی کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک ایک لفظ میں لطیف ادبیت کا نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا اپنی جولانی ذہن سے مزاح شگفتہ خیالی اور معنی خیز طنز کے نکتے بڑے مزے سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اردو کے بعض نامور شاعروں اور ادیبوں پر جو مضامین انھوں نے لکھے ہیں وہ دلچسپ نفسیاتی مطالعے اور گہری ادبی بصیرت سے معمور ہیں: "اردو کا واعظ شاعر" "مرزا رسوا کے قصے کچھ ادھر سے کچھ ادھر سے"۔ "نیا آئین اکبری" "جھوٹ میں سچ" "اردو کا ایک بدنام شاعر" یہ اور دوسرے ادبی و تنقیدی مقالات مولانا کی سنجیدہ نکھری ہوئی ادبی فکر کو پوری طرح نمایاں کر دیتے ہیں جہاں مولانا کا قلم جذبات کے رنگ میں ڈوب جاتا ہے۔ وہاں انشا کے جوبن پر بہار آجاتی ہے۔ مولانا محمد علی کی جو لائف انھوں نے لکھی ہے وہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar, Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

تاثراتی سوانح نگاری کا ایک بہت ہی عجیب و غریب نمونہ ہے "سچ" "صدق" اور اب "صدق جدید" میں واقعات اور کوائف عالم پر مولانا کے جو مختصر تبصرے نکلتے ہیں وہ بھرپور طنز اور جاندار نشتریت کا عمدہ نمونہ ہوتے ہیں۔ "فلسفۂ جذبات" "مکالمات برکلے" "فلسفہ اجتماع" "تاریخ اخلاق یورپ" "محمد علی" "حکیم الامت" "نقوش و تاثرات" مولانا کے تراجم و تصانیف میں خاص امتیاز و شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کے علمی، ادبی اور فلسفیانہ مضامین کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

ولادت نیاز فتحپوری سنہ ۱۸۸۷ء

اردو کے مشہور و معروف علمی رسالے "نگار" کے ایڈیٹر مولانا نیاز فتحپوری جدید اردو ادب میں ایک باکمال انشا پرداز اور بلند نظر ناقد کی حیثیت سے بہت اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ انھوں نے اپنے ادبی فن کو حسن کمال کے ساتھ زمانے کی بڑھتی ہوئی رو کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے اور مسلسل جنبش قلم سے اردو نثر میں علمیت، تنقیدی حسن آفرینی اور خیال آرائی کے موتی بکھیر دیے ہیں۔ نیاز کے ذہن میں طرحداری اور اعلےٰ پایہ کے ذوق اختراع کے ساتھ ساتھ ایک بانکپن اور ایک ابھری ہوئی انفرادیت بھی ہے۔ انھوں نے حوصلۂ نمود کے ساتھ ادب کی راہوں میں اپنے ذہن کے نقش قائم کئے ہیں۔ نیاز کی تحریروں کا آغاز ادب لطیف اور افسانہ کی راہ سے ہوا۔ ابتدا ہی میں انھوں نے اجتہاد ذوق کی بدولت اپنے اسلوب نگارش میں رنگینی بیان کی ایک خاص دلکشی اور ترکیبوں کی نئی تراش خراش سے ایک خاص کیفیت پیدا کر لی تھی۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

وقت کے ساتھ ان کا اسلوب تحریر نکھرتا سنورتا گیا۔ نیاز نے مختلف حیثیتوں سے اردو ادب کی خدمت کی ہے۔ دلچسپ موضوعات پر ان کی لطیف خیال آرائی گہری ادبی دل کشی سے بہرہ ور ہے "نگارستان" "جالستان" ادب لطیف میں اپنے طرز کی بہت ممتاز کتابیں ہیں۔ قدرت نے ان کو اعلیٰ پایہ کے ملکۂ شعر فہمی سے بہرہ ور کیا ہے۔ ان کی ادبی تنقیدیں شعر و ادب کے رمز جمال میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت پیدا کرتی ہیں۔ علمی موضوعات پر نیاز کی خامہ فرسائی نے سنجیدہ نگارش کا ایک بلند معیار قائم کیا ہے۔

نگار کے خاص نمبر اردو کے تنقیدی و علمی ذخیرے میں مستقل اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج کل ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ تاریخ اسلام کے اہم علمی و سیاسی پہلوؤں پر صرف ہو رہی ہے۔ شاعر کا انجام، شہاب کی سرگزشت، جالستان نگارستان، جذبات بھاشا، ترغیبات جنسی، من و یزداں اور "مالہ و ماعلیہ" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کی وقیع ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے انھیں پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا ہے۔

وفات — قاضی عبدالغفار — سنہ ۱۹۵۶ء

جدید اردو ادب میں قاضی عبدالغفار پائیدار امتیاز و شہرت کے مالک ہیں۔ انھوں نے صحافت، ادب لطیف، علمی مقالہ نگاری، غرض مختلف راہوں سے ادبی خدمات انجام دی ہیں۔ قاضی صاحب نے ہمارے موجودہ تہذیبی سماجی اور سیاسی مسائل کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور پر خلوص آفرینی کے ساتھ جذبۂ اصلاح کو انشا کے پیکر میں پیش کر دیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

"لیلیٰ کے خطوط" دورِ جدید کے سماج پر نہایت فکر انگیز اور بھرپور ادبی طنز ہے۔ قاضی صاحب تخلیم کی روانی میں بڑی بے ساختگی کے ساتھ لطافتِ خیال، شگفتہ بیانی اور پرکار طنز کے موتی بکھیرتے جاتے ہیں۔ انھوں نے واضح بلند اخلاقی مقصد کے تحت قلم اٹھایا ہے۔ اور حسین ادبی صناعیوں کے ساتھ اپنے مقصد کو پیش کیا ہے۔ ادبِ لطیف کے لکھنے والوں میں قاضی صاحب کا مقام بہت بلند اور منفرد ہے۔ قاضی صاحب کی زندگی کا بہت کافی حصہ سیاسی جدوجہد میں گزرا۔ اسی لئے ان کے یہاں فکر و طبیعت کی حوصلہ مندی ایک خاص شانِ امتیاز کے ساتھ نمایاں ہے۔ ان کی سوانحی کتابیں علمی تحقیق اور بلند نگاہی کا بہت روشن نمونہ ہیں۔ آثار جمال الدین اور آثار ابوالکلام آزاد ہمارے سوانحی ادب میں بیش قیمت اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد قاضی صاحب انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے اردو کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ تقسیم ہند کے ہنگاموں میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا دفتر قریب قریب بالکل لٹ گیا اور انجمن کا کاروبار بالکل معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ قاضی صاحب کی کوششوں سے انجمن ترقی اردو کو آزاد ہند میں نو جیون ملا۔

ناول و افسانہ

رتن ناتھ سرشار

اردو ادب کے زندہ جاوید فن کاروں میں سرشار کا نام صفِ اول میں آتا ہے۔ سرشار ۱۸۴۶ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے صرف چار برس کی عمر میں اپنے

Courtesy: Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

انتقال ہوگیا۔ رواج عام کے مطابق بچپن میں سرشار نے عربی و فارسی پڑھی کیننگ کالج میں انگریزی کی کچھ تعلیم بھی حاصل کی۔ سب سے پہلے ضلع کھیری میں ٹیچر ہوئے ان کی مضمون نگاری کا سلسلہ اسی زمانہ سے شروع ہوگیا تھا اور وہ برابر کشمیری پنڈتوں کے ماہوار رسالہ "مراسلہ کشمیری" اور "اودھ پنچ" میں اپنے مضامین بھیجا کرتے تھے۔ ترجمہ کرنے کا انھوں نے ایک خاص سلیقہ حاصل کر لیا تھا اور سررشتہ تعلیم کے رسالوں میں وہ علمی مضامین کے ترجمے برابر بھیجتے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں انھوں نے علم طبیعی کی ایک کتاب کا ترجمہ "شمس الضحا" کے نام سے کیا۔ اسی سال وہ اودھ اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور اسی اخبار کے کالموں میں اس معرکہ آرا افسانہ کی بنیاد پڑی جو فسانہ آزاد کے نام سے مشہور ہے۔ سرشار کے دور ادارت میں اودھ اخبار کو بہت ترقی ہوئی۔ ان کے زور قلم اور بالخصوص فسانۂ آزاد کی دل کشی کا یہ عالم تھا کہ پورے ملک میں دھوم مچ گئی۔ فسانۂ آزاد کے ساتھ سرشار کی ناول نگاری کے طویل سلسلہ کا آغاز ہوگیا۔ لیکن ان کی کوئی دوسری تصنیف فسانۂ آزاد کے معیار کو نہ پہونچ سکی۔ ۱۸۹۵ء میں وہ حیدر آباد گئے۔ جہاں ان کا خیر مقدم بڑی گرمجوشی کے ساتھ ہوا۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنا کلام اصلاح کے لئے سرشار کو دکھانا شروع کیا اور اس کے عوض میں دو سو روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ حیدر آباد میں کچھ عرصہ تک انھوں نے اخبار "دبدبۂ آصفیہ" کی ادارت کی۔ اخیر عمر میں شغل مے نوشی بہت بڑھ گیا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں جام موت بھی پی لیا۔

سرشار حقیقی معنی میں رند مشرب تھے۔ بڑے آزاد منش اور تعصب اور مذہبی تنگ نظری سے بالکل پاک تھے۔ طبیعت میں ظرافت و شگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بات کرنے کے لئے زبان کھولتے یا لکھنے کے لئے قلم اٹھاتے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

توزندہ دلی قدم چومتی اور انبساط کی لہریں چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی نظر آتیں۔ سرشار بڑے ذہین تھے۔ حافظہ قیامت کا پایا تھا۔ طبیعت موج میں آجاتی تو دماغ سے مضامین ساون بھادوں کی گھٹا بن کر برس جاتے۔ لکھنے پر بلا کی قدرت تھی ہمیشہ برجستہ وقلم برداشتہ لکھتے تھے۔ سرشار نہایت خوش گو شاعر بھی تھے اسیر کے شاگرد تھے اور خوب کہتے تھے۔ ان کی حقیقی حیثیت ایک افسانہ نگار کی ہے فسانۂ آزاد کے علاوہ "سیر کہسار" "جام سرشار" "کامنی" "خدائی فوجدار" اور رنگیے سیار وغیرہ ان کے مشہور افسانے ہیں۔ ادب کی تاریخ میں ان کی پائدار عظمت کا انحصار فسانۂ آزاد پر ہے۔ فسانۂ آزاد چار ضخیم جلدوں پر پھیلی ہوئی ایک بہت طویل کہانی ہے جس میں نہ معلوم کتنی شکمی کہانیاں شامل ہوگئی ہیں۔ فسانۂ آزاد کا تخیل سرشار کے ذہن میں مغربی ادب کے اثر سے پیدا ہوا۔ سرشار نے اس فسانے میں لکھنؤ کی تہذیب اور تمدن کی اتنی زندہ اور جاندار تصویر کھینچی ہے۔ اور اس تصویر میں لطافت خیال زندہ دلی شگفتہ طبعی اور دلفگار قلم کو اس خوبصورتی کے ساتھ سمویا ہے کہ یہ کتاب سوسائٹی کی مرقع کشی کا ایک حیرت انگیز نمونہ بن گئی ہے۔ فسانۂ آزاد کا ایک امتیازی وصف اس کی کردار نگاری ہے۔ سرشار کا مشاہدہ بہت وسیع تھا اور ان کا قلم اعلیٰ پایہ کی مشاقی اور چابکدستی سے بہرہ ور تھا۔ فسانۂ آزاد کا سب سے اہم کردار خواجہ بدیع طرزاں "خوجی" ہے جو سرشار کے ذہن کی شاہکار تخلیق ہے۔ خوجی کی ذات میں لکھنؤی تہذیب کا ایک پہلو تخیل کی بے مثل حسن کاری کے ساتھ صورت پذیر ہوگیا ہے۔ خوجی بہت دلچسپ کیرکٹر ہے۔ اس کی لمبی چوڑی باتیں۔ بلند آہنگ دعوے پہلوانوں کے انداز میں پینترے بدلنا اور بات بات پر قرطی نکالنے کی دھمکی، یہ اور اسی قبیل کے دوسرے اوصاف اسے بے انتہا ہر دلعزیز بنا دیتے ہیں۔ سرشار کی ظرافت جو فسانۂ آزاد

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی ضخیم جلدوں پر چنبیلی کے پھولوں کی طرح بکھری ہوئی ہے۔ خوجی کی ذات میں اپنے نقطۂ کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ اردو افسانے کو خوجی دے کر سرشار نے ایک ایسا کردار دے دیا جس کا ہر نیا مطالعہ ادبی بصیرت کے نئے باب کھولتا رہے گا۔ سرشار کی کمزوری یہ ہے کہ وہ بیل روداں کی طرح پھیل جاتے ہیں ان کی کہانی میں کوئی واضح اور منظم پلاٹ نہیں ملتا۔ ترتیب اور تنظیم کے لئے جس توجہ اور مستعدی کی ضرورت ہوتی ہے سرشار کے پاس اس کے لئے وقت ہی نہیں تھا۔ فسانہ آزاد صحیح معنیٰ میں ناول نہیں ہے۔ اس میں داستان کی شان زیادہ نمایاں ہے۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ وہ کئی ناولوں کا مجموعہ ہے۔ یہ سرشار کے فن کی کمزوری ہے لیکن اس سے قطع نظر فسانۂ آزاد میں زندگی کی جو مصوری ملتی ہے وہ اردو کے بہت کم ناولوں کے حصے میں آسکی ہے۔

سرشار بڑے زندہ دل آدمی تھے ان کی تحریروں میں زندگی کا رقص والہانہ ملتا ہے وہ بہت مزے لے لے کر ہنستے قہقہے لگاتے۔ داستان طرب سناتے چلے جاتے ہیں ان کی صحیح حیثیت ایک ادبی مصور اور ایک کامیاب طنز نگار کی ہے کہیں کہیں انھوں نے ناصح بننے کی بھی کوشش کی ہے لیکن یہ منصب سرشار کو زیب نہیں دیتا۔ سرشار کے فن نے اردو افسانہ نگاری کو صحیح معیار سے بہت قریب کر دیا ہے اور افسانے کی ترقی کی بہت سی راہیں کھول دیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

عبدالحلیم شرر

ناول نگاری کے سلسلے میں سرشار کے بعد شرر کا نام آتا ہے شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں گھر پر تعلیم پائی۔ سات آٹھ برس کا سن تھا کہ مٹیا برج کلکتہ میں ان کے والد نے انھیں اپنے پاس بلالیا۔ سلطان واجد علی شاہ کے ذوق ریاست اور نفاست پسندی نے مٹیا برج میں چھوٹے پیمانے پر لکھنؤ آباد کر دیا تھا علم و فن اور شعر و شاعری کی دلچسپیوں سے فضا معمور تھی۔ شرر نے یہیں ماہر فن اساتذہ سے عربی و فارسی اور مختلف علوم درسیہ حاصل کئے۔ ان کی ذہنی تربیت میں شہزادوں کی صحبت اور درباری ماحول کا بھی ہاتھ رہا۔ پندرہ برس کی عمر میں وہ اپنے نانا منشی قمر الدین کی جگہ ملازم دربار ہوگئے۔ اس ملازمت سے مولانا کو بڑے ادبی فائدے حاصل ہوئے انھیں خطوط کے اس ذخیرے کو دیکھنے کا موقع ملا جو سلطان واجد علی شاہ کے نام بیگمیں بھیجا کرتی تھیں۔ اور جو عاشقانہ عبارت آرائی اور حسن انشا کا بہت حسین و جمیل نمونہ ہوتے تھے۔ شرر نے خود لکھا ہے۔ "بہرحال میری انشا پردازی کا پہلا نصاب یہی تو دو نامے تھے جو ظاہری صورت اور باطنی رنگ عبارت دونوں حیثیتوں سے بہت ہی دلکش تھے۔" انیس برس کے سن میں وہ لکھنؤ آگئے اور مولوی عبدالحئی سے عربی کی کتب درسیہ ختم کیں۔ اسی دور میں ان کی شادی ہوگئی لیکن شادی سے ان کی تحصیل علم کے ذوق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ علم حدیث کی تکمیل کے لئے وہ دہلی چلے گئے اور اس دور کے مشہور محدث و عالم مولانا نذیر حسین کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ لکھنؤ واپس آنے کے بعد انھوں نے اپنے طور پر انگریزی پڑھنا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

شروع کی اور بقدر ضرورت اس زبان سے واقفیت حاصل کر لی۔ شرر کی ادبی زندگی کا آغاز صحافت کی راہ سے ہوا۔ منشی احمد علی کسمنڈوی کی صحبت میں انھوں نے بھی اخبارات میں مضامین لکھنا شروع کئے ۱۸۸۰ء میں منشی نولکشور نے انھیں اودھ اخبار کے اڈیٹوریل اسٹاف میں لے لیا۔ شرر زمانہ اور پبلک کے مذاق کے بڑے نباض تھے۔ انھوں نے لطیف خیال آرائی کو سادہ اور دلکش اسلوب بیان کے ساتھ کچھ ایسے قبول طبیعت انداز میں سمویا کہ پورے ملک میں ان کی مضمون نگاری کی دھوم مچ گئی اسی زمانے میں انھوں نے "محشر" کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا۔ محشر کے صفحات پر شرر کا اسلوب زیادہ نکھرے ہوئے انداز میں نمایاں ہوا اور بہت مقبول ہوا ناول نگاری کا سلسلہ بھی اسی دور میں شروع ہو گیا ۱۸۸۷ء میں انھوں نے اپنا مشہور ماہ نامہ "دلگداز" جاری کیا جو قفول کے ساتھ ان کی زندگی کے بعد بھی نکلتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حیدرآباد چلے گئے اور وہیں ۱۸۹۵ء میں وقار الامرا کے لڑکوں کے اتالیق کی حیثیت سے انگلستان گئے۔ جہاں انھوں نے فرنچ زبان سے واقفیت حاصل کر لی ۱۹۰۴ء میں مولانا حیدرآباد سے لکھنؤ واپس آ گئے اور باقی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں صرف کر دی۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

شرر بڑے ذہین، محنتی اور حوصلہ مند انسان تھے۔ قلم کی روانی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں صفحات پر مضمون نگاری کے دریا بہا دیئے۔ تاریخ، سوانح مذہب اصلاحی علمی ادبی مسائل، ادب لطیف ناول ان کی جولانیٔ قلم کا دائرہ بہت وسیع تھا مطالعہ وافر۔ حافظہ قوی اور قوت آخذہ بہت تیز تھی۔ بلا تکلف لکھتے اور خوب لکھ ڈالتے فکر کم کرتے تھے اور اس کا لحاظ نہیں رکھتے تھے کہ ادبی تخلیق

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

صحافی مشاقی تحریر کے معیار سے کہیں بلند درجے کی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف کا بیشتر حصہ صرف اپنے دور کی چیز ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں خیال کی راہیں وجدان کے نکہت زاروں سے ہو کر گزری ہیں قلم میں بلا کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ سوادِ وطن۔ باغِ آرزو۔ ٹوٹا ہوا کھنڈر بزمِ قدرت اعلیٰ پائے کے تخلیقی مضامین ہیں۔ ان کے بعض تاریخی مضامین اور تاریخی کتابیں تلاش و تحقیق امور خانہ کاوش و حسنِ فن کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔ عام طور سے شرر کی نثر بہت سادہ اور بے تکلف اظہارِ خیال کی شان سے بہرہ ور ہوتی ہے کہیں کہیں پھیکا پن اور بے نمکی بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔

شرر کو سب سے زیادہ امتیاز ایک ناول نگار کی حیثیت سے ہوا۔ نذیر احمد اور سرشار کے بعد وہی اس میدان کے سب سے بڑے شہسوار تھے انھوں نے ناول کی بیرونی ساخت میں مغربی فن کے اثرات کو زیادہ سلجھے ہوئے انداز میں نمایاں کیا۔ ان کے یہاں پلاٹ کا واضح تصور ملتا ہے اور واقعات کی ترتیب میں نظم و ربط کی باقاعدگی نظر آتی ہے۔ مناظر کی مصوری بھی بڑے دلچسپ انداز میں کرتے ہیں۔ اردو میں تاریخی ناول نگاری کی بنا رکھنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ ان کی ناولوں نے تاریخ اسلام کے بہت سے اہم اور نتیجہ خیز واقعات کو رومانوی تخلیق کا رنگ دے کر عام معلومات کے دائرے میں پہونچا دیا۔ شرر نے فخر ماضی کے اس احساس کو عوامی مقبولیت دے دی، جسے شبلی نے بلند آہنگ علمیت و تاریخیت کے ساتھ شروع کیا تھا۔ شرر کی ناولوں میں بعض بڑی زبردست قسم کی کمزوریاں ہیں کردار نگاری کا انھیں کوئی خاص سلیقہ نہیں۔ مکالمے کہیں کہیں بالکل بے جان ہو جاتے ہیں۔ ناول نگاری بعض اوقات واقعہ نویسی بن جاتی ہے۔ لیکن ان تمام نقائص کے باوجود شرر کی ادبی حیثیت اور خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ان کی بعض ناولیں فن کا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بہت اچھا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ فردوس بریں، ایک زندہ جاوید افسانوی تخلیق ہے۔ منصور موہنا۔ ایام عرب۔ زوالِ بغداد۔ فلورا فلورنڈا۔ بھی بڑے دلچسپ مطالعے کی چیزیں ہیں۔ انھوں نے اصلاحی اور سماجی ناول بھی لکھے۔ اس ضمن کی کتابوں میں طاہرہ اور حسن کا ڈاکو خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

شرر کی بعض اہم تصانیف یہ ہیں۔ تاریخ اسلام۔ تاریخ سندھ۔ تاریخ ارض مقدس۔ فردوس بریں۔ طاہرہ، حسن کا ڈاکو۔ ایام عرب۔ زوالِ بغداد۔ منصور موہنا۔ فلورا فلورنڈا۔ عاشقانہ خیالی تاریخی اور علمی مضامین کے وہ مجموعے جنھیں شیخ مبارک علی نے کئی جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔

منشی سجاد حسین

ولادت ۱۸۵۶ء وفات ۱۹۱۵ء

اُردو کے مشہور مزاحیہ اخبار اودھ پنچ کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین نے افسانوی ادب میں ایک نئے رنگ کا اضافہ کیا۔ وہ بڑے ذہین، زبان و بیان کے درد بست کے بڑے ماہر اور بڑے ظریف طبیعت انسان تھے۔ انھوں نے دلچسپ قصہ خیز انداز میں ناولیں لکھ کر۔ افسانوی ادب میں ظریفانہ رنگ کا ایک حسین امتزاج پیدا کر دیا۔ سجاد حسین کی نگاہ حماقت، سادہ لوحی اور مسخرے کے مناظر کی تلاش ماہرانہ گیرائی کے ساتھ کرتی ہے اور لکھنؤ کی ستھری دلکش زبان میں ان مناظر کی قصہ خیز سونے پر سہاگہ بن جاتی ہے۔ ان کا مشہور ناول "حاجی بغلول" فنی حیثیت سے بہت دلچسپ چیز ہے اس ناول میں بہت جاندار کردار نگاری ملتی ہے۔ سرشار کے خوجی کے بعد سجاد حسین کا حاجی بغلول مسخرگی کا سب سے زیادہ دلکش پیکر پیش نگاہ کر دیتا ہے۔ حاجی بغلول کے علاوہ طرحدار لونڈی۔ کایا پلٹ، میٹھی چھری۔ احق الذین وغیرہ انکی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بہت دلچسپ ناول ہیں۔ سجاد حسین کی کوششوں نے اودھ پنچ کو اپنے دور کا ایک معرکۂ آرا اخبار بنا دیا تھا۔ اودھ پنچ کی بدولت جدید اُردو ادب کو بعض چوٹی کے ارباب فن میسر آگئے۔ اکبر الہ آبادی کی ظرافت کا سطح ظہور اودھ پنچ ہی تھا۔ ادب کی تاریخ میں سجاد حسین کی صحافتی خدمات ناقابلِ فراموش حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔

محمد ہادی رسوا

اُردو ادب کی تاریخ میں رسوا کے ساتھ اعلیٰ معیار کی تخلیقی روایت وابستہ ہے۔ رسوا کے فن نے افسانہ نگاری کی ایک نئی راہ قائم کی۔ مرزا محمد ہادی نام رسوا تخلص تھا۔ ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے خاندان میں بہت ستھرے قسم کا علمی ماحول تھا۔ مرزا صاحب نے فارسی کی درسی کتابوں کے علاوہ حساب۔ نجوم اور اقلیدس وغیرہ کے علوم بھی اپنے والد سے حاصل کئے، بعد میں بڑے شوق و محنت سے عربی کی تحصیل کی انٹرنس کا امتحان پرائیوٹ پاس کیا۔ پھر رڑکی سے اوورسیری کا امتحان پاس کیا۔ بلوچستان میں کچھ دنوں ریلوے میں ملازمت بھی کی۔ لیکن علمی ذوق نے بہت جلد یہ راہ ترک کرا دی۔ لکھنؤ واپس آگئے۔ اور اب کیمسٹری کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا لندن سے اس کے لیے ضروری سامان بھی منگوائے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیوٹ بی، اے کا امتحان پاس کر لیا۔ اور امریکہ کی اورنٹیل یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ بلوچستان سے لکھنؤ لوٹ کر پہلے نخاس مشن اسکول میں فارسی کے مدرس ہو گئے تھے پھر کرسچین کالج لکھنؤ اور شیعہ کالج لکھنؤ کے اسٹاف میں رہے۔ اخیر عمر میں دار الترجمہ عثمانیہ میں تقرر ہو گیا تھا۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۱ء کو انتقال ہوا۔

رسوا کی ذہانت۔ قابلیت، وسعت مطالعہ اور نظر کی گہرائی پر حیرت ہوتی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہے فلسفہ ان کے خاص مذاق کی چیز تھی۔ طبیعات سے بھی خاصا شغف پیدا کر لیا تھا۔ ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔ عربی۔ عبرانی۔ انگریزی۔ ہندی اور سنسکرت وغیرہ زبانوں پر اچھا خاصا عبور تھا۔ مرزا کی ہمہ دانی بمشکل ہی کسی دوسرے ادیب کے یہاں ڈھونڈی جا سکتی ہے۔ فلسفی۔ منطقی ریاضی داں۔ اور ماہر السنہ ہونے کے ساتھ ساتھ مرزا رسوا اچھے پائے کے شاعر بھی تھے۔ اور صاحبِ فن ادیب بھی۔ پوری زندگی تصنیف و تالیف کی نذر رہی بلا کے خود دار۔ مزاج کے مستغنی اور خیال کی دنیا میں مست مگن رہنے والے تھے۔ طبیعت میں ایک قسم کی لاپرواہی بھی آ گئی تھی جو لکھا خود اس کی قدر نہ کی۔ کلام کا بیشتر حصہ ایسا منتشر ہوا کہ اب اوراقِ پریشاں کو جمع کرنا کارے دارد کی چیز ہے۔ نثر میں رسوا کی جولانی قلم فلسفہ۔ مذہبیات۔ طبیعات غرض مختلف موضوعات پر رہی۔ لیکن ادبی نقطۂ نظر سے ان کا خاص امتیاز ایک ناول نگار کی حیثیت سے ہے۔ ذات شریف، شریف زادہ، انشائے ناز اور دوسری ناولیں ان کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ لیکن ناول کی دنیا میں زندۂ جاوید امتیاز حاصل کرنے والی ان کی تصنیف "امراؤ جان ادا" ہے۔ رسوا نے اپنے دور کے مزاج کے خلاف ناول نگاری کو سنجیدگی اور وقار کے اعلیٰ معیار پر پہونچا دیا۔ رسوا کو وہ نظر ملی تھی جو انسانی فطرت کے گہرے نفسیاتی مطالعے کا وقت طلب فریضہ بڑے حسن اور رچاؤ کے ساتھ انجام دے لیتی ہے۔ سنسنی خیزی۔ خون کو تیزی سے حرکت میں لانے والے حادثات اور شکوہ بیان کی خاطر لفظی بازی گری سے رسوا کو دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا۔ ان کے فن کی دنیا میں مشاہدات و تجربات گہری فکر کی آنچ میں تپ کر بہت ہی سلونا اور سجل روپ اختیار کرتے ہیں۔ اور پختہ نگاری کی شان سے سطحِ ظہور پر آتے ہیں۔ رسوا نے عام زندگی کے واقعات کو فنکارانہ حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کرنے کا ایک خاص

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سلیقہ پیدا کر دیا۔ وہ اپنے پلاٹ کے لیے شہروں شہروں کی خاک نہیں چھانتے۔ ان کے زیادہ تر افسانے سوادِ لکھنؤ سے متعلق ہیں۔ رسوا کے یہاں مختلف طبقات کی زندگی کی مصوری ہے۔ اور فنی چابک دستی کا عمل ہر جگہ یکساں زور و قوت کے ساتھ سرگرم کار رہتا ہے۔ رسوا فن کا بہت واضح اور روشن شعور رکھتے تھے۔ انھوں نے جگہ جگہ اپنے اصول بھی بیان کر دیئے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بڑی خوبی سے اپنے اصولوں کو برتا ہے۔ رسوا کا اسلوبِ نگارش پر تاثیر سادگی کا حیرت انگیز نمونہ ہے لکھنؤ کی ٹکسالی زبان پر رسوا کے فلسفیانہ ذہن کا عمل اتنا حسین اور لطیف ہوا کہ اس میں موقع اور محل کے لحاظ سے بھرپور اظہار کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اس طرزِ تحریر کا اثر یہ ہے کہ ان کے یہاں سماں بندھ جاتا ہے۔ دل میں نغمۂ جاں نواز بن کر اتر جانے والی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ رسوا کی نثر نگاری ادبی حیثیت سے بڑی جوہر دار روایات کی حامل ہے۔

رسوا کا فن امراؤ جان ادا میں نقطۂ کمال پر پہونچ گیا ہے مختصر یہ ایک طوائف کی آپ بیتی ہے۔ لیکن اس آپ بیتی میں گہرے نفسیاتی مطالعے کا وہ انداز جذبات کی لطیف مصوری کی وہ شان، ماحول کی سماں کشی کی وہ کیفیت، عبرت کے وہ دلدوز مناظر اور سخن دل کی پذیرائی کا وہ حسین اہتمام ہے کہ یہ تصنیف اردو کے افسانوی ذخیرے کی ایک شاہکار ادبی تخلیق ہو گئی ہے۔ رسوا نے افسانہ نگاری کے فن کو مغرب کی غیر تخلیقی تقلید کے بندھنوں سے آزاد کر دیا۔ امراؤ جان ادا اس کی روشن مثال ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

راشد الخیری

ولادت ۱۸۶۶ء — وفات ۱۹۳۶ء

نذیر احمد نے قصوں کے ذریعے اصلاح معاشرت کی جو ادبی راہ نکالی تھی راشد الخیری نے اسے خصوصی توجہ اور انہماک کے ساتھ اپنا لیا۔ قدیم مشرقی شرافت کی وہ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ہندوستان کے طرز معاشرت کی خوبیوں سے انھیں دلی شغف تھا۔ مغرب کی تقلید اور فیشن پرستی سے انھیں تنفر تھا۔ زندگی کے موتی انھیں حیا کے پسینے کی بوندوں میں نظر آتے تھے۔ انھوں نے عورتوں کی زندگی کو اپنے افسانوں کا خصوصی موضوع بنایا اور عورتوں کی اصلاح و ترقی اور خانگی زندگی فلاح درستی کے لیے قلم کی قوتیں وقف کر دیں مسلمانوں کے متوسط گھرانوں کی معاشرت طور طریق، بول چال اور گھریلو قضیوں کے مناظر کی بڑی دلکش تصویر ان کے یہاں ملتی ہے۔ مغربیت ایک سیلاب بن کر مشرقی جوہر شرافت کو بہائے لیے جا رہی تھی یہ نظارہ راشد الخیری کے سینے میں درد و حسرت کی چیخ بن کر ابھرتا ہے۔ ان کے قصوں میں عام طور پر غم انگیز ماحول ملتا ہے۔ جو بعض اوقات اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ تصور کانپنے لگتا ہے۔ وہ مصور غم کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انھیں جذبات بالخصوص عورتوں کے جذبات کی مصوری میں زبردست کمال حاصل ہے۔ لیکن بعض اوقات غم و حسرت کے رنگ اس قدر تیز اور نقطوں کے زور سے اتنے گہرے ہو جاتے ہیں کہ نفس واقعہ سے انھیں کوئی ربط نہیں رہتا۔ راشد الخیری کے یہاں تبسم، خندہ جبینی اور شادمانی کے مناظر ناپید ہیں۔ نذیر احمد کے مقابلے میں ان کا دائرہ محدود تھا۔ ان کے یہاں فن کی وہ چابکدستی بھی نہیں ہے۔ جس نے نذیر احمد کو زندگی کا بہت کامیاب ترجمان نقاد اور مصلح بنا دیا۔

راشد الخیری کی تصانیف نے گھر میں بیٹھنے والی عورتوں کی شائستہ تعلیم

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پیدائش ۱۸۸۰ء

پریم چند

وفات ۱۹۳۶ء

اُردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں پریم چند غیر فانی عظمت اور لازوال شہرت کے مالک ہیں۔ انھوں نے ایک عہد آفریں شان کے ساتھ افسانے کے میدان میں قدم رکھا اور ادب و زندگی کے رابطے کو زبردست فنی مہارت کے ساتھ نمایاں کر کے اُردو افسانہ نگاری میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کی تصنیفوں میں فکر کی دلسوزی۔ خلوص اور سچی انسانی تڑپ ایک موثر انداز میں جلوہ گر ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ اُبھرنے والے انقلابی تصوراتِ زندگی کو پریم چند نے فکر کے مجتہدانہ عمل سے بہت دلکش ادبی روپ دے دیا ہے۔ ان کے فن پاروں میں ہمارا پورا سماج نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے پریم چند انسانی فطرت کے بڑے گہرے نباض تھے۔ زندگی کا وہ بہت بلند اخلاقی تصور رکھتے تھے۔ انھیں ہندوستان کی تہذیب سے محبت تھی۔ جہالت، تنگ نظری تعصب اور بے جان رواج پرستی کے وہ شدید مخالف تھے۔ وہ حب الوطنی کے جذبے سے معمور اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے سچے خواہاں تھے۔ انھوں نے فن کے تقاضوں کا پورا لحاظ کرتے ہوئے بڑی حسن کاری اور چابکدستی کے ساتھ آرٹ کو زندگی اور اصلاح کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ ہمارے زمانے میں جو برائے زندگی کا نظریہ بیشتر حالتوں میں سطحی قسم کے پروپیگنڈا لٹریچر کی پیداوار بن گیا ہے۔ پریم چند کا آرٹ صحیح منزل کی رہنمائی میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پریم چند نے ناولیں بھی لکھیں اور مختصر کہانیاں بھی۔ افسانے کی تکنیک پر حاکمانہ عبور حاصل تھا۔ زندگی کے عام واقعات سے وہ بہت خوبصورتی کے ساتھ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پلاٹ اخذ کر لیتے ہیں۔ پریم چند کا خاص میدان دیہاتی زندگی تھی۔ انھوں
بظاہر اس سادہ سپاٹ غیر دلکش زندگی میں اپنے گہرے مطالعے اور زبردست
مصورانہ کمال سے نفسیات کی ایک دنیا نمایاں کر دی ہے۔ پریم چند کے مرقع
انسانی زندگی کے مختلف پہلو گہرے حسن آفریں اثر کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں
ان کے افسانوں میں فطری سادگی اور بے ساختگی ہے۔ واقعات از خود پیدا
ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی تکلف کے خوشگوار ترتیب کی لڑی میں پرو جاتے ہیں
پریم چند نے مکالموں کو بلند فنی مہارت کے ساتھ برتا ہے۔ ان کے مکالمے
کرداروں کی سیرت۔ بڑے لطیف اور دلکش انداز میں نمایاں کرتے ہیں۔
میں موقع و محل کا پورا لحاظ اور جذبات و خیالات کی پوری رعایت ہوتی
انھوں نے موثر طریقوں سے ہندوستانی تہذیب کی روحانی عظمت کو اُجاگر
کے روشن پہلو ان کے افسانوں میں موتیوں کی طرح پڑے دمکتے ہیں
کی زبان کا خاص وصف پر تاثیر سادگی ہے۔ وہ ستھری رواں اور
لکھتے ہیں۔ انھیں ہندی اور اُردو دونوں پر یکساں قدرت تھی
میل ملاپ سے انھوں نے اپنی تحریر میں بلا کی لچک، مٹھاس
ہے۔

پچیسی۔ پریم بتیسی۔ پردۂ مجاز۔ گئودان۔ واردات، بیوہ۔ زاد
نیف ہیں۔

علی عباس حسینی

کے افسانہ نگاروں میں علی عباس حسینی نے ایک خاص امتیا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization: eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ہے۔ حسینی بہت ستھرا علمی مذاق رکھتے ہیں۔ انھوں نے عوامی زندگی کا گہری
نظر سے مشاہدہ کیا ہے اور ادبی دلکشی کے ساتھ سماجی مسائل کو موضوع فن بنا
لیتے ہیں۔ ان کی طبیعت فطری طور پر افسانہ نگاری کے لیے موزوں ہے۔ وہ
اپنے افسانوں میں اپنے کرداروں کی سیرت نمایاں کرتے ہیں اور جزئیات کی
مصوری سے کہانی میں دلکشی پیدا کر دیتے ہیں۔ حسینی کے قلم نے یو۔پی کی
دیہاتی زندگی کے بھرپور مرقعے پیش کئے ہیں۔ وہ اپنے اصلاحی مقصد کو فنی کمال
کے ساتھ کہانی کے رگ وریشے میں پیوست کر دیتے ہیں۔ ان کی زبان بامحاورہ
عام فہم اور موقع و محل کے لحاظ سے پر تاثیر اور جذبہ انگیز ہوتی ہے۔ وہ ہندی
کے نرم اور شیریں الفاظ بڑی مہارت سے برتتے ہیں۔ ان کے مزاح میں ذہن کی
شگفتگی کا ایک نکھرا ہوا لطیف رنگ ملتا ہے۔ جو تحریر میں چاشنی اور نکھار پیدا کر دیتا ہے
حسینی اُردو ادب پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف "ناول
کی تاریخ و تنقید" اپنے موضوع پر بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز مطالعے کی چیز ہے۔
حسینی کے افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جدید افسانہ نگاری
میں ان کی انفرادیت بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

سجاد حیدر یلدرم

ولادت ۱۸۸۰ء — وفات ۱۹۴۱ء

یلدرم نے خیال کی رنگینی و لطافت اور زبان کی شاعرانہ سحر طرازیوں
سے افسانوی فن میں ادب لطیف کا رنگ بہت اُجاگر کر دیا۔ انھیں ترکی زبان سے
بے حد شغف تھا اور انھوں نے اعلیٰ پایہ کی تخیلی جدت اور معنویت کے ساتھ ترکی
افسانوں کو اُردو کا قالب عطا کیا۔ ان کی اختیار پسند طبیعت نے لطافت بیان

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کے لیے نئی نئی ترکیبیں موثر ذہنی صنعت گری کے ساتھ ایجاد کیں۔ یلدرم
اور بچنل تصنیف کی شان رکھتے ہیں۔ یلدرم کے افسانوں میں گہرے اور نا
جذبات کی بہت خوبصورت نفسیاتی تحلیل ملتی ہے۔ کردار کے کوشہ زا پہلو
ڈوب کر مطالعے کے لطیف نکتے اُبھار دینے کا انھیں خاص ملکہ حاصل ہے
قلم کی لطیف اور سحر طراز جنبشوں سے ایک فضا تیار کر دیتے ہیں۔ جس میں ف
کے لیے وجد، رقص، انبساط کے خزانے بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یلدرم
ادب لطیف کو مذاق کی فلسفیانہ شائستگی اور زندہ توانا گرمی قلب کے ساتھ
ہے۔ ان کی مشہور تصنیف "خیالستان" اپنے طرز کی ایک بہت اعلیٰ تصنیف

کرشن چندر

نئے افسانہ نگاروں میں کرشن چندر کے فن کو زبردست مقبولیت حاصل
ہوئی ہے کرشن چندر نے خیال و بیان کی لطیف رعنائیوں کے ساتھ اپنی انفرادیت
کو افسانہ کے پیکر میں نمایاں کیا ہے۔ زندگی کی تلخی پر ان کی نگاہ بہت گہری پڑتی ہے۔
وہ فکر انگیز انداز میں موجودہ سماجی کشمکش کی مصوری کرتے ہیں۔ ان کے فن میں انسانی
زندگی اور سیرت کے مختلف پہلو اثر آفرینی مقصدیت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں منظر نگاری
میں کرشن چندر کو خاص کمال حاصل ہے۔ وہ شاعرانہ رنگین بیانی کے ساتھ مظاہر فط
کی مصوری کرتے ہیں اور اپنے قلم کی لطیف جنبشوں اور دلکش عبارت آرائی سے ایک
سماں پیدا کر دیتے ہیں۔ کردار نگاری میں وہ نفسیاتی تجزیے کا بہت اہتمام کرتے
ہیں۔ کرشن چندر ترقی پسند تحریک کے ایک سرگرم رکن ہیں۔ تنگ نظر سماج کے
ظلم۔ ناانصافی، جھوٹی مذہب پرستی کی حیوانیت اور سرمایہ دارانہ نظام

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی کاروباری خود غرضی کو انھوں نے اپنے فن میں رومان و حقیقت کی دلکش آمیزش حسین ادبی آرائشوں کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ کرشن چندر کے ادبی کارناموں نے جدید اُردو افسانے کو ترقی کی راہ پر بہت آگے بڑھا دیا۔ ان کے مشہور ناول "شکست"، نفسیاتی کردار نگاری، حسن آفریں خیال آرائی اور قدامت پرست سماج کے مظالم کی عبرت انگیز مصوری کا ایک حسین ادبی شاہکار ہے۔ تقسیم ہند کے بعد رونما ہونے والی سفاکانہ خوں ریزیوں پر کرشن چندر کی افسانوی تخلیق "ہم وحشی ہیں" ایک یادگار کارنامہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

اُردو ادب کے اس مختصر تاریخی جائزے میں نئے دور کے تمام ممتاز افسانہ نگاروں کے فن کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے دور میں شاعری کے بعد سب سے زیادہ توجہ افسانہ پر صرف ہوئی ہے۔ اور لکھنے والوں کی ایک خاصی تعداد پیدا ہو گئی ہے۔ جس نے مغربی اثرات اور نئے ادبی و نفسیاتی رجحانات کی روشنی میں، افسانوی ذخیرے کو نمود و امتیاز کے ساتھ مالا مال کیا ہے۔ اوپندر ناتھ اشک۔ راجندر سنگھ بیدی۔ دیوندر ستیارتھی۔ سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد عباس۔ حیات اللہ انصاری۔ عصمت چغتائی۔ عزیز احمد اور قرۃ العین حیدر کے نام خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

طنز و مزاح

فرحت اللہ بیگ

ولادت ۱۸۸۶ء — وفات ۱۹۴۶ء

مرزا فرحت اللہ بیگ ان چند ادیبوں میں تھے جنھوں نے دہلی کی باحیا دارہ

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ٹکسالی زبان کو بھرپور ادبی وقار کے ساتھ برتا ہے۔ فرحت اللہ بیگ بہت خوش مذاق آدمی تھے۔ شگفتگی اور لطافت ان کی طبیعت میں امتیاز کے ساتھ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کا مزاج لطیف، تبسم کے مواقع بہت خوشگوار انداز میں پیدا کرتا ہے فرحت اللہ کی تحریریں شوخیٔ طبیعت کے شائستہ رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بیان پر انھیں زبردست قدرت حاصل ہے۔ وہ تفصیل میں بھی حسنِ بیان اور انشاء کی لطافت پوری آب و تاب کے ساتھ برقرار رکھتے ہیں۔ اور بڑے مزاج اور ظرافت کے پہلو نکالتے جاتے ہیں۔ زبان پر فرحت اللہ بیگ کو بلا کی قدرت حاصل ہے۔ وہ محاورات کو بڑی مشاقی اور لطافت کے ساتھ اپنی تحریروں میں کھپاتے ہیں۔ فرحت اللہ الفاظ کی دلکشی۔ بیان کی روانی اور لطیف شگفتہ نگاری سے ایک عالم پیدا کر دیتے ہیں۔ جس میں طبیعت کو حقیقی انبساط حاصل ہوتا ہے۔

ان کا مشہور مضمون "دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ"، جو اب کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ اُردو ادب میں اپنے طرز کی بہت بلند پایہ چیز ہے۔ اس میں دہلی مرحوم کے شاعروں کی معاشرت، انداز طبیعت، مشاعروں کے آداب غرض دہلی کی ادبی زندگی کی بہت جاندار روشن اور فکر انگیز تصویر ملتی ہے۔

پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم آج سے سو برس پہلے غالب اور مومن کے آداب آفریں ماحول میں پہونچ گئے ہیں۔ اور ذہنی لطافتوں کے منظر یکے بعد دیگرے نگاہ و دل کی تواضع کر رہے ہیں۔

ان کا مشہور مضمون "ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی اور کچھ میری زبانی" اعلیٰ معیار کی تصنیفی شان رکھتا ہے۔ فرحت اللہ کے شگفتہ نگار قلم نے اپنے استاد کی سیرت و شخصیت کی اتنی دلکش تصویر کھینچی ہے کہ پڑھنے والا بے اختیار وجد کرتا ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

پطرس

جدید اُردو ادب کے مزاح نگاروں میں پطرس کا نام ایک خاص امتیاز رکھتا ہے پطرس انگریزی کے ایک اچھے ادیب تھے انھوں نے مغربی طنز و مزاح کا بہت گہرا مطالعہ کیا اور دلکش فنی چابکدستی کے ساتھ انگریزی اثرات کو اپنے اُردو کے مزاحیہ مضامین میں نمایاں کیا، پطرس واقعات کی عکاسی ایسے فطری انداز میں کرتے ہیں کہ بے ساختگی کے ساتھ مزاح کا پہلو اُبھر آتا ہے پطرس کے افسانوں میں انسانی سیرت کا بہت گہرا نفسیاتی مطالعہ ملتا ہے۔ ان کی کردار نگاری بڑے معیار کی ہوتی ہے۔ اور فن کی نازک صناعی کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتی ہے پطرس کے فن میں تمسخر اور مضحکہ کو دخل نہیں۔ وہ بڑی ہمدردی کے ساتھ زندگی کے مزاح انگیز پہلوؤں کی مصوری کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کے لیے شائستہ تبسم کا سامان فراہم کر دیتے ہیں۔ پطرس کے پلاٹ پیچیدہ نہیں ہوتے۔ سامنے کی باتوں کو لے کر فنکارانہ برتاؤ سے وہ ان میں حسن و دلکشی کے پہلو بڑی خوبصورتی سے پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، رواں اور دلکش ہوتی ہے۔ شگفتگی اور بشاشت ان کے اسلوب بیان میں زور اور تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ اُردو کی بدنصیبی ہے کہ پطرس نے بہت کم لکھا ہے۔ ان کے مضامین کا ایک مختصر مجموعہ شائع ہو چکا ہے چند مضامین اس کے علاوہ بھی انھوں نے لکھے ہیں۔ یہ ہے پطرس کی کل کائنات تخلیق۔ لیکن جدید مزاحیہ ادب میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

رشید احمد صدیقی

ولادت ۱۸۹۵ء

ہمارے مزاح نگاروں میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا انداز بہت بلند انفرادی امتیاز رکھتا ہے۔ انھوں نے طنز کو اعلیٰ مہارتِ فن کے ساتھ زندگی کی تنقید کے لیے بھی برتا ہے اور اصلاح کے لیے بھی۔ ان کا طنز اس قدر جاندار اور بھرپور ہوتا ہے کہ دل و دماغ پر اس کے نمٹنے والے اثرات قائم ہو جاتے ہیں رشید صاحب کا انداز گہرے طور پر علمی ہے۔ ان کے مزاح کو سمجھنے اور صحیح طور پر اس سے لطف اٹھانے کے لیے مطالعہ اور نظر کی ضرورت ہے۔ تاریخ، فارسی اور اردو شعر و ادب۔ جدید علوم و فنون، علمی اور وطنی سیاست انسانیت کی تہذیبی و تمدنی روایات پر ان کی نگاہ بڑی سرعت اور بڑے بھرپور انداز میں فکر و خیال کے بہت وسیع دائرے میں پھر جاتی ہے۔ بہت بے تکلفی سے باتوں باتوں میں لطیف رمز و کنایہ کے انداز سے وہ زندگی کے انبساط خیز پہلوؤں کی مصوری کرتے جاتے ہیں اور فکر انگیز نکتے ابھارتے جاتے ہیں۔ معمولی سے معمولی موضوع پر بھی ان کی لطافت فکر اعلیٰ ذہنی تفریح کا سامان فراہم کر دیتی ہے۔ رشید صاحب کا انداز بیک وقت فلسفیانہ بھی ہے اور لطیف بھی فلسفے کی خشکی کا ان کے یہاں گزر نہیں اور لطافت کبھی بے محابا قہقہہ بننے نہیں پاتی۔ یہی ان کے فن کا کمال ہے ان کی زبان حسین ادبی آرائشوں سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ اور ذہن کی رچی ہوئی شائستگی کو بڑے نکھرے ہوئے انداز میں نمایاں کرتی ہے۔ مزاحیہ مضامین کے علاوہ رشید صاحب نے شعر و ادب پر بلند پایہ تنقیدیں بھی لکھی ہیں۔ مزاحیہ ادب پر ان کا تحقیقی و تنقیدی مقالہ "طنزیات و مضحکات" سیر حاصل تاریخی جائزہ اور بلند متوازن تنقیدی معیار کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش نگاہ کر دیتا ہے۔ ان کے سوانحی مضامین کا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

مشہور مجموعہ "گنجہائے گراں مایہ" ادبی حلقوں میں غیر فانی امتیاز حاصل کر چکا ہے۔ "آشفتہ بیانی میری" اور "ہمنفسان رفتہ" ان کی حال کی تصانیف ہیں۔

شوکت تھانوی

پچھلے پچیس تیس برس کے عرصہ میں، شوکت تھانوی کے مزاح نگار قلم نے ہمارے مزاحیہ ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اثر آفریں انداز میں، ہنسنا ہنسانا ایک فن ہے اور شوکت کو اس فن کا اچھا سلیقہ حاصل ہے۔ زود نگاری ان کا ایک ممتاز وصف ہے۔ وہ معمولی باتوں اور روزمرّہ کے عام واقعات کو بڑے ظریفانہ اور لطف خیز انداز میں پیش کرتے ہیں۔ رسم و رواج، سماجی کمزوریوں اور انسانی برتاؤ کے مضحکہ خیز پہلوؤں پر ان کے یہاں بہت دلچسپ تبصرے ملتے ہیں۔ شوکت کی زبان عام فہم رواں اور تکلفات سے پاک ہوتی ہے، ان کے خیال و بیان دونوں میں بے ساختگی کی ایک دلکش نمود ملتی ہے، وہ واقعات کو ایسی ترتیب سے اور ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ سنجیدہ سے سنجیدہ آدمی بھی تبسم بہ لب ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے یہی ان کے فن کی کامیابی کا راز ہے اور اسی لیے ان کی تحریروں کو زبردست عوامی مقبولیت حاصل ہوئی ہے "سودیشی ریل" "دل پھینک" "بڑھیس" "طوفان تبسم" "سیلاب تبسم" ان کی چند مشہور کتابیں ہیں۔ ان کی تصانیف میں "شیش محل" کو نمایاں امتیاز حاصل ہے۔ شیش محل میں شوکت نے اپنے احباب و شناساؤں کی سیرت پر بڑے دلچسپ اور لطف انگیز انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔

کنہیا لال کپور

طنز و مزاح کو کنہیا لال کپور نے تنقید زندگی کا تعمیری مقصد کے لئے واضح

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ادبی انفرادیت کے ساتھ برتا ہے۔ کپور کے مشاہدۂ فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سیاسی۔ سماجی۔ ادبی۔ غرض زندگی کے مختلف گوشوں پر ان کی نظر پڑتی ہے اور وہ فنی صناعی و حسن کاری کے ساتھ نشتر طلب پہلوؤں کو اجاگر کر دیتے ہیں، کپور کے فن میں آمد و بے ساختہ پن کا جوہر بہت نمایاں رہتا ہے، وہ بہت بے لاگ اور اپنے طرز خاص میں بھرپور انداز میں لکھتے ہیں، کپور نے فن و کمال کے ساتھ طنز نگاری کی راہ میں اپنی ذہنی انفرادیت کو نمایاں کیا ہے۔ "اردو افسانہ نویسی کے چند نمونے" اور "غالب جدید شعراء کی ایک مجلس میں" کپور کے ان مضامین میں ہیں جو ان کے اسلوب مزاح نگاری کے حقیقی جوہر کو پورے طور پر نمایاں کر دیتے ہیں۔ کپور بہت سادہ رواں اور شستہ ادبی زبان لکھنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں ان کے آرٹ پر عزیز احمد کا تبصرہ بہت جامع ہے۔ عزیز احمد لکھتے ہیں "ترقی پسند تحریک نے صرف ایک اچھا ظریف اور مزاح نگار پیدا کیا ہے۔ کنھیا لال کپور۔ ان کی مضحک نگاری میں جو قوت ہے وہ سنجیدہ سے سنجیدہ تنقید اور سخت سے سخت تنقید میں نہیں"

"سنگ و خشت" "چنگ و رباب" "نوک نشتر" اور "شیشہ و تیشہ" ان کے افسانوں اور مضامین کے مشہور مجموعے ہیں۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اُردو زبان و ادب کا مستقبل

اُردو زبان کی پیدائش، ترقی و توسیع اور ادب کے فروغ و استحکام کا جو جائزہ ہم نے پچھلے صفحات میں لیا ہے وہ تشنہ رہ جائے گا اگر ہم اُردو زبان و ادب کے مستقبل پر نگاہ کئے بغیر اس جائزہ کو ختم کر دیں۔ اُردو زبان و ادب کے مستقبل کا سوال آسان نہیں، خاصا پیچیدہ سوال ہے اور طرح طرح کی پریشانیاں اور ذہنی اُلجھنیں اُس کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں۔ سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ یہ سوال لسانی اور تہذیبی حیثیت سے کم اور سیاسی سطح سے زیادہ قابلِ غور بنایا گیا ہے اس لئے اس پر غور و فکر اُس ٹھنڈے دل و دماغ سے نہیں ہوا ہے جو سکون و سنجیدگی کے عالم میں ممکن ہو سکتا ہے۔ سیاسی ہیجان کے پس منظر میں یہ سوال کچھ ایسے انداز میں پیش کر دیا گیا ہے کہ معاملہ کی اصل حقیقت سے ناآشنا حضرات بے تکلف اُردو کے لئے بزن کا حکم لگا دیتے ہیں اور جو لوگ صحیح حیثیت سے باخبر ہیں وہ اپنے آپ کو بے بسی کے ماحول میں پاتے ہیں، اگر بات صرف اس قدر ہوتی کہ ہندوستان جہاں بہت سی زبانیں سمجھی اور بولی جاتی ہیں، ایک زبان جو زمانے کا ساتھ نہیں دے رہی ہے نگاہِ توجہ سے گرا دی جائے تو کوئی خاص پریشانی نہ ہوتی تغیر پذیر دنیا میں نقوشِ کہن برابر مٹتے رہتے ہیں، اور آب و رنگ کے نئے نئے سامان برابر پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن اُردو کا معاملہ نہ ایک ایسی زبان کا ہے جو مر چکی ہو اور اُسے کسی مسیحِ وقت کے فیضانِ لب سے زندہ کرنے کی کوشش

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی جارہی ہو اور نہ وہ کوئی ایسی زبان ہے جو زندگی کے دور میں بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے رہی ہو اور کرم و عنایت کے بل بوتے پر اُسے رفتارِ زمانہ سے پالستہ رکھنے کی تدبیریں کی جارہی ہوں۔ اُردو ایک زندہ زبان ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں انسان اپنی سماجی زندگی میں اس کو برتتے ہیں۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں اُس کے اخبارات و رسائل چھپتے ہیں۔ اُس کے شاعروں کی زمزمہ سنجیاں فضائے ہند کو آج بھی گرمائے ہوئے ہیں اور اُس کے مفکروں و ادیبوں کی متاعِ فکر و نظر آج بھی ملکی زندگی کے فروغِ ارتقا میں حوصلہ مندی کے ساتھ معاون ہے۔ اس مظلوم زبان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وقت سے پہلے مصنوعی ذرائع سے اس پر موت طاری کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ چند دلوں میں وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ جائے اور یوں طفیلِ غمزۂ جانستاں زندگی کے میدان سے بے دخل کر دی جائے۔

ہندی اور اُردو کا جھگڑا تقسیمِ ہند سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بیج انگریزی سیاست کی چالبازیوں نے آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی ڈال دیئے تھے۔ انگریزی سیاست کا سارا دارومدار اسی پر تھا کہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کے سارے سوالات اُن کے اقتدار کی مصلحتوں کی مناسبت سے اُٹھیں یا کھڑے کیے جائیں۔ اور اس طرح ہندوستانی زندگی کا کوئی واضح اور روشن تصور اُبھرنے نہ دیا جائے۔ ہمارے پاس اس جائزے میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس طویل داستانِ نزع کو بغیر تبصرہ ہی سہی وضاحت کے ساتھ پیش کر سکیں۔ ہندوستان کی سیاسی گتھیوں کی طرح یہ مسئلہ بھی برابر اُلجھتا گیا۔ اور تقسیمِ ہند کے بعد تو یہ ایک زبردست سیاسی انتقام کی صورت میں نمودار ہو گیا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کو پسِ پشت ڈال کر وقتی سیاسی مصلحتوں کی روشنی میں رائے قائم کی جاتی ہے اور استدلال کا سارا نظام بھی انھیں مصلحتوں کی خدمت کے لئے وضع کر لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خواہ تشفی نفس کے لئے بہت آسان نسخہ ہو۔ لیکن علمی حیثیت سے قطعاً غیر مناسب ہے۔ زبان نہ وقتی سیاسی ضرورتوں سے پیدا ہوتی، نہ اُن کے سہارے پلتی بڑھتی ہے اور نہ اُن کے تقاضے اُس کو فنا کے گھاٹ اُتار سکتے ہیں۔ زبان ایک عظیم تہذیبی مظہر ہے جو تمدن کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آتی ہے۔ انھیں کے فیضان سے قوت و بالیدگی حاصل کرتی ہے اور اُس کی بقاؤ ترقی کے امکانات کا پیمانہ اُس کی خدمت کی صلاحیت پر قائم ہوتا ہے۔ تقسیم کے بعد ہمارا ملک ذہن و فکر کے ایک ابتلا انگیز عبوری دَور سے گزر رہا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسے زمانہ میں جب تہذیب و تمدن کی پوری عمارت کی درستگی اور اصلاح کا سوال درپیش ہو متضاد طرح کے انتہا پسندانہ نظریات اکثر کافی زور و قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ غیر معتدل دماغ ہمہ گیر یک رنگی کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتے ہیں اور اسی مطمحِ نظر کو حاصل کرنے میں اپنی ساری تدبیریں صرف کرنے لگتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے ملک میں بھی ہو رہا ہے۔ تہذیبی وحدت کے نام پر اس ہمہ رنگ اندازِ زندگی کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ترقی پرور زندگی کا امتیازی نشان ہوتا ہے۔ یہ کوشش نہ صرف اُصولی حیثیت سے غیر دانشمندانہ ہے بلکہ ہماری ملکی تاریخ کے اعلیٰ روایات کے بالکل منافی ہے۔ ہندوستان مختلف تہذیبی وحدتوں کا گہوارہ رہا ہے۔ اور یک رنگی کی خاطر ایسا کبھی نہیں کیا گیا کہ جلوۂ صد رنگ کو مٹا کر رکھ دیا جائے۔ رواداری، فراخ حوصلگی، سلیقہ مندانہ افہام و تفہیم اور بلند مقاصدِ حیات کے حصول کے لئے متحدہ کوششوں نے ہندوستانی زندگی میں یک رنگی اور نقطۂ نظر کی وحدت پیدا کی ہے انھیں روایات

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی آغوش میں ان اقدار نے پرورش پائی ہے جن پر ہم برابر فخر کرتے آئے ہیں اور برابر فخر کرتے رہیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ دو سو برس کی بدیسی غلامی نے ہمارے دماغوں کو بُری طرح مسموم کر دیا ہے۔ غیر ملکی سامراج نے ہمارے درمیان اپنے سیاسی مصالح کی خاطر نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکا دی۔ ایسی آگ جسے خونِ معصوم کے چھینٹے بھی پورے طور پر نہیں بجھا سکے ہیں۔ برسوں ہم نے ذہنی شکنجوں میں رہ کر معاملاتِ زندگی پر غور کیا ہے۔ لیکن اب ہم آزاد ہیں۔ ہمیں اپنی شاندار روایت ماضی اور اعلیٰ ترین تصورِ مستقبل کے تحت زندگی کی تعمیر کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اشتعالِ جذبات میں سرانجام نہیں پا سکتا۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے زندگی کے سوالات پر غور کرنے اور مستقبل کے دُور رس تقاضوں کو وقتی مصلحتوں سے بلند و بالا رکھنے، پائدار تہذیبی قدروں کو مذہبی اور سیاسی عصبیت سے محفوظ رکھنے سے ہی ہم ایک صحت مند نقطۂ نظر قائم کر سکتے ہیں۔

اُردو کا سوال ہندوستان کی تہذیبی و تمدنی زندگی کا بہت اہم سوال ہے۔ یہ زبان آج سے ایک ہزار برس پہلے اُس وقت پیدا ہوئی جب مسلمان اس دیس میں آکر بسے اور ایک نئی تہذیب کی چمن بندی کے لئے زمین ہموار ہوئی۔ آپس کی ضرورتیں اُس کی پیدائش کی محرک ہوئیں اور مشترک کاروبار، باہمی لین دین اور مختلف النوع سماجی رشتوں کے بندھنوں نے اُس کے پروان چڑھنے کا بندوبست کیا۔ اس زبان نے نہ شاہانہ اقتدار کی اُنگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اور نہ کسی دَور میں غیروں کا سرمایۂ نظر بنی، عوامی زندگی میں اُس کا روپ نکھرا اور اس کی توانمندی ظاہر ہوئی۔ شاہی محلوں سے پہلے خُدا پرست صوفیوں کی خانقاہیں اس کی جوت سے جگمگائیں۔ شاہی محلوں میں یہ زبان نئی عوامی ہندی تہذیب کے اعلان کرتے ہوئے داخل ہوئی اُردو ادب نے شمال سے پہلے دکن میں جنم لیا۔

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

اس سلسلے میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہمنی اور قطب شاہی و عادل شاہی سلطنتیں جو اُردو ادب کی ترقی و ترویج کا گہوارۂ اوّل بنیں، ہندوستانی تہذیب کی ترقی اور خدمت کا ایک واضح تصور رکھتی تھیں اور اُن کے عہد عروج میں ہندوستانیت کو کئی حیثیتوں میں نمود اور نکھار حاصل ہوا۔ شمالی ہند میں اُردو عوام ہی کے سہارے پل بڑھ کر جوان ہوئی لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ شمالی ہند میں اُردو ادب کا فروغ فارسی سے بہت قریب ہو کر ہوا لیکن اس سے زبان کا سانچا نہ بدل سکتا تھا اور نہ بدلا۔ اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی۔ یہیں کی آب و ہوا نے اُس کے بدن کو خونِ زندگی، اُس کے چہرے کو نکھار اور اُس کے ماتھے کو حُسن کی جوت دی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ زبان کبھی بھی اپنی بڑی کی خاصیت کو چھوڑ دیتی تشبیہ، استعارہ، تمثیل اور ادب کے دوسرے زیورات بے شک شیراز و اصفہان سے مستعار لے لئے گئے ہیں لیکن ادب و نفسیات کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے واسطے سے جس ذہن نے نمود پایا ہے وہ ہندوستانی نہیں؟ پٹھانوں اور مُغلوں کے دور میں ہندوستان کی بولیوں کو جو زبردست ادبی فروغ حاصل ہوا ہے وہ تاریخ کی ایک روشن حقیقت ہے۔ ان زبانوں کا فروغ و ترقی اس امر کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ عمومی طور پر مسلمان فرماں رواؤں کی پالیسی ہندو مسلمانوں کے سموئے ہوئے تمدن کو پروان چڑھانے میں معاون رہی۔ مسلمان فرماں رواؤں کے دور میں کسی قسم کے لسانی نزاع کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ گراں بہا عطیہ بھی ہم کو فرنگی حکومت کے دربار سے ملا کہ زبان کے ساتھ سیاسی قسم کی مذہبی عصبیت وابستہ ہو گئی لیکن ان سیاسی چالبازیوں کے باوجود اُردو کی ہمہ گیر ہندوستانی حیثیت میں کبھی بھی فرق نہیں آیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب سلمی اور ادبی حیثیت سے اُردو کی باقاعدہ تنظیم اور ترقی کے خاکے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

بنے تو اُن میں رنگ آمیزی ہندو اور مسلمان دونوں کے قلم نے کی۔ حالی، شبلی اور آزاد کے ساتھ سرور، سرشار اور چکبست کے نام کبھی بھی تاریخ سے نہیں مٹائے جا سکتے ہیں۔ یہ ماننے میں قطعاً تامل نہیں ہے کہ شمالی ہندوستان میں اُردو ہی مسلمانوں کی مادری زبان رہی ہے اور آج بھی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح بھی نہیں نکلتا کہ اُردو ہندوستان دشمن ہے۔ جدید اُردو ادب نے خالص ہندی قومیت کی نمود و ترقی میں جو حصہ لیا ہے وہی اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اُردو کی نگاہ میں ملکی مفاد کی اہمیت کبھی بھی کم نہیں رہی ہے۔ ادب ایک خطہ زار ہے جہاں گلہائے صد رنگ ظہور کرتے ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان تمام تر ایسا ادب نہیں پیش کر سکتی جو قوم پرستی کے خیالات سے مملو ہو۔ پھر ایک ایسا معیار قائم کر کے اُردو کو ہدف ملامت بنا دینا نہ انصاف ہے نہ دانشمندی۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اُردو زبان و ادب میں زندہ رہنے کی طاقت آج بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس کے ادیب اور شاعر تغیر پذیر حالات کو نگاہ میں رکھ کر برابر اصلاح کے لئے کوشاں رہے ہیں یا نہیں؟ اور اس کے عروج و ترقی سے نئے ملکی تمدن کو خاطر خواہ فائدہ پہنچنے کا امکان ہے یا نہیں؟

یہ ہے سنجیدہ معیار جس پر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اُردو زبان و ادب پر سرسری نگاہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑھتی اور پھیلتی ہوئی زبان ہے۔ اس نے جہاں جہاں سے ہو سکا ہے قوت اور زندگی حاصل کی ہے۔ عوام اور خواص سب اس کو بولتے ہیں۔ کاروباری زندگی میں اس کا چلن ہے۔ تفریح و نشاط کی دنیا اس کے زمزموں سے معمور رہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے بالخصوص اس زبان میں سادگی پیدا کرنے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کی کوشش کی جارہی ہے۔ سرسید کے سادہ نگاری کی ایک طاقت ور روایت قائم ہو
نے اُس کو ادبی استحکام بخشا، اور ادیبوں اور شاعروں کی ایک پوری جماعت
ہے جو تقسیم ہند سے بہت پہلے اُسے ہندی کے قریب تر کرنے میں برابر مصروف
عمل رہی ہے۔ یہ تمام شواہد کھلے طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اُردو بحیثیت زبان
نہ تنگ دامن ہے نہ بے نظر اور نہ بے حوصلہ۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ
آج ہم تعمیر نو کا کام واضح منصوبہ بندی کے ماتحت کر رہے ہیں۔ ملکی زندگی کا
کون سا ایسا شعبہ ہے جس میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت نہیں، اس حیثیت
سے اگر اُردو زبان و ادب کے متعلق بھی نیک نیتی سے کچھ اصلاحیں تجویز کر دی
جائیں تو بہت معقول اور کارآمد بات ہوگی، حیرانی تو اُس وقت ہوتی ہے جب
متضاد دلائل کے حربے لے کر مختلف سمتوں سے نعرے بازی کے جوش میں
میدان سیاست کے کاسگاران وقت اُردو پر پل پڑتے ہیں، ایک طرف سے
آواز آتی ہے۔ "اُردو کو نکال دو، یہ بدیسی زبان ہے"۔ دوسرے بزرگ کا ارشاد
ہوتا ہے۔ "اُردو سرے سے کوئی زبان نہیں ہے ہندی کا ایک اسلوب بیان
ہے"۔ تیسری جانب سے صدا اُٹھتی ہے۔ "یہ شوریدہ بخت مسلمان بادشاہوں
کے محلوں کی لونڈی ہے اس لئے گردن زدنی ہے"۔ بعض وقت ذہن یہ سوچنے
پر مجبور ہو جاتا ہے کہ معترض صاحبان اعتراضات کو ایک ساتھ رکھ کر غور کرنے
کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ یہ کھلونے آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ جائیں اور اُن
کا ذہن اُلجھاؤ سے پاک ہو جائے۔ پچھلے پندرہ برس میں اُردو کے مخالفوں
نے جس تیزی کے ساتھ اپنے محاذ بدلے ہیں اور استدلال کے ترکش سے
جس جس انداز سے تیر نکالے ہیں اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا ہنگامہ
سیاسی شعبدہ گری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اُردو کی بقا، زندگی کی سب سے بڑی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کیا یہی ہے کہ اس کے مخالفوں کے پاس کوئی ایسا حربہ نہیں ہے جو واقعی کارگر ہو، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ نہ اُن کے دماغ میں زبانوں کے ارتقار کا کوئی واضح تصور ہے نہ تہذیب و تمدن کی خاکہ بندی کا کوئی خاص نظریہ، نہ حال پر کوئی روشن نظر ہے اور نہ مستقبل کے متعلق کوئی سائینٹیفک قیاس آرائی۔ ہم پہلے کہہ چکے کہ ہندوستان کی ترقی بلند نظر ہم رنگی سے ممکن ہے، تنگ نگاہ یک رنگی سے ممکن نہیں۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ ملک کے صحیح الخیال افراد (یہ خوشی کی بات ہے کہ ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے) زبان معاملات میں واضح اور صاف رائے رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ جمہوریت کو ایک طرز زندگی تسلیم کرتے ہیں اور ایک طرز زندگی کی حیثیت سے اس کی کامیابی چاہتے ہیں کبھی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتے کہ کسی بھی تہذیبی اور تمدنی متاع کو محض موہوم تعصب اور مبہم گمان فاسد کی بنیاد پر فنا کر دیا جائے۔ اُردو کی زندگی کا یہ روشن ثبوت ہے کہ ہندوستان کے دستور اساسی میں اُسے ایک زندہ زبان کی حیثیت سے ملک کی مسلمہ علاقائی زبانوں میں جگہ ملی ہے۔ یہ دستوری سند اُردو کی زندگی اور بقا کے لئے محکم ترین آئینی قوت کی حیثیت رکھتی ہے اس کی اہمیت کو ہمہ حال نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ خالص جمہوری انداز میں جد و جہد کی بنیاد یہی آئینی سند فراہم کرتی ہے۔

اُردو کی آئینی حیثیت تسلیم کی جا چکی ہے۔ پھر بھی ایک سخت قسم کے ابتلا و آزمائش سے اس کا سامنا ہے۔ ہندوستان کے وہ خطے جہاں صدیوں اُس کا بول بالا رہا ہے، آج اُس کے لئے امتحان گاہ بنے ہوئے ہیں۔ اُردو سے محبت رکھنے والوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اسے اچھی طرح [illegible] میں رکھیں کہ اُردو کے حق میں سب سے بڑی قوت خود اس کے زبان

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

وادب کی صلاحیت ہے۔ اس صلاحیت کا جس قدر عرفان بڑھے گا۔ اس
ہی پایانِ کار اپنی کامیابی پر یقین بڑھے گا۔ اُردو کے حق میں یہ بہت اچھی
بات ہے کہ اُردو دوستوں نے اس دور میں بڑے صبر و تحمل لیکن بڑے
عزم و ہمت کے ساتھ ناسازگار حالت کے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ انجمن
ترقی اُردو نے اُتر پردیش میں دستخطی مہم چلاکر دستوری طرز پر جد و جہد
کرنے کا ایک بہت معقول نمونہ نگاہوں کے سامنے پیش کیا ہے، اور اپنے
حوصلہ آفریں عمل سے اُردو دنیا میں کام کرنے کی ایک لہر دوڑا دی۔ فی الحال
انجمن کے زیرِ نگرانی مادری زبان میں حصولِ تعلیم کی آسانیاں بہم پہنچانے
کے لئے جو جد و جہد ہو رہی ہے وہ بہت قابلِ لحاظ ہے۔ گرم مزاج اور
جوشیلی طبیعت رکھنے والے لوگ ان اقدامات کو بہت ناکافی سمجھتے ہیں،
ان کے جذبہ کی صداقت میں کوئی شبہہ نہیں ہے، لیکن یہ چیز نگاہ میں
رکھنا بہت ضروری ہے کہ پائیدار تعمیری کام قدم بہ قدم اور لحظہ بہ لحظہ ہی
انجام پاتا ہے۔ اُردو کی مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے لئے بڑے ٹھنڈے
دل و دماغ اور بڑے محتاط اقدام کی ضرورت ہے۔ گرم مزاجی اور اشتعال
میں قدم کبھی صحیح نہیں پڑتے بلکہ اکثر بہک جاتے ہیں۔

اُردو کے سامنے اس وقت بہت سی دقتیں ہیں۔ آئینی حیثیت سے وہ
تسلیم شدہ زبانوں میں ہے۔ لیکن اسکولوں اور کالجوں میں اس تعلیم کا باقاعدہ
بندوبست نہیں۔ عدالتوں اور دفتروں سے قریب قریب اس کا اخراج
ہو چکا ہے۔ انگریزی بدیسی زبان ہے پھر بھی ملکی زندگی میں اس کا خاصہ
عمل دخل ہے۔ تعصب کی وجہ سے حکام اکثر اُردو کو دبانے اور اجتماعی زندگی
سے خارج کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایک زندہ زبان کا سوال ماں کی

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

لے کر اجتماعی زندگی کی اعلیٰ ترین منظیم تک پھیلا رہتا ہے اور اگر کسی منزل پر بھی اس کے جائز مفاد کو نقصان پہنچ جائے تو اس کی ترقی کی صحیح رفتار میں رخنے پڑ جاتے ہیں۔ اسی لئے اُردو کے قیام و بقا کا سوال ہمہ گیر جد و جہد کا نقشہ نگاہوں کے سامنے لے آتا ہے۔ صحیح اور تشفی بخش علاج وہی ہے جو انجمن ترقی اُردو نے اُردو بولنے والے خطوں اور صوبوں میں اسے علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرانے کے لئے پیش کیا ہے۔ یو۔ پی، بہار، دلی اور پنجاب میں جہاں اُردو تقسیم کے وقت تک اجتماعی زندگی میں پورا عمل دخل رکھتی تھی دوبارہ اس کی ساکھ قائم ہونے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ان خطوں میں اسے علاقائی زبان کی حیثیت مل جائے۔ اس طرح وہ سرکاری زبان ہندی کے دوش بدوش خاطر خواہ ترقی کر سکے گی اور لسانی اور ادبی حیثیت سے ہندی اور اُردو دونوں زبانیں اس سے بہت فائدہ اُٹھائیں گی۔ علاقائی زبان کی مہم کے ساتھ ساتھ جزوی معاملات کے تصفیہ کی کوششیں ہو رہی ہیں وہ اپنی جگہ بالکل مناسب ہیں۔ ان کوششوں سے نہ صرف ذوقِ عمل تازہ رہتا ہے بلکہ کام کرنے کا تجربہ بھی برابر نکھرتا جاتا ہے۔

کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ چیز بھی بہت اہم ہے کہ پچھلے آٹھ دس برس کے عرصہ میں بتدریج فضا کا رنگ بدلا ہے۔ گرد و غبار ہٹا ہے اور مسائل کچھ روشن ہو کر سامنے آئے ہیں۔ ایسے زمانے میں ان لوگوں کے فرائض جو اُردو زندہ رکھنا چاہتے ہیں بے انتہا بڑھ جاتے ہیں۔ صبر و ہمت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر پر جمے رہنا اور اپنے دائرہ میں زبان و ادب کے فروغ و ترقی کے لئے سرگرم کار رہنا ایک اہم فرض ہے جس کی خاطر خواہ انجام دہی پر ہی مستقبل کا انحصار ہے۔ ہندوستان نے جمہوری طرزِ زندگی کو قبول کر کے یہ مان لیا ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

کہ ملک کی مختلف تمدنی اور لسانی وحدتیں نشو و بالیدگی کا پورا [illegible]
اگر ہم بصیرت، تندہی اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنے تخیل پر قائم
رہیں گے تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ جمہوری روایات کے استحکام کے ساتھ
اُردو کی اعلیٰ ترین ترقی کے لئے زمین ہموار ہوتی جائے گی۔ ہمیں اس معاملہ
میں اپنی نظر بالکل صاف رکھنا چاہیئے کہ اُردو کی خدمت وسیع مفہوم میں
ہندی تہذیب کی تعمیر نو کے لئے ایک مؤثر اقدام کی حیثیت رکھتی ہے۔

تقسیم ہند نے قومی زندگی میں ایک بدنظمی سی پیدا کر دی۔ ادب اور خصوصی
طور پر اُردو ادب کی ترقی کو اس سے بڑا دھکا لگا۔ دو علیحدہ گہوارے قائم ہو گئے
آگ اور خون کی بے تحاشا ہولی نے ذہنوں کو ماؤف اور روحوں کو پژمردہ کر کے
رکھ دیا۔ اخلاق اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے ایمان اُٹھ گیا۔ تہذیب کی رفتار ترقی میں
فرق آگیا۔ ادب میں ایک خلا نظر آنے لگا۔ کشت و خون کے عظیم حادثوں کے نتیجہ
میں ایسا ہو جانا بالکل فطری امر ہے لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ یاس و عدم اعتماد
کی پرچھائیاں مستقل طور پر ڈیرے ڈالے رہیں گی صحیح نہیں ہے۔ ادب کی تاریخ
بتاتی ہے کہ عبرت کے مناظر اور کشت و خون کی ہولیاں عارضی طور پر تو بے شک
ذہن و رُوح کو منتشر کر کے رکھ دیتی ہیں۔ لیکن اُن کے اثر سے فکر و عمل کے احتساب
کا ذوق قوی تر ہو جاتا ہے، اور انسانی فطرت کا بنیادی جوہر نمو زیادہ تابناکیوں
کے ساتھ ہویدا ہوتا ہے۔ ہمارے دَور میں جو زبردست تہذیبی زلزلہ آیا ہے اُس
نے زندگی کے بنیادی سوالات کو اُبھار کر سامنے کر دیا ہے۔ یہ سوالات ناخنِ تدبیر
سے اعجازِ عقدہ کشائی طلب کر رہے ہیں اور نگاہِ بصیرت سے زندگی کی رمز شناسی
اگر ہم ماحول پر قابو پا گئے اور آثار برابر اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ تو یہ
چیز بالکل یقینی ہے کہ اسی دہکتے ہوئے لاوے سے وہ جوت پھوٹ پڑے گی جو

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

ادب اور زندگی کا نور بن جائے گی۔ یہ امر حوصلہ آفریں ہے کہ ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے اس فتنوں سے بھرے ہوئے زمانہ میں یقین کی شمع کو روشن رکھا ہے اور اپنی حد بساط تک زبان و ادب کی خدمت میں برابر مصروف رہے ہیں۔ ادب کے کاروبار میں تعطل کبھی نہیں آیا۔ شاعروں کی زمزمہ سنجیاں، نقادوں کی نشتر آفرینی اور ادیبوں کی خیال آرائیاں آج بھی رنگ و کیف کے ساتھ نکھار پر ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ قومی زندگی میں یاس و حرماں کی کیفیت جس قدر کم ہوتی جارہی ہے اور تعمیر و ترقی کی لگن جس قدر بڑھتی جارہی ہے۔ ادبی تخلیق کے دروازے کھلتے جارہے ہیں۔ ادب کے پرانے ذخیروں کو کھنگالنے کا شغف برابر بڑھ رہا ہے اور ادبی تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کی فراہمی کے لئے تیز تر جدوجہد جاری ہے۔ انفرادی کوششیں اپنی جگہ بہت قابلِ لحاظ ہیں لیکن بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اجتماعی پیمانہ پر بھی اچھا کام ہو رہا ہے انجمن ترقی اُردو، دار المصنفین اعظم گڑھ، ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد، انجمن اسلام، اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی اور بہت سے ادارے واضح مقاصد کے تحت کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان اداروں کے زیر نگرانی لسانی تحقیق اور ادبیات کے مختلف میدانوں کی سیرابی کے لئے برابر سامان ہو رہے ہیں ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے زندگی معاملات میں کچھ کم درہمی نہیں پیدا کی۔ کئی ممتاز ادارے نئے حالات میں معطل ہو کے رہ گئے۔ اور بعض کے خدمت و عمل کے دائرہ سے اُردو بالکل خارج ہو گئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے دار الترجمہ اور ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے اُردو کی جو زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں۔ جدید اُردو ادب کی تعمیر میں علی گڑھ تحریک نے جو حصہ لیا ہے وہ تاریخ ادب کا ایک بہت اہم باب ہے

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

سرسید احمد خاں اور اُن کے ساتھیوں نے صحیح معنی میں جدید اُردو ادب کی بنیاد رکھی اور اُس کے فروغ و ترقی کے میدان پیدا کئے۔ علی گڑھ اس ستر پچھتر برس کے زمانہ میں برابر اُردو کی ترویج و اشاعت اور ادبی استحکام و بالیدگی کا گہوارہ رہا ہے۔ تقسیم ہند کے نتیجہ میں جو تغیرات رُونما ہوئے اُنھوں نے اُردو کے اکثر مرکزوں کے وقار کو شدید طور پر مجروح کر دیا۔ دلی اور حیدر آباد بالکل سامنے کی مثال ہیں۔ علی گڑھ کی مرکزیت نہ صرف قائم ہے بلکہ موجودہ حالات کے پیش نظر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو ادب کی آیندہ تعمیر و ترقی کے سلسلے میں علی گڑھ کو ایک بار پھر بہت نمایاں کام کرنا ہے۔ اُردو داں طبقے علی گڑھ سے جو امیدیں وابستہ کرتے ہیں وہ بالکل جائز ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ علی گڑھ کے اربابِ حل و عقد کو اس ضرورت کا پورا احساس ہے اور اس کے روشن امکانات نگاہوں کے سامنے موجود ہیں کہ مسلم یونیورسٹی میں بہت جلد وسیع پیمانہ پر ادبی و تحقیقی کام کے منصوبے مکمل ہو جائیں گے۔

زبان و ادب کے سلسلے میں مختلف نظریاتی تحریکوں کی کاوش و جد و جہد کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پہلا نام ترقی پسند تحریک کا آتا ہے نظریہ سے بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ اس تحریک کی بدولت خصوصی طور پر نوجوان طبقے میں ادبی مطالعے اور تنقید و تصنیف کا ذوق و شوق برابر بڑھ رہا ہے۔ مذہبی اور روحانی اساس کو پیش نظر رکھ کر تعمیر پسند ادب کی تحریک ادیبوں اور شاعروں کے لئے ایک نئی مرکزیت پیدا کرنے کے لئے سرگرم کار ہے۔ یہ تحریک ابھی بالکل ابتدائی منزلوں میں ہے بآسانی اُس کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن زبان و ادب کے ہمہ گیر جائزہ میں اس مسلمہ کو نگاہ میں رکھنا بہر قیمت ضروری ہے کہ ع

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection.

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن

یہ تبصرہ نامکمل رہ جائے گا۔ اگر جامعۂ اُردو علی گڑھ کا ذکر نہ کیا جائے۔ جامعہ خاموش خدمت اور استقامت پسند عمل کا ایک روشن مظہر ہے اس کی روز افزوں مقبولیت ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں اُردو کی پوزیشن عوامی زندگی میں کتنی مستحکم ہے اور اُردو زبان و ادب کے حاصل کرنے کا شوق کس قدر نمایاں ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ راہ کانٹوں سے بھری ہے۔ پریشانیاں اور دقتیں کم نہیں ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کام کرنے کا میدان بھی موجود ہے اور اس لطف کی بھی فراوانی ہے جو مصائب و مشکلات کا مقابلہ کر کے ہی حاصل ہوتا ہے۔ عزم و استقامت کو ایسے ہی حالات میں پر پرواز ملتے ہیں۔ اور ایسے ہی ماحول میں ذوقِ عمل کو برابر یہ نوائے حیات انگیز کرتی ہے ؎

لے چل ہاں منجدھار میں لے چل ساحل ساحل کیسا چلنا
میری اتنی فکر نہ کر میں خوگر ہوں طوفانوں کا

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

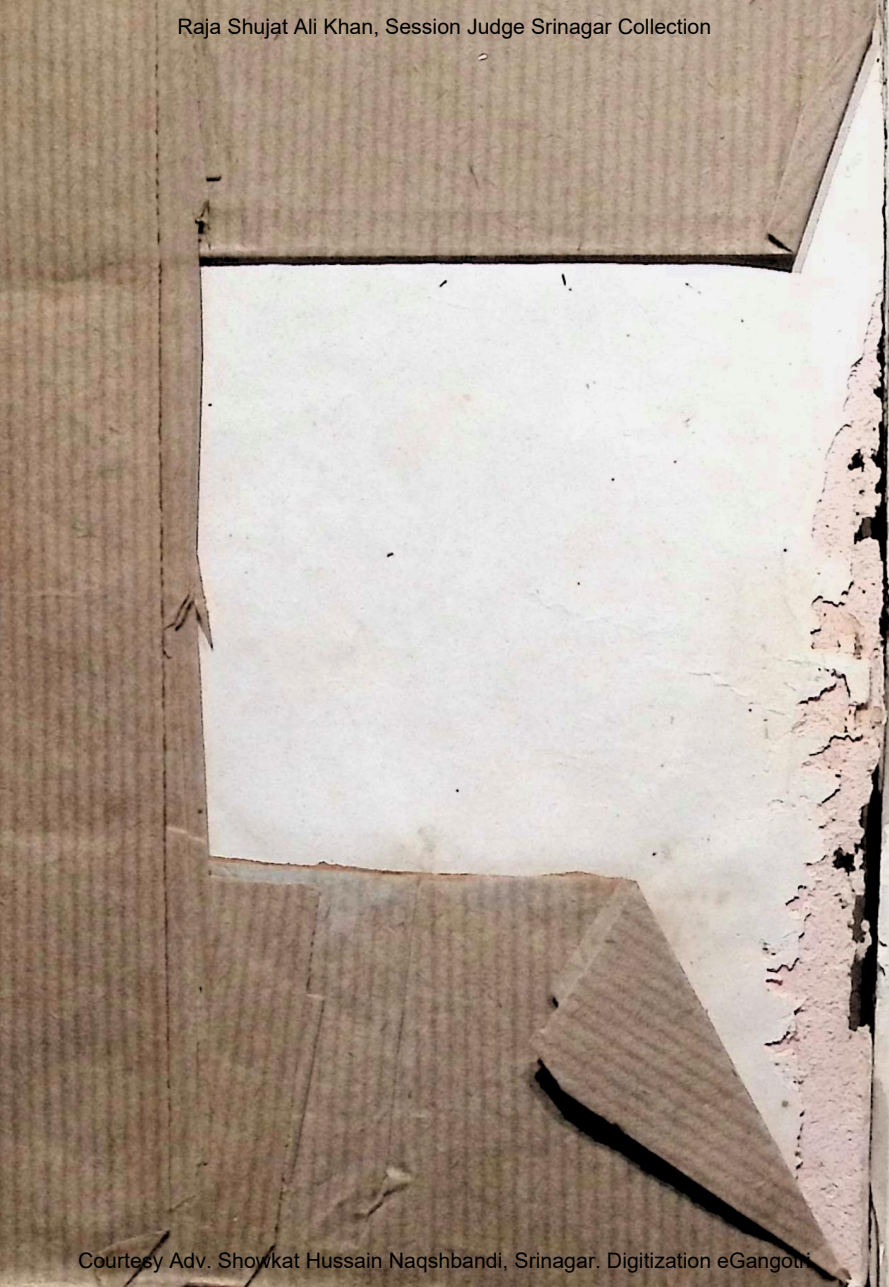

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

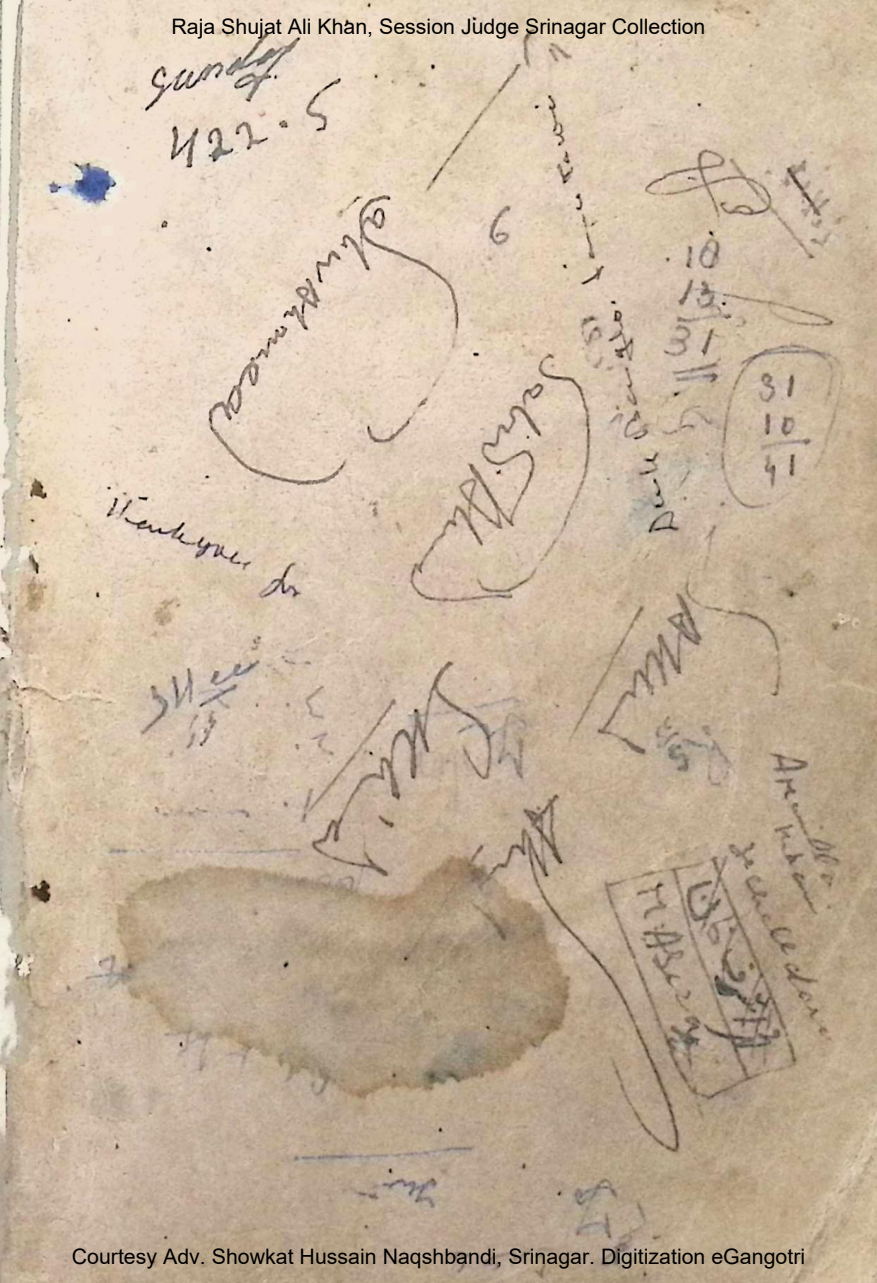

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

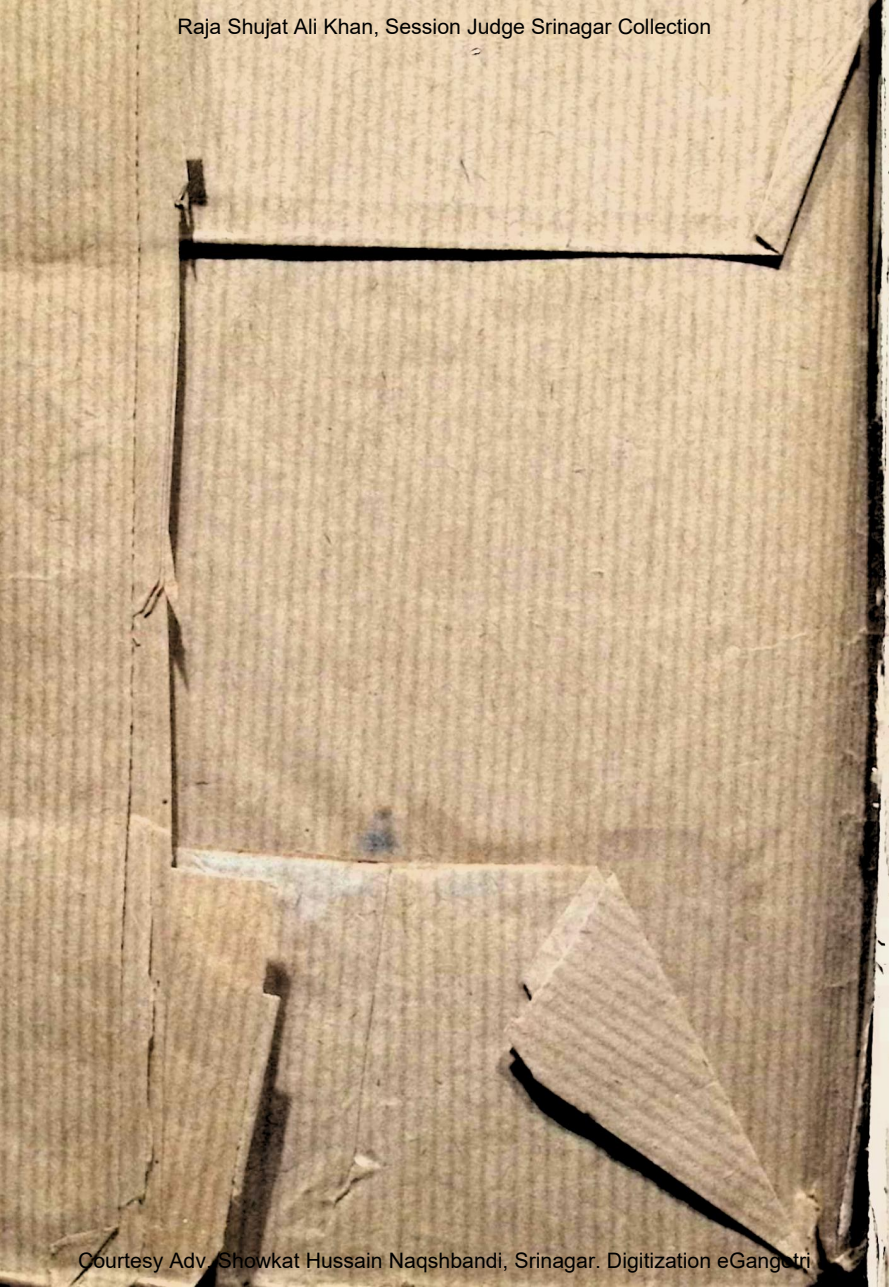

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

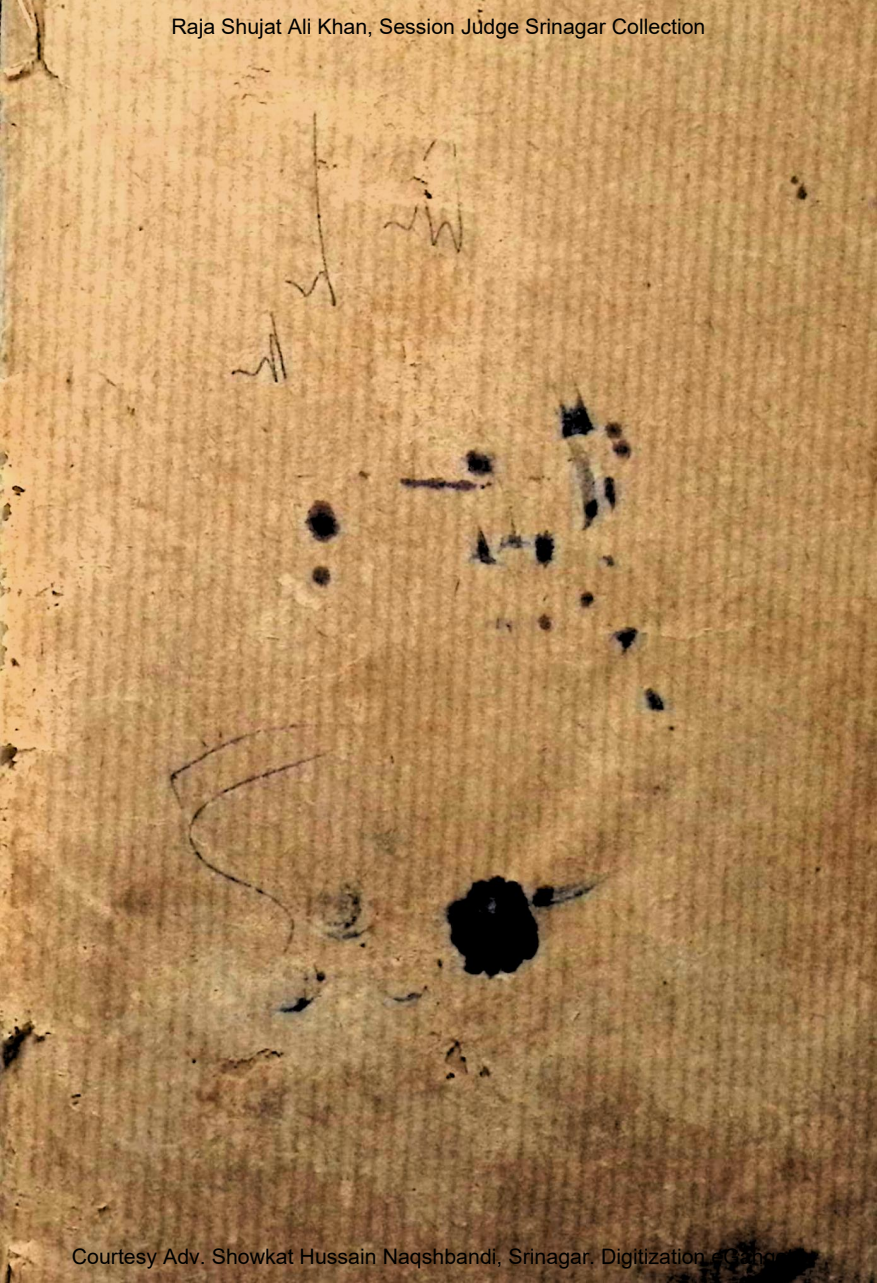

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization by eGangotri

Raja Shujat Ali Khan, Session Judge Srinagar Collection

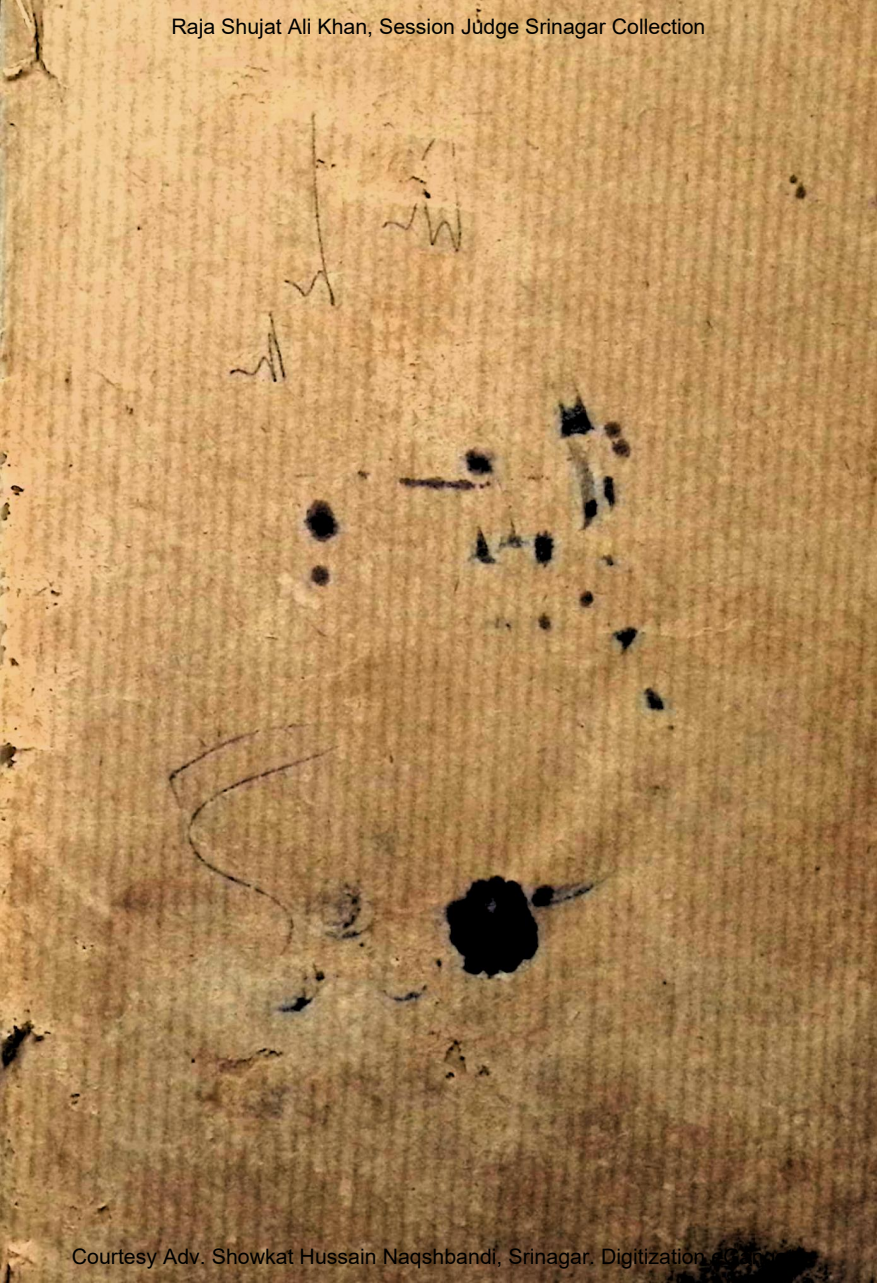

Courtesy Adv. Showkat Hussain Naqshbandi, Srinagar. Digitization